فقہ اسلامی
کی
نظریہ سازی

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ

اسلامک فقہ اکیڈمی
(انڈیا)

۲۳۰۱۵
DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ
اس کی جزوی طباعت بھی پہلے سے حاصل کردہ تحریری اجازت کے بغیر ممنوع ہے

کتاب ــــــ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی
مصنف ــــــ ڈاکٹر جمال الدین عطیہ
صفحات ــــــ ۲۵۶
خوشنویس ــــــ محمد الیاس مظفر پوری
قیمت ــــــ ۸۵ روپے
طبع اول ــــــ ۱۹۹۳ء
تعداد ــــــ ۱۰۰۰
ناشر ــــــ اسلامک فقہ اکیڈمی، جامعہ نگر نئی دہلی۔۲۵
مطبع ــــــ نائس پرنٹنگ پریس دہلی
سول ایجنٹ ــــــ قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز دیچ بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳
فون ــــــ ۶۱۷۲۴۰

فہرستِ مضامین

مقدمہ ٦

باب اوّل : فقہی نظریات اور علم اصول فقہ ١٢

فصل اول : علم اصول فقہ کی ابتدا ١٦

فصل دوم : علم اصول فقہ میں تصنیف و تالیف کے طریقے ٢٣

فصل سوم : کتب اصول فقہ کی ترتیب اور ان کے موضوعات ٣١

باب دوم : دوسرے علوم اسلامیہ میں فقہی نظریات ٤٠

فصل اول : مذکورہ علوم کی تعریف ٥١

فصل دوم : شریعت کے مقاصد ٦٢

فصل سوم : قواعد ٧١

پہلی بحث : عہد بہ عہد تبدیلیاں ٧٥

دوسری بحث : قواعد کا تجزیاتی مطالعہ ٨١

١ــــ کلی اصلی قواعد ٨٢

٢ــــ وہ قواعد جو مختلف اقسام کے فقہی ابواب کے درمیان مشترک ہیں ۔ ٩٢

٣ــــ ایک قسم کے مختلف ابواب فقہیہ کے درمیان مشترک قواعد ١٠١

٤ــــ کسی ایک فقہی باب سے تعلق رکھنے والے قواعد ١١٢

٥ــــ اصولی قواعد ١١٨

٦ــــ کلامی قواعد ١٢٠

٧ــــ نحوی قواعد

Marfat.com

۸ ـــــ فقہی قواعد ۱۲۳
فصل چہارم : فقہی ابواب کے درمیان مشترک قواعد کو ایک موضوع کے تحت جمع کرنا ۱۲۴
فصل پنجم : فروق ۱۳۷
۱ ـــــ مسائل فقہیہ کے درمیان پائے جانیوالے فرق "
۲ ـــــ قواعد کے فروق ۱۴۹
چھٹی فصل : اختلاف فقہاء، فروع کی اصول سے تخریج ۱۵۴
۱ ـــــ اختلافِ فقہاء "
۲ ـــــ فروع کی اصول سے تخریج ۱۶۸
ساتویں فصل : بدعات اور حیلے ۱۹۲
۱ ـــــ بدعات "
۲ ـــــ حیلے "
آٹھویں فصل : علوم اسلامیہ کی کتابوں میں فقہی نظریہ سازی کے کام پر عمومی نظر ۱۹۸
باب سوم : فقہی نظریات کی موجودہ صورتِ حال . ۲۰۹
۱ ـــــ رخ اور سمتیں ۲۱۰
۲ ـــــ عصر حاضر کا تقابلی منہج اور اس کی خصوصیات ۲۱۷
۲ ـــــ فقہ اسلامی اور فقہی نظریات کے موضوع پر عصر حاضر کے مصنفین کی کچھ تحریریں ۲۲۳
خاتمہ : ۲۲۹
۱ ـــــ جن علوم شرعیہ کا مطالعہ کیا گیا ان کے مقاصد و وظائف "
۲ ـــــ مستقبل پر ایک نظر ۲۴۳
ماخذ و مصادر : ۲۴۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد

یہ کتاب ان لیکچروں کا مجموعہ ہے جو میں نے قطر یونیورسٹی کی کلیۃ الشریعۃ (شریعت کالج) کے طلباء اور طالبات کے لئے فقہی نظریات کے نصاب کی تمہید اور مقدمہ کے طور پر تیار کئے۔ اور پیش کئے۔

میری یہ رائے ہوئی کہ میں ان لیکچروں کو نظر ثانی کے بعد شائع کردوں تاکہ اسلامی علوم میں عموماً اور فقہ میں خصوصاً نظریہ سازی میں میدان بھی متعین ہو جائے اور اس میدان میں متقدمین اور معاصرین کی کوششوں کا جائزہ لے کر اس اہم علمی کام کو آگے بڑھایا جا سکے۔

اگر بعض احباب اور اصحاب نظر اس بحث وتحقیق کی تصحیح اور اس میں اضافہ کریں تو مجھے مسرت ہوگی کیونکہ علمی بحث وتحقیق اسی طرح ترقی کرے گی اور بارآور ہوگی۔

ہم سب اللہ تعالیٰ سے صدق نیت اور حسن تائید کی دعا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ

دوحہ: شعبان ۱۴۰۸ھ اپریل ۱۹۸۸ء

Marfat.com

اس کتاب میں ایک مقدمہ، تین ابواب اور خاتمہ ہے۔

- مقدمہ کے اندر نظریہ کی تعریف، تقسیمات اور اقسام ہیں۔
- پہلا باب ان فقہی نظریات پر مشتمل ہے جو علم اصول فقہ میں پائے جاتے ہیں۔
- دوسرا باب ان فقہی نظریات سے بحث کرتا ہے جو دوسرے اسلامی علوم میں پائے جاتے ہیں۔
- تیسرا باب معاصر تحریروں میں فقہی نظریات کے بارے میں ہے۔
- خاتمہ میں ان علوم کے اغراض و فوائد کی وضاحت کی گئی ہے اور مستقبل کے لئے لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔

Marfat.com

مقدّمہ

فقہی نظریہ کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ فقہی نظریہ اس مجرد تصور کا نام ہے جو جزئی فرعی احکام کو منضبط کرنے والے قواعد عامہ کو یکجا کرے۔

نظریہ ذہن میں قائم ہونے والا ایک تصور ہے، خواہ یہ تصور فکر منطقی کے تسلسل سے پیدا ہوا یا فرعی وجزئی احکام کے استقراء سے ماخوذ ہو۔ یہ تصور تجریدیت سے متصف ہوتا ہے کیونکہ اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ تطبیقی صورت حال سے بلند ہو کر اس تطبیق کے پیچھے کارفرما نظریہ وتصور تک رسائی حاصل کی جائے۔

نظریہ ایسا جامع تصور ہوتا ہے جو موضوع کے تمام اطراف اور پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور موضوع کے تمام مراتب ودرجات اور تمام اثرات سے بحث کرتا ہے۔

نظریہ جس جامع تجریدی تصور کا نام ہے اسے دریافت کرنے کے لئے اس موضوع سے تعلق رکھنے والے تمام ظواہر واحکام میں پائے جانے والی مشترک صفات کا پتہ لگایا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ اس موضوع کے مشترک اور عام قواعد معلوم کئے جائیں۔ کسی متعین منظہر یا مخصوص حکم میں پایا جانے والا وصف نظریاتی تصور میں داخل نہیں ہوتا۔

لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں عمومی نظریات نہیں ہیں بلکہ اسلامی شریعت زندگی کے مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والے فرعی احکام کے مجموعہ کا نام ہے۔

ہم اس کتاب کے پہلے اور دوسرے باب میں جائزہ لیں گے کہ نظریہ سازی کے میدان میں فقہاء سلف کی کوششیں کہاں تک پہنچی تھیں۔ اس جائزہ سے یہ حقیقت کھلے گی کہ مذکورہ بالا مقولہ علی الاطلاق درست نہیں، اگرچہ اسلامی شریعت میں نظریات کی نفی کرنے والے اور اسے فرعی احکام کا مجموعہ کہنے والے بھی نیک نیت ہیں اور چند اسباب کی بنا پر مذکورہ بالا خیال قائم کرنے میں معذور ہیں۔ ان اسباب کی طرف ہم آئندہ اشارہ کریں گے۔

کتب فقہ میں فقہی نظریات تلاش کرنا اتنا آسان نہیں جتنا احکام فرعیہ تلاش کرنا آسان ہے۔ فقہ کی کتابیں فرعی احکام سے معمور ہیں، اس کے برخلاف ان کتابوں میں فقہی نظریات پر بحثیں بہت کم ملیں گی۔ اس لئے کہ یہ فقہی نظریات مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان بکھرے ہوئے فقہی نظریات کو دریافت کرنے اور یکجا مرتب کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

کسی چیز کا وجود اگر مادی اور محسوس ہو تو اس کی دریافت قدرے آسان ہوتی ہے لیکن بے شمار احکام فرعیہ کے پس پردہ جو فقہی نظریات پوشیدہ ہیں انھیں دریافت کرنے کے لئے بڑی علمی ریاضت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ فقہاء نے بعض فقہی نظریات بیان نہیں کئے ہیں، نہ انھیں نکھارا ہے، لیکن فرعی احکام کا تتبع اور استقراء کرنے سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ان احکام کو مربوط کرنے والا فقہی نظریہ فقیہ کے ذہن میں ضرور موجود ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ فرعی احکام سے ان نظریات کا استخراج کیا جائے۔

کسی موضوع کے مباحث اگر علوم اسلامیہ کی کتابوں میں کامل طور پر موجود ہوں تو ان مباحث کو مرتب کرنا کچھ آسان ہوتا ہے، لیکن جس موضوع کے مباحث ہی مکمل نہ ہوں وہاں دشواری پیش آنا لازمی بات ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت کے کامل اور جامع نظریہ تک پہنچنے کے لئے نظریہ کا ایک خاکہ ترتیب دے کر بکھرے ہوئے نظریاتی مباحث سے اس خاکے کو بھرنا اور جہاں جہاں خلا محسوس ہو اسے پُر کرنے کی

Marfat.com

کوشش از حد ضروری ہے۔

فقہی نظریات کو مرتب کرنے کا مسئلہ لازماً ان علوم کو مرتب کرنے سے مربوط ہے جن پر یہ نظریات حکمراں ہیں یہیں سے یہ بحث بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے کہ ان علوم میں سے کن علوم کی حیثیت وسائل کی ہے اور کن کی حیثیت مقاصد کی، نیز کون سے علوم فرض عین ہیں اور کون سے علوم فرض کفایہ۔

اپنی اس بحث و تحقیق کو فقہ اسلامی کی نظریہ سازی کے موضوع تک محدود رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کچھ ایسی بحثوں کو چھانٹ کر الگ کر دیں جو زیر بحث موضوع میں خلط ملط ہو جاتی ہیں حالانکہ وہ اس موضوع کی بحثیں نہیں ہیں۔ موضوع کی تنقیح میں ہمیں اس وضاحت سے مدد ملے گی کہ کسی متعین مسئلہ سے تعلق رکھنے والے فقہ کے فرعی احکام فقہی نظریات کے دائرے میں داخل نہیں اگرچہ انہیں قاعدہ کی شکل دیدی جائے۔ کیونکہ قاعدے کی شکل میں ڈھال دیئے جانے کے باوجود اس کی حیثیت اس فرعی قاعدہ سے زیادہ نہیں ہوگی جو ایک متعین مسئلہ پر منطبق ہوتا ہے خواہ ان تصرفات اور واقعات کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو جن پر اس کا انطباق ہوتا ہے۔

کسی خاص تصرف یا متعین واقعہ کے بارے میں دیئے گئے مفتی کے فتویٰ اور کسی خاص مقدمہ کے بارے میں قاضی کے فیصلہ کو بھی فقہی نظریہ سازی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ فتویٰ اور فیصلہ دراصل کسی متعین واقعہ یا مخصوص تصرف میں حکم شرعی کا اجراء ہے، فقہی نظریہ سازی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

درج ذیل فہرست میں ہم نظریاتی قواعد کی ترتیب اس اعتبار سے واضح کریں گے کہ اپنے جزئیاتی احوال وظروف سے کونسا قاعدہ کس قدر آزاد اور مجرد ہے۔ اس فہرست میں ہم ان بحثوں کو الگ کر دیں گے جن کا تعلق نظریاتی قواعد سے نہیں ہے۔

Marfat.com

نظریاتی قواعد ___ اصولی، کلامی یا لغوی قاعدہ۔

___ فقہ کی مختلف قسموں سے تعلق رکھنے والے چند ابواب کے درمیان مشترک قاعدہ۔

___ ایک ہی فقہی قسم (مثلاً عقود) کے چند ابواب کے درمیان مشترک قاعدہ۔

ایک ہی باب (مثلاً بیع) کا عمومی قاعدہ۔

وہ امور جنھیں نظریاتی قواعد میں سے نہ ہونے کی وجہ سے الگ رکھا جائے گا۔	- فرعی قاعدہ یعنی ایک منفرد بار بار پیش آنے والی حالت کے لئے - مجرد قانون سازی۔ - مفتی کا فتویٰ، قاضی کا فیصلہ۔ وہ واقعات اور تصرفات جو احکام شرعیہ کے محل ہیں۔

● درج ذیل نقشہ سے ہم واضح کریں گے کہ مختلف شرعی علوم سے فقہی نظریات کا کیا رشتہ ہے۔

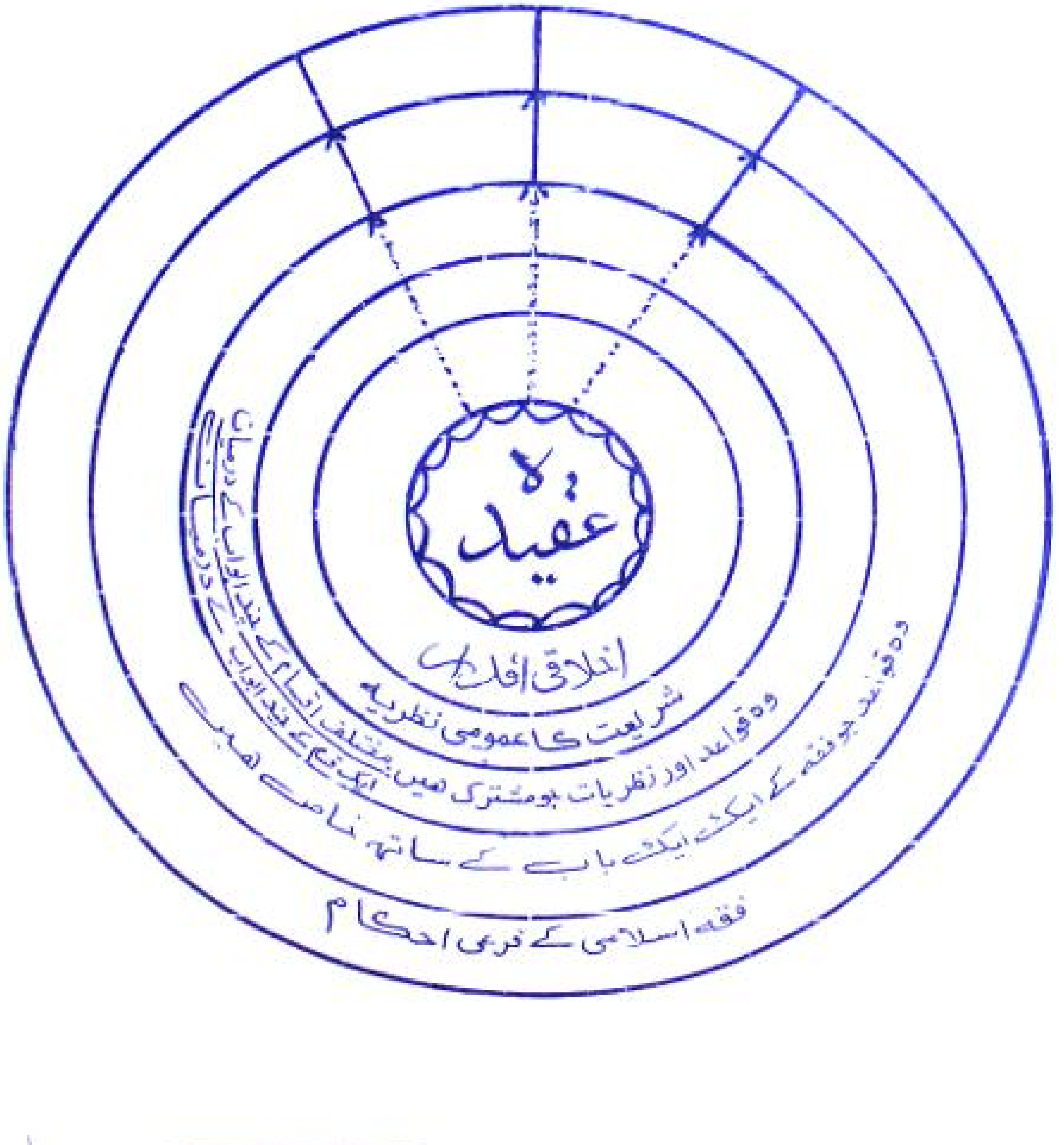

اس توضیحی نقشہ کے مرکز میں عقیدہ ہے کیونکہ عقیدہ ہی تمام علوم کی اساس اور ماخذ ہے، عقیدہ ہی سے بالترتیب اخلاقی اقدار اور شریعت کا عمومی نظریہ پھوٹتا ہے جو شریعت کے تمام فروع پر حکمراں ہے۔ ماخذ و مرجع ہونے میں شریعت کے عمومی نظریہ کے بعد ان قواعد و نظریات کا درجہ ہے جو فقہ کے ایک سے زائد ابواب میں پائے جاتے ہیں۔ ان مشترک قواعد و نظریات میں دو درجے ہیں (۱) وہ نظریات جو فقہ کی مختلف قسموں اعبادات، معاملات، حدود و قصاص وغیرہ کے چند ابواب میں مشترک ہیں (۲) وہ قواعد و نظریات جو فقہ کی ایک ہی قسم کے چند ابواب میں مشترک ہوں، ان کی حیثیت فقہ کی اس ایک قسم کے عمومی نظریہ کی ہے۔ اس کے بعد فقہ کے ہر ہر باب کے مخصوص نظریات ہیں۔ ہر باب کا عمومی نظریہ ہے جو اس باب کی جزئیات پر حکمراں اور اسی باب کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہی وہ تصور ہے جس کی ہم اس بحث و مطالعہ میں پیروی کریں گے۔ ہمارے خیال میں اس موضوع کی تنظیم، اجزاء کی تقسیم منطقی شکل میں اجزاء کے درمیان ربط، مختلف قواعد کے درمیان ترتیب اور رشتوں کے لئے یہ تصور سب سے زیادہ مناسب ہے۔

میرے خیال میں اس تصور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کہاں کہاں خلا پایا جاتا ہے جسے پر کرنے کے لئے نظریہ سازی کی جدوجہد ضروری ہے۔ اس تصور سے وضعی نظاموں کے ساتھ تقابلی مطالعہ کی ضرورت اور اسلامی قانون سازی کی روز افزوں حاجت کا بھی احساس ہوتا ہے۔

قدیم علمی سرمایہ میں فقہی نظریات کی جگہیں:

قدیم علمی سرمایوں میں فقہی نظریات کی تلاش و جستجو اس بات کی متقاضی ہے کہ تلاش و جستجو کا میدان صرف ان فقہی کتابوں کو نہ بنایا جائے جو موما فرعی احکام پر زیادہ زور دیتی ہیں کیونکہ یہ کتابیں اصلاً فرعی احکام جمع کرنے کے لئے تصنیف کی گئی ہیں بلکہ فقہی نظریات کی دریافت کے لئے ہمیں ان علوم کی کتابوں کا بھی

Marfat.com

کرنا چاہئے (۱) اصول فقہ (۲) علم کلام (۳) فلسفہ (۴) سیاست شرعیہ (۵) احکام سلطانیہ (۶) قضا (۷) احتساب (۸) قواعد کلیہ (۹) قواعد فقہیہ (۱۰) فروق (۱۱) اشباہ و نظائر (۱۲) تخریج الفروع علی الاصول (۱۳) مقاصد شریعت (۱۴) اختلاف فقہاء وغیرہ۔

ہمارے استاذ شیخ ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ قواعد فقہیہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
علم اصول فقہ اور ان قواعد کے درمیان فرق کرنا واجب ہے جو احکام جزئیہ کے جامع ہوتے ہیں، یہی وہ قواعد ہیں جنہیں فقہ اسلامی کے عمومی نظریات کا نام دیا جا سکتا ہے....

قواعد فقہیہ کا مطالعہ فقہ کے مطالعہ کے دائرے میں آتا ہے، اصول فقہ کے مطالعہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ یہ فقہی قواعد فقہ کے ملتے جلتے مسائل کو یکجا کرتے ہیں، اس لئے ہم ایسے تین مراتب قائم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے پر مبنی ہیں، اصول فقہ پر فقہی فروع کا استنباط مبنی ہے، استنباط کے ذریعہ جب مختلف فقہی مجموعے وجود میں آجائیں تو قواعد عامہ کے ذریعہ ان منتشر فروع کے درمیان ربط قائم کرنا ممکن ہے۔ انہیں جامع عمومی قواعد کو "فقہی نظریات" کہا جاتا ہے۔"[1]

ہمارے استاذ شیخ ابو زہرہ نے اصول فقہ، فروع فقہیہ، قواعد فقہیہ کے نشوونما اور وجود پذیری کا جو تسلسل بیان کیا ہے اس سے متفق ہونے کے باوجود ہمیں اس سے اختلاف ہے کہ شیخ ابو زہرہؒ نے ایک بار فقہی قواعد کو فقہ اسلامی کے عمومی نظریات کا نام دیا ہے اور ایک بار انہیں فقہی نظریات سے تعبیر کیا ہے۔

ہمارے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہم فقہ اسلامی کے عمومی نظریہ (جس کا بیشتر حصہ ہمارے خیال میں علم اصول فقہ میں ہے) اور فقہ کی ہر شاخ کے عمومی نظریات میں فرق کرتے ہیں۔ ان عمومی نظریات کا آغاز قواعد فقہیہ کی شکل میں ضرور ہو چکا تھا لیکن ان کی تکمیل اور ان میں پختگی عصر حاضر کے مصنفین کی کتابوں سے آئی،

---

(۱) شیخ محمد ابو زهرة: اصول الفقه ص ۱۰۹۔

Marfat.com

جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ بہرحال یہ اصطلاح کا مسئلہ ہے اور اہل علم کے بقول اصطلاح میں جھگڑا نہیں ہوتا۔

شیخ ابوزہرہ کی اس بات سے بھی مجھے اختلاف ہے کہ: قواعد فقہیہ کا مطالعہ فقہ کے مطالعہ کے دائرے میں آتا ہے، اصول فقہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ میرا خیال یہ ہے کہ قواعد فقہیہ فقہ کا جزء بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا مقام اصول فقہ اور فروع فقہ کے درمیان کا ہے یعنی اصول فقہ اور فقہ کے درمیان ان قواعد کا درجہ ہے۔

قدیم علمی سرمایہ میں فقہی نظریات کی تلاش وجستجو کو ہم دو ابواب میں تقسیم کرتے ہیں، پہلا باب اصول فقہ کے بارے میں ہے دوسرا باب باقی علوم شرعیہ کے بارے میں جو زیر بحث موضوع سے مربوط ہیں۔

بابِ اوّل

فقہی نظریات اور علمِ اُصولِ فقہ

بابِ اوّل میں اُصولِ فقہ پر ہماری بحث تین فصلوں پر مشتمل ہے،

(۱) ــــــ علم اصول فقہ کی ابتدا۔
(۲) ــــــ علم اصول فقہ میں تصنیف وتالیف کے طریقے۔
(۳) ــــــ کتب اصول فقہ کی ترتیب اور ان کے موضوعات۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی فصل

علم اصول فقہ کی ابتداء

۱ — علم اصول فقہ کی ابتداء علم فقہ کے ساتھ ساتھ ہوئی اگرچہ علم فقہ کی تدوین اس سے قبل ہوچکی تھی، اس لئے کہ جہاں فقہ ہوگی وہاں استنباط کے طریقے بھی ہوں گے اور جہاں یہ طریقے ہوں گے وہاں فقہ کے اصول بھی پائے جا رہے ہوں گے(۱)۔

امام الحرمین جوینی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ہمیں قطعیت سے یہ بات معلوم ہے کہ جن حوادث و واقعات میں صحابہ کرام کے فتاویٰ اور فیصلے صادر ہوئے وہ قرآن وحدیث کے منصوصات سے بہت زیادہ بلکہ بے حد و بے شمار ہیں۔ اصحاب کرام تقریباً ایک صدی تک ایسے مسائل میں قیاس کرتے رہے، واقعات آئے دن پیش آتے اور یہ حضرات ان واقعات کے بارے میں احکام شرعیہ کی تحقیق کرتے۔ یہ لوگ کسی واقعہ پر حکم لگانے سے محض اس لئے خاموش نہیں رہتے کہ اس کے متعلق نص وارد نہیں ہے...... اس طرح یہ بھی یقینی امر ہے کہ یہ حضرات پیش آمدہ مسائل پر فیصلہ اتفاق و اصول وقواعد کی رعایت کے بغیر احکام جاری نہیں کرتے تھے(۲)۔

(۱) محمد ابو زہرہ: اصول الفقہ ص ۱۰۔

(۲) امام الحرمین الجوینی: البرہان، فقرہ ۱۱۔

Marfat.com

ابن خلدونؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: ”پھر جب ہم نے صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے قرآن وسنت سے استدلال کے طریقوں پر غور کیا تو دیکھا کہ وہ نئے مسائل کو ان کے ہم مثل ومشابہ مسائل پر قیاس کرتے ہیں ... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے ہی واقعات ایسے پیش آئے جو ثابت شدہ نصوص کے دائرہ میں نہیں آتے تھے، انھوں نے ایسے غیر منصوص مسائل پر کچھ ایسی شرطوں کی بنیاد پر قیاس کیا جن سے دونوں طرح کے واقعات کا باہم مثل ومشابہ ہونا متعین ہوجاتا ہو اور یہ ظن غالب ہوجاتا ہو کہ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم ایک ہی ہوگا، یہ طریقۂ استدلال صحابۂ کرامؓ کے اجماع سے ایک دلیل شرعی قرار پایا جسے قیاس کہتے ہیں“۔(۱)

ڈاکٹر علی شامی نشار تحریر فرماتے ہیں: ”واقعہ یہ ہے کہ اصولی منہج کو وضع کرنے کی تاریخ امام شافعیؒ کے عصر سے بہت پرانی ہے، چنانچہ ہمیں یہ اصولی منہج نہ صرف ان علماء احناف کے پاس ملتا ہے جن کا دور امام شافعیؒ سے چند سال پرانا ہے بلکہ خود عہد صحابہؓ میں اور بہت سارے فقہاء صحابہؓ کے یہاں ملتا ہے، اور استنباط احکام کے قوانین کا ایک بڑا حصہ صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ نے ”خاص“ اور ”عام“ کا نظریہ پیش کیا، بعض دیگر صحابۂ کرامؓ نے ”مفہوم“ کا نظریہ مذکور ہے“۔(۲)

۲۔ شیخ ابوزہرہؒ اس امر کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں فقہ کے استنباط کا کام شروع ہوا تو فقہاء صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عمر بن خطابؓ قواعد وضوابط کی رعایت کے بغیر نئے پیش آمدہ مسائل میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے تھے، حضرت علیؓ شرابی کی سزا کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: جب وہ شراب پیئے گا تو عقل وہوش کھو کر اول فول بکے گا اور ایسی صورت میں وہ کسی پاکدامن پر تہمت لگا بیٹھے گا لہٰذا اس پر تہمت کی سزا حد قذف

---

(۱) ابن خلدون: مقدمہ ص ۴۵۳

(۲) ڈاکٹر علی شامی نشار: مناہج البحث عند مفکری الاسلام ص ٦٦

Marfat.com

جاری ہوگی، حضرت علیؓ کے اس مقولے سے سننے والے کو حکم بالمال یا حکم بالذرائع کے طریقہ کی پیروی نظر آتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ایسی حاملہ عورت کی عدت کے سلسلہ میں جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو فرماتے ہیں: اس کی عدت کی انتہا وضع حمل ہے اور آیت قرآنی "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورہ نساء بڑی سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی (مراد یہ ہے کہ سورہ طلاق سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی) آپ نے اپنے اس حکم سے ایک اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا، وہ یہ کہ بعد والا حکم پہلے والے حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے اور کبھی اسے خاص کر دیتا ہے اور اس طریقہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی ایک اصولی طریقہ کی پابندی کر رہے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام اپنے اجتہادات میں کچھ اصولی مناہج کی پابندی کرتے تھے، اگرچہ ان حضرات نے تمام مسائل میں مناہج استنباط کی صراحت نہیں کی ہے۔

۲— عہد صحابہ کے بعد جب ہم تابعین کے عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ تابعین کے دور میں اجتہاد و استنباط کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے، ایک تو اس لئے کہ نئے نئے واقعات کی کثرت ہو گئی، دوسرے اس لئے بھی کہ تابعین کی ایک جماعت فتویٰ کے لئے گویا وقف ہو گئی تھی، مثلاً مدینہ میں سعید بن المسیب وغیرہ، عراق میں حضرت علقمہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ، ان حضرات کے سامنے تین مصادر تھے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور صحابہ کرام کے فتاویٰ، ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو نص نہ موجود ہونے کی صورت میں مصلحت شرعی کو بنیاد بنا کر حکم شرعی کا استنباط کرتے تھے اور بعض دیگر حضرات قیاس کی راہ اپناتے تھے، چنانچہ فقہاء عراق میں سے حضرت ابراہیم نخعی وغیرہ کے اجتہادات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قیاسوں کی علتوں کا استخراج اور انہیں منضبط کر کے ان علتوں کو مختلف جزئیات پر منطبق کرتے تھے۔

اس دور میں استنباط کے اصول و قواعد پہلے سے بہت ہی زیادہ واضح اور منقح ہو کر سامنے آگئے اور فقہی اسکولوں میں جس قدر اختلاف ہوتا اتنا ہی ہر فقہی اسکول کے

Marfat.com

مناہج استنباط الگ الگ نکھر کر سامنے آتے ۔

۴۔ تابعین کے عہد کے بعد جب ہم ائمہ مجتہدین کے عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ یہ مناہج تابعین کے عہد کے مقابلہ میں زیادہ واضح تر شکل میں ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور مناہج استنباط کے متمیز ہونے کے ساتھ استنباط کے قوانین اور اس کی علامتیں نہایت اجاگر ہو جاتی ہیں اور ائمہ مجتہدین کی زبانوں پر صریح واضح اور فنی عبارتوں میں یہ مناہج اور قوانین وانگاف ہوتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصادر استنباط کی ترتیب اس طرح تھی، پہلے قرآن، پھر حدیث پھر صحابہ کرام کے متفقہ فتاوی، اگر صحابہ کرام کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو کسی بھی ایک صحابی کی رائے کو ضرور اختیار فرماتے، سب سے ہٹ کر اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے، البتہ تابعین کے اقوال کو اس بناء پر ترک فرما دیتے کہ وہ آپ کے ہم مرتبہ لوگ تھے، قیاس اور استحسان کے باب میں آپ کا ایک واضح نہج تھا، آپ کے خاص شاگرد امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ قیاس کے باب میں کھل کر آپ سے بحث و مباحثہ کرتے لیکن جب آپ دلیل استحسانی پیش کرتے تو سب لوگ خاموش ہو جاتے،

امام مالکؒ نے بھی ایک واضح اصولی نہج اپنایا ہے۔ اہل مدینہ کے عمل کو آپ نے حجت قرار دیا اپنی کتابوں اور رسائل میں اس کی صراحت فرمائی، روایت حدیث کے سلسلہ میں مخصوص شرطیں لگائیں، ایک ماہر صراف کی طرح روایتوں کو پرکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بعض منسوب روایتوں کو کسی نص قرآنی یا دین کے کسی معروف بنیادی قاعدہ سے متعارض ہونے کی بناء پر رد کر دیا، چنانچہ آپ نے حدیثؐ "اذا ولغ الکلب فی اناء أحدکم غسلہ سبعاً" اسی طرح خیار مجلس والی حدیث اور میت کی طرف سے اداء صدقہ والی حدیث کو اسی بناء پر رد فرمایا،

اسی طرح امام ابویوسفؒ بھی کتاب الخراج اور الرد علی سیر الأوزاعی میں ایک واضح نہج پر چلتے نظر آتے ہیں۔[۱]

---

(۱) ابوزہرہ: سابق ماخذ ص ۱۰-۱۲۔

۵ ـ ابن ندیم نے "الفہرست" میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے ہی اولاً امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ان بکھرے ہوئے اصولوں کو یکجا طور پر ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب فرمایا جن کی بنیادوں پر ان دونوں اماموں نے احکام شرعیہ کا استنباط کیا تھا لیکن امام ابو یوسف کی تحریر کردہ یہ کتاب ہم تک نہ پہنچ سکی۔

پھر قریشی عالم حضرت امام شافعیؒ کا دور آیا امام شافعیؒ نے اس علم کی تدوین پر خاطر خواہ توجہ کی، استنباط کے مناہج مقرر کئے، فقہ کے سرچشموں کی وضاحت کی، اور اس علم کے نقوش اُجاگر کئے۔

جب امام شافعیؒ نے اس میدان میں قدم رکھا تو انھوں نے دیکھا کہ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین سے منقول ایک بڑا فقہی ذخیرہ موجود ہے۔ مختلف فقہی رجحانات کے درمیان بحث و مباحثہ جاری ہے، فقہ مدینہ اور فقہ عراق کے درمیان باہم مناظرے ہو رہے ہیں، آپ نے بھی اپنی پختہ فہم کے ساتھ علم کے اس سمندر میں غوطہ لگایا۔ ایک طرف تو آپ نے مدینہ کے فقہی علوم امام مالکؒ سے حاصل کیے، دوسری جانب امام محمدؒ سے عراق کے فقہی ذخیرہ کو اخذ کیا اور تیسری طرف مکہ مکرمہ میں نشو و نما اور سکونت کی بنا پر وہاں کے فقہی علوم سے حاصل تھے، اور اس طرح ان تینوں فقہی اسکولوں سے کسب فیض کے ساتھ ان فقہی مباحث نے ان کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ کچھ قواعد وضع کریں جن سے اجتہاد میں خطا و صواب کا پتہ چل سکے، یہی قواعد آج "اصول فقہ" کے نام سے معروف ہیں۔[۱]

یہ اصول و قواعد وضع ہو کر جب مشہور و معروف ہو گئے اور اصحاب فقہ و فتاویٰ نے ان کی قدر و قیمت اور افادیت کو محسوس کیا تو حافظ و فقیہ عبد الرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) نے امام شافعی سے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی فرمائش کی جس میں قرآن و سنت کے معانی، ناسخ و منسوخ اور اجماع کی حجیت کے مباحث ذکر کئے گئے ہوں۔ امام شافعی نے ان کی فرمائش پر اپنے شاگرد خاص ربیع بن سلیمان کو یہ مباحث املا کرائے، انہیں مباحث کا مجموعہ "الرسالہ" کے نام سے موسوم ہے جو امام شافعی کی پہلی تصنیف "کتاب الام" کے مقدمہ

---

(۱) ابو زہرہ: سابق ماخذ ص ۱۲۔

کی حیثیت رکھتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ نے "الرسالہ" کی تدوین و تصنیف کا کام بغداد میں انجام دیا، پھر جب مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو جہاں اپنے مذہب میں کچھ تبدیلیاں فرمائیں وہاں اپنی کتاب "الرسالہ" پر بھی نظر ثانی کی، علم اصول فقہ میں امام شافعیؒ کی بحث و تحقیق کا مظہر صرف "الرسالہ" نہیں ہے بلکہ ان کی حسب ذیل کتابیں بھی اصول فقہ سے متعلق ہیں جماع العلم "ابطال الاستحسان" "احکام القرآن" "اختلاف الحدیث" اور "کتاب القیاس"(۱)

یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کہ فقہی جزئیات کی بحث و تحقیق اور ان کی تدوین اصول فقہ کی تدوین سے پہلے وجود میں آچکی تھی اس لئے کہ علم اصول فقہ استنباط احکام کو منضبط کرنے اور اجتہاد و استنباط میں خطا و صواب کی معرفت کے قواعد کا نام ہے، غرضیکہ یہ ایک منضبط کرنے والا علم ہے اور فقہ کی زمین سے ہی یہ اصول نمودار ہوتے ہیں، یہی حال ان تمام علوم کا ہے جو آلے اور ضوابط کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ فن نحو کی تدوین سے پہلے لوگ فصیح و بلیغ عربی بولتے تھے، خلیل بن احمد کے فن عروض وضع کرنے سے پہلے شعراء موزوں اشعار کہتے تھے، اسی طرح ارسطو کے علم منطق کی ایجاد سے قبل بھی لوگ بحث و مناظرہ اور غور و فکر کیا کرتے تھے،

امام شافعیؒ اس کے بجا طور پر مستحق تھے کہ قواعد استنباط کی تدوین میں انہیں اولیت حاصل ہوتی، اس لئے کہ عربی زبان و ادب پر ان کی بہت گہری نظر تھی حتیٰ کہ ان کا شمار ممتاز ترین علماء لغت میں کیا گیا، علم حدیث کا بھی وافر حصہ ان کو عطا ہوا تھا، اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین سے انہوں نے یہ علم حاصل کیا تھا اور اپنے دور میں فقہ کی تمام قسموں پر ان کی نظر ہمہ گیر تھی، وہ عہد صحابہ سے لے کر اپنے دور تک کے علماء کے اختلافی مسائل و آراء سے بخوبی واقف تھے، وہ ہمیشہ اس کی بھرپور کوشش کرتے رہتے تھے کہ اختلاف آراء کے اسباب اور ان علماء کے پیش نظر رہنے والے مختلف نقطہائے نظر کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کریں۔

---

(۱) شیخ احمد محمد شاکر: مقدمۃ الرسالۃ للشافعی ص ۹ - ۱۳

Marfat.com

ان جیسے اسباب کی بنا پر آپ اس بات کے اہل ہوئے کہ موجودہ فقہی ذخیرہ کو سامنے رکھ کر ایسے اصول بنائیں جن کی روشنی میں علماء سابقین کی رایوں کا جائزہ لیا جا سکے اور ان اصولوں کی رعایت سے آئندہ زمانہ کے فقہا کی آراء میں قربت پیدا ہو اور فاصلے کم ہو جائیں۔

چنانچہ لغت و زبان پر کامل قدرت رکھنے کی وجہ سے آپ نے قرآن و سنت کے نصوص سے احکام فقہیہ کے استنباط و استخراج کے قواعد وضع فرمائے۔ مکہ مکرمہ جہاں ترجمان قرآن حضرت ابن عباسؓ کا علم منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ وہاں حصول علم کے بعد آپ کو ناسخ و منسوخ کا علم ہوا، اسی طرح احادیث نبویہ کے وسیع مطالعہ، محدثین کرام سے ان کی روایت اور قرآن سے ان کا موازنہ کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ سنت کا مقام قرآن کے مقابلہ میں کیا ہے اور اگر بعض احادیث کا ظاہر کسی آیت قرآنی کے ظاہری مفہوم سے متعارض نظر آرہا ہو تو کیا حکم ہوگا۔ اہل الرائے کی فقہ اور صحابہ کرام کی منقول آراء کا گہرا مطالعہ قیاس کے بارے میں امام شافعی کے وضع کردہ قواعد و ضوابط کی اساس ہے۔ اور اس طرح آپ کے ہاتھوں استنباط کے قواعد وضع کرنے کا کام انجام پایا۔ یہ قواعد سارے کے سارے آپ کے اپنے ایجاد کردہ نہیں تھے بلکہ فقہاء سابقین کے غیر مدون مناہج استنباط کا گہرا مطالعہ کرکے امام شافعی نے یہ قواعد وضع کئے۔ لہذا اصول فقہ میں منہج استنباط کا نام ہے وہ امام شافعی کی اختراع نہیں ہے لیکن انہیں اس طور پر یہ سبقت ضرور حاصل ہے کہ انھوں نے ان متفرق مناہج استنباط میں جو کچھ پسند کیا اسے یکجا کر دیا اور ایک مربوط علم کی شکل میں ان مناہج کو مدون کیا۔ علم اصول فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں امام شافعی کا وہی مقام ہے جو شائین کی منطق وضع کرنے کے بارے میں ارسطو کا مقام ہے۔ ارسطو نے اصل طریقے خود سے ایجاد نہیں کئے تھے بلکہ ایجاد شدہ طریقوں کو منضبط کرنے کا کام انجام دیا تھا۔ لہذا جمہور فقہاء کا یہ قول کہ امام شافعی کو اس علم کی تدوین میں اولیت حاصل ہے اس سے اسی قسم کی اولیت مراد ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اس رائے سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔[1]

---

(۱) ابو زہرۃ: سابق ماخذ ص ۱۳-۱۴- ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان: الفکر الاصولی ص ۶۰-۶۶-

Marfat.com

البتہ شیعہ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ علم اصول کو سب سے پہلے مدوّن ومنضبط کرنے والے امام محمد باقر بن علی زین العابدین ہیں اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق ہیں۔

استاذ ابو زہرہ نے اس رائے پر بحث ومناقشہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امام محمد باقر امام جعفر صادق اور بعض ائمہ احناف نے بعض اصولی قواعد ضرور ذکر فرمائے ہیں لیکن ان کا یہ عمل علم اصول فقہ کی تدوین قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق نے اصول فقہ کے موضوع پر کوئی مرتب تصنیف نہیں چھوڑی۔ اس لئے ان دونوں حضرات کو اصول فقہ کی تدوین میں امام شافعیؒ پر سبقت حاصل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اس علم کے ابواب مرتب فرمائے اور فصول یکجا کئے۔ انھوں نے کسی ایک بحث یا چند بحثوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن، سنت، اثبات سنت کے طریقے، قرآن کے مقابلہ میں حدیث کا مقام، پر بحثیں کیں اور لفظی دلالتوں پر بحث کرتے ہوئے عام، خاص، مشترک، مجمل، مفصل پر گفتگو فرمائی، اجماع اور اس کی حقیقت پر ایسی علمی بحثیں کیں جس کی نظیر کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتی، قیاس کے اصول منضبط کئے اور استحسان پر کلام فرمایا،

اس طرح امام شافعیؒ نے اس علم کے مباحث کو ابواب اور فصول کی صورت میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، اس سلسلہ میں ان پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے یا محتاط الفاظ میں یہ کہا جائے کہ محقق طور پر اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی نے ان سے پہلے یہ کام انجام دیا،

آپ کی اس اوّلیت سے فقہاء وعلمائے سابقین کے مقام ومرتبہ کی تنقیص لازم نہیں آتی، یہ اوّلیت نہ ہی آپ کے استاذ امام مالکؒ کے مقام کو کم کرتی ہے اور نہ فقہاء قیاس کے امام حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مرتبہ کو گھٹاتی ہے، اس لئے کہ ان دونوں اماموں کے زمانہ میں تدوین میں پختگی نہیں آئی تھی۔

Marfat.com

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ امام شافعیؒ نے اس علم کو اس طرح نقطۂ کمال تک پہنچا دیا کہ بعد والوں کے لئے اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بعد آنے والوں نے اس علم میں خوب خوب اضافہ کیا اور بہت سے نئے قواعد شامل کئے، جیسا کہ ارسطو کے بعد آنے والوں نے مشرق و مغرب میں ارسطو کے علم منطق پر بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کو مزید ترقی دی لیکن اس کے باوجود فن منطق کو ایک مربوط علم کی صورت دینے کا سہرا ارسطو ہی کے سر ہے" (۱)

---

(۱) ابوزہرہ: سابق ماخذ ص ۱۴-۱۵۔

دوسری فصل

علم اصول فقہ میں تصنیف وتالیف کے طریقے

امام شافعیؒ کے بعد علم اصول فقہ میں مختلف طریقہ تصنیف جاری رہے۔.....،

امام شافعیؒ نے علم اصول کے موضوع پر اپنی تصانیف "الرسالہ" "جماع العلم" اور "ابطال الاستحسان" میں یہ طریقہ پیش نظر رکھا کہ علم اصول کی حیثیت صحیح وغلط آراء کو جانچنے اور پرکھنے والے ایک آلہ کی ہو نیز وہ ایسا کلی قانون ہو کہ اس کی رعایت اور معرفت ہر زمانہ میں استنباط احکام کے لئے ضروری ہو، چنانچہ انھوں نے اپنے زمانہ میں مروج وشائع فقہی آراء کا جائزہ لینے میں اس منہاج کو استعمال کیا، اپنی کتاب "اختلاف مالکؒ" میں امام مالکؒ کی آراء پر مباحثہ اور اہل عراق کی آراء سے مناقشہ میں اسی طریقہ کا خیال رکھا، اسی طرح امام اوزاعیؒ کی کتاب "السیر" اور امام ابو یوسفؒ کی "الرد علی سیر الاوزاعی" کا موازنہ اسی منہاج وقانون سے کیا اور اسی طرح دیگر تمام فقہی آراء کو اسی پیمانہ پر ناپا،

آپ نے خود استنباط مسائل میں اسی نہج کی پابندی کی اور اس سے ذرہ برابر باہر نہیں نکلے اسی لئے آپ کے وضع کردہ یہ اصول آپ کے مذہب کے بھی اصول ہیں، امام شافعیؒ نے ان اصولوں کو محض اپنے مذہب کے دفاع میں استعمال نہیں کیا، بلکہ عراق ومصر میں اپنا مذہب مدون کرنے اور اُسے پیش کرنے سے پہلے انھوں نے ان محکم قواعد وضوابط کو وضع کیا اور ان کی پابندی کی، اسی لئے امام شافعیؒ کے نزدیک فقہ کے یہ عظیم اصول محض نظری حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کی نظری اور عملی دونوں حیثیتیں ہیں اور امام شافعی کے یہ وضع کردہ اصول بعد کے تمام فقہائے کے پیش نظر رہے۔

Marfat.com

بعد ازاں یعنی امام شافعیؒ کے بعد اصول فقہ کے بارے میں مختلف رجحانات پیدا ہوئے۔

۱- کچھ لوگوں نے امام شافعیؒ کے وضع کردہ اصول کی تشریح، اس کے اجمال کی تفصیل اور ان اصولوں پر احکام کی تخریج کا کام انجام دیا۔

۲- کچھ لوگوں نے امام شافعیؒ کے بیان کئے ہوئے اکثر اصولوں کو اختیار کیا اور کچھ تفصیلات میں ان سے اختلاف کیا اور بعض اصولوں کا اضافہ کیا۔ حنفی اصولیوں کا تعلق اسی گروہ سے ہے، چنانچہ علماء احناف نے امام شافعیؒ کے بہت سے اصول لئے اور "استحسان" اور "عرف" کا اضافہ کیا۔ اور فقہاء مالکیہؒ نے بھی امام شافعیؒ کے منہاج کو قبول کیا اور امام شافعیؒ سے اختلاف کرتے ہوئے اصول فقہ میں اہل مدینہ کے اجماع کا اضافہ کیا۔ اجماع اہل مدینہ کا اصول امام مالکؒ سے ماخوذ ہے۔ امام شافعیؒ نے اس پر سخت نکیر کی ہے۔ علماء مالکیہ نے استحسان اور مصالح مرسلہ کا بھی اضافہ کیا حالانکہ ان دونوں کو امام شافعیؒ نے باطل قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ ذرائع اور سد ذرائع کا اصول بھی علماء مالکیہ نے اصول فقہ میں شامل کیا، اور اس طرح فقہاء مالکیہ نے امام شافعیؒ کے تحریر کردہ اصولوں کو اپنا کر کچھ سے اختلاف کیا اور بعض اضافے کئے۔

فی الجملہ امام شافعیؒ کے نہج سے زیادہ قریب احناف کا نہج رہا ہے اگرچہ بحث و تحقیق کے طریقوں میں اختلاف ہے جس کی وضاحت انشاء اللہ آگے آئے گی۔ حنابلہ[1] مالکیہ سے اس اعتبار سے قریب تر ہیں کہ دونوں کے یہاں فقہ کے مآخذ اور سرچشموں کی تعداد تقریباً یکساں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے فقہاء نے امام شافعیؒ کے ثابت کردہ چاروں ادلہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے اختلاف نہیں کیا۔ ان چاروں اصولوں پر تو اتفاق ہے، ان پر اضافہ کا باب امام شافعیؒ اور دیگر اکثر فقہاء کے درمیان محل اختلاف رہا ہے۔

(۱) ملاحظہ ہوں علل ناسخ و منسوخ، طاعت رسول کے موضوع پر امام احمد ابن حنبل کی تصنیفات۔

Marfat.com

فقہاء شافعیہ نے امام شافعیؒ کے ان مقرر کردہ اصولوں کی تشریح و تفصیل اور توضیح کا کام کیا اور اس طرح ان اُصولوں میں فقہی اجتہاد کے طویل دور میں نشوونما، ترقی اور تفصیل و وضاحت جاری رہی، جبکہ غیر شافعی اہل اصول نے ان اصولوں کی وضاحت کے ساتھ ان پر اضافے کئے جس کے اسباب اوپر بیان ہوچکے ہیں۔

باوجودیکہ اکثر اہل علم نے اجتہاد مطلق کا دروازہ اپنے حق میں بند کر رکھا تھا اور متعین مذہب کے اصولوں پر اجتہاد کا عمل بھی موقوف تھا لیکن علم اصول فقہ کسی کمزوری کا شکار نہیں ہوا، بلکہ وہ پختہ عقلیں جن میں بحث و تحقیق اور تجسس کی بھرپور صلاحیت تھی انھیں اصول فقہ میں اپنے مذہب کے مخالف احکام کا استنباط کئے بغیر فقہی مشق کا وسیع میدان مل گیا۔ اسی طرح اپنے مذہب پر سختی سے کاربند رہنے والوں کو علم اصول اور اس کی تفصیلات کے اندر ایسے مواد ملے جو ان کے مذہب کے لئے مؤید، ان کے استدلال کو قوی اور پختہ کرنے والے تھے، اس طرح دور تقلید میں بھی علم اصول فقہ کی ذاتی قیمت برقرار رہی کیونکہ شدید جدل و مناظرہ کے زمانہ میں علم اصول فقہ کو اس پیمانہ کی حیثیت حاصل رہی جس سے مختلف آراء کو ناپا اور تولا جاتا ہے، اس دور میں اصول فقہ ہی وہ ترازو تھی جو ان اختلافات کا فیصلہ کرتی اور ہر شخص ان اصولوں کو اپنی تائید کے لئے کام میں لاتا۔

مذاہب فقہیہ کے پختہ اور مستحکم ہوجانے کے بعد اصول فقہ کی بحث و تحقیق میں فقہاء نے دو مختلف رُخ اختیار کئے۔

۱۔ نظریاتی رُخ: یہ رُخ کسی خاص مذہب کی فروع سے متاثر نہیں تھا بلکہ کسی مذہب کی تائید یا تردید میں تطبیق کے بغیر فقہی پیمانوں کو ثابت کرتا تھا

۲۔ غیر نظریاتی رُخ: یہ رخ فروع سے متاثر تھا، اس رجحان کا مقصد فقہی فروع کی خدمت اور ان میں اجتہاد کی درستگی کا اثبات تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ کسی مذہب کے ماننے والے اس بات کی کوشش کرتے کہ ان کے ہم مذہب قدیم فقہاء نے جو احکام فقہیہ مستنبط کئے ان کی درستگی ثابت کریں، اس کے لئے وہ

ایسے قواعد و اصول بیان کرتے جن سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہو، مثلاً احناف یہ اصول ثابت کرتے کہ عام کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور اس طرح ان اخبار آحاد کو ضعیف قرار دیتے جو کتاب اللہ کے عام کے مخالف ہوں کیوں کہ اخبار آحاد ظنی ہیں۔

ابتداءً اس رُخ کو زیادہ احناف نے اختیار کیا۔ اگرچہ ہر مذہب میں اس رُخ پر چلنے والے اہل اصول موجود تھے پہلا طریقہ اصول الشافعیہ کے نام سے معروف ہوا، اس لئے کہ امام شافعی ہی نے اولاً خالص نظریاتی انداز پر مناہج اور اصول بیان فرمائے تھے۔ اسے طریقۃ المتکلمین بھی کہا گیا کیونکہ علماءِ کلام نے بھی اسی نظری منہاج پر اصولی بحثیں کیں۔ ہم ذیل میں اجمالی طور پر ان دونوں رُخوں اور فقہی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان دونوں کی رفتار کی طرف اشارہ کریں گے۔

١۔ اُصول الشافعیہ یا اُصول متکلمین

(الف) اصول شافعیہ یا اصول متکلمین کے نام سے جو رُخ معروف ہوا وہ خالص نظریاتی رُخ تھا، اس رُخ پر کام کرنے والوں کی توجہ اپنے مذہب کی رعایت کے بغیر صرف قواعد کی تحقیق اور اُن کی تنقیح پر رہی، ان کی کوشش یہ رہی کہ قوی اور مضبوط قواعد وضع کئے جائیں خواہ اُن سے اُن کے مذہب کی تائید ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، ان میں سے بعض نے فروعات میں امام شافعیؒ کے پیروکار رہ کر بعض اصول میں ان سے اختلاف بھی کیا، مثلاً امام شافعیؒ اجماع سکوتی کو حجت نہیں قرار دیتے تھے لیکن آمدی نے جو شافعی المذہب ہیں اپنی کتاب "الاحکام" میں اس کے حجت ہونے کو ترجیح دی ہے متکلمین کی ایک بڑی جماعت نے بھی اس رُخ پر مطالعہ و تحقیق میں حصہ لیا، کیونکہ یہ طریقہ ان کے عقلی مطالعہ اور تجرد حقائق پر نظر رکھنے سے ہم آہنگ تھا، چنانچہ انھوں نے علم کلام کی طرح اس علم میں بھی تقلید کے بغیر پوری آزادی اور تحقیق کے ساتھ بحثیں کیں اس لئے اس طریقہ کو متکلمین کا طریقہ کہنا بھی ایک حد تک صحیح ہے۔

اس رُخ پر تصنیف کردہ کتابوں میں نظریاتی مفروضے اور منطقی زاویہ نظر کثرت

Marfat.com

سے آئے ہیں۔ اس نہج کے مصنفین نے تمام لغات کی اصل کون سی لغت ہے اور اس جیسی دوسری نظریاتی بحثیں کی ہیں۔ اس نقطہ پر اتفاق کے بعد کہ احکام عبادات کے علاوہ سارے احکام علت پر مبنی اور معقول المعنی ہوتے ہیں یہ اختلاف زیر بحث آتا ہے کہ عقل کسی شئی کے حسن و قبح کا فیصلہ کر سکتی ہے یا نہیں، اسی طرح منعم کا شکر واجب ہونے پر اتفاق کے باوجود یہ بحث کی جاتی ہے کہ منعم کا شکر نقل کے ذریعہ سے واجب ہے یا عقل کے ذریعہ سے۔ اسی طرح ایسے نظری مسائل کے بارے میں ان اہل اصول میں اختلاف ہوتا ہے جن پر نہ کوئی عمل مرتب ہوتا ہے اور نہ کوئی طریقہ استنباط اس سے ماخوذ ہوتا ہے۔ انھیں جیسے اختلافی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے جو معدوم ہو (موجود نہ ہو) آیا وہ کسی حکم کا مکلف بن سکتا ہے؟ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ اہل اصول ایسے مسائل پر بھی بحثیں کرتے ہیں جو مکمل طور سے علم کلام کے مسائل ہیں، ان کا فقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہ سے ان کا صرف یہ تعلق ہو سکتا ہے کہ ان کے بارے میں بحث کرنا اصل دین کے بارے میں بحث و گفتگو کرنا ہے مثلاً نبوت سے قبل عصمت انبیاء کے مسئلہ پر مکمل فصل قائم کی گئی ہے۔

(ب) علم اصول فقہ کے پہلے رجحان کی طرف یہ چند اشارے تھے، اس رجحان نے اصول فقہ کو فی الجملہ فائدہ پہونچایا کیونکہ اس رجحان کا مدار مذہبی تعصب پر نہیں ہوتا تھا اور نہ اس میں اصولی قواعد کو فقہی فروعات کے تابع بنایا جاتا تھا بلکہ ان قواعد کا مطالعہ اس انداز سے کیا جاتا کہ یہ فروع پر حاکم ہیں اور ان کی حیثیت فقہ کے ستون اور طریقہ استنباط کی ہے، اس خالص نظریاتی انداز سے اصول فقہ کے قواعد کو فائدہ پہونچا اور اس کا مطالعہ تعصب سے فی الجملہ بلند ہو کر بہت گہرائی سے کیا گیا، ساتھ ساتھ ان قواعد کی تنقیح بھی ہوتی رہی۔ یقیناً تنہا یہ انداز مطالعہ ہی ایک بہت بڑا علمی فائدہ رکھتا ہے، اور علوم اسلامیہ کے طلبہ کو گہرے اور دقیق علم کی غذا لینے میں اس طریقہ مطالعہ کے اثرات بہت واضح محسوس ہوتے ہیں۔

چونکہ اکثر مقلدین علماء نے اجتہاد کا دروازہ اپنے لئے بند کر رکھا تھا اس لئے

اصول فقہ کے اس عملی رجحان سے وہ کچھ مستفید نہ ہو سکے لیکن اجتہاد کا دروازہ جب بھی سب کے لئے کھلے گا تو ان علماء اصول کی محنتوں کے طفیل اجتہاد کا طریقہ انتہائی واضح اور روشن ہو گا۔(۱)

(ج) شافعیہ یا متکلمین کے طرز پر لکھی جانے والی چند اہم کتابیں۔

۱۔ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی کتاب "الرسالہ" اور درج ذیل حضرات کی تصنیف کردہ اس کی شرح امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ صیرفی (۳۳۰ھ) ابو الولید حسان بن محمد نیشاپوری (متوفی ۳۴۹ھ) محمد بن علی بن اسماعیل شاشی قفال کبیر (متوفی ۳۶۵ھ) ابو بکر محمد بن عبد اللہ شیبانی جوزقی (متوفی ۳۱۱ھ) ابو عبد اللہ بن یوسف الجوینی (متوفی ۴۳۱ھ) (یہ امام الحرمین کے والد محترم ہیں)۔

۲۔ التقریب والارشاد فی ترتیب طرق الاجتہاد: قاضی ابو بکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) خود مصنف ہی نے "الارشاد المتوسط" اور "الارشاد الصغیر" کے نام سے اس کا اختصار کیا۔ امام ابن السبکی فرماتے ہیں: "یہ اصول کے موضوع پر سب سے عظیم کتاب ہے"۔ ہمارے سامنے "کتاب الارشاد الصغیر" کا جو نسخہ ہے وہ چار جلدوں میں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اصل کتاب بارہ جلدوں میں تھی۔ قاضی باقلانی کی مذکورہ کتاب کا اختصار امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ) نے "التلخیص" کے نام سے کیا۔

۳۔ العمد: قاضی عبد الجبار (متوفی ۴۱۵ھ)

۴۔ شرح الکفایہ: قاضی ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری (متوفی ۴۵۰ھ)

۵۔ القواطع: امام ابو المظفر منصور بن محمد سمعانی (متوفی ۴۶۲ھ) ابن السبکی لکھتے ہیں: "یہ کتاب اصول الشافعیہ کی سب سے نافع اور عظیم الشان کتاب ہے"۔

۶۔ المعتمد: ابو الحسین البصری (متوفی ۴۰۲ھ) یہ دراصل قاضی عبد الجبار کی کتاب العمد کی شرح ہے۔

۱۔ ابو زہرہ: سابق ماخذ ص ۲۰-۲۱

Marfat.com

۷۔ اللمع : ابواسحاق الشیرازیؒ (متوفی ۴۷۶ھ) مصنف نے اس کی شرح بھی لکھی ہے۔

۸۔ عدۃ العالم والطریق السالم: ابونصر احمد بن جعفر بن الصباغ (متوفی ۴۷۷ھ)

۹۔ البرھان : امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینیؒ (متوفی ۴۷۸ھ) ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب نے اس کی تحقیق کی ہے اور مقدمہ لکھا ہے۔ "البرھان" پر امام ابوعبداللہ مازریؒ مالکی (متوفی ۵۳۶ھ) کی شرح ہے جس کا نام "ایضاح المحصول من برھان الاصول" ہے اور ابوالحسن بن الابیاریؒ مالکی (متوفی ۶۱۶ھ) نے بھی شرح لکھی ہے۔ شریف ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ حسنی مغربی نے "البرھان" کی شرح لکھی جس میں انھوں نے امام مازریؒ اور ابیاری کی شرحوں کو یکجا کیا اور کچھ اضافے بھی کئے۔

۱۰۔ المستصفی : حجۃ الاسلام ابوحامد الغزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) اسلوب کے اعتبار سے اس کتاب کی عبارت بہت بلند پایہ ہے، امام غزالیؒ کاغذ کے استعمال میں بخیل نہیں تھے بلکہ جب تصنیف کے لئے بیٹھتے تو عنان قلم کو چھوڑ دیتے اور جو کچھ بیان کرنا ہوتا کھل کر بیان کرتے آپ کے دور میں اختصار و تلخیص کا رواج نہیں ہوا تھا کیونکہ ان حضرات کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مفہوم و معنیٰ کو سامع کے ذہن میں اُتار دیا جائے خواہ کلام طویل ہو یا مختصر۔(۱)

۱۱۔ شفاء العلیل فی بیان مسالک التعلیل: امام ابوحامد الغزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ)

۱۲۔ المنخول من تعلیقات الاصول : " " " " ڈاکٹر محمد ہیتو نے اس کی تحقیق و تقدیم کا کام کیا ہے۔

مذکورہ ساری کتابوں کا نچوڑ درج ذیل چار کتابوں میں آگیا ہے، انھیں ہی اب مراجع کی حیثیت حاصل ہے ان کے بعد کی ساری کتابیں انھیں سے مستفاد ہیں۔

---

(۱) شیخ محمد خضری: اصول الفقہ ص ۷

Marfat.com

۱۔ العمد : قاضی عبدالجبارؒ (متوفی ۴۱۵ھ)
۲۔ المعتمد : ابوالحسین البصریؒ (متوفی ۴۰۳ھ)
۳۔ البرھان : امام الحرمین عبدالملک الجوینیؒ (متوفی ۴۷۸ھ)
۴۔ المستصفی : امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ)

پھر ان چاروں کتابوں کی بحثوں کو یکجا کرنے اور ان کا خلاصہ کرنے کا کام امام فخرالدین رازی شافعی (متوفی ۶۰۶ھ) نے اپنی کتاب "محصول" میں اور امام سیف الدین آمدی شافعی (متوفی ۶۳۱ھ) نے اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں انجام دیا۔ ان دونوں کتابوں کی عبارت بہت ہی واضح ہے ان کے لئے کسی تفصیلی شرح کی ضرورت نہیں ہے نفس کتاب کا مطالعہ کافی ہوجاتا ہے۔ ان دونوں میں بھی "محصول" کی عبارت و اسلوب زیادہ واضح ہے[1]۔

بعد کے علماء نے ان دونوں کتابوں کو پوری اہمیت دی۔ ان کتابوں کے مختصرات، شرحیں اور تعلیقات لکھیں۔

۱۔ "محصول" کی شرح درج ذیل حضرات نے لکھی۔

- شہاب الدین قرافی (متوفی ۶۸۴ھ)
- شمس الدین اصبہانی (متوفی ۶۴۹ھ)

درج ذیل علماء نے اس کا اختصار کیا۔

- امام تاج الدین محمد بن الحسن ارموی (متوفی ۶۵۶ھ) موصوف نے ابوحفص عمر بن شہید الوزان کے اشارہ سے یہ اختصار تیار کیا جس کا نام الحاصل رکھا۔
- امام سراج الدین محمود بن ابوبکر ارموی (متوفی ۶۸۲ھ) انھوں نے اس کا نام "التحصیل" رکھا، شروع میں لکھتے ہیں اب ہمتیں مطالب عالیہ کو سمجھنے سے پست پڑ گئی ہیں حتی کہ محصول جس کی عبارت صاف ستھری اور ضخامت مناسب ہے اس کو بھی

(۱) خضری : سابق ماخذ ص ۱

اکثر لوگ طویل سمجھتے ہیں، اس لئے کچھ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اپنی طرف سے کچھ اضافوں کے ساتھ اس کا اختصار لکھوں، چنانچہ میں نے ان کی فرمائش قبول کی"۔

- امام شہاب الدین قرافیؒ (متوفی ۶۸۴ھ) نے مذکورہ دونوں کتابوں "التحصیل" اور "الحاصل" کی تلخیص کی اور اس کا نام "تنقیحات" رکھا۔
- قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاویؒ (متوفی ۶۸۵ھ) نے "الحاصل"[1] کا اختصار کیا، اس کا نام ہے "منہاج الوصول إلی علم الأصول" اس کتاب میں اس حد تک اختصار کیا گیا کہ کلام ایک معمہ بن کر رہ گیا، بقول شیخ خضری: شاید یہ لوگ اس لئے تالیف نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو سمجھ سکیں، اسی لئے ایسی کتابوں کی شروح لکھنے کی ضرورت پڑی تاکہ ان کا معمہ حل ہوسکے، تعجب ہے کہ اسنوی نے قاضی بیضاوی کی کتاب "منہاج" کی شرح کے شروع میں لکھا ہے، موجودہ دور میں اصول فقہ سے اشتغال رکھنے والے اکثر لوگوں نے اصول فقہ کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں "منہاج" پر اعتماد کیا، اس لئے کہ وہ بہت مختصر ہے، اس میں وافر علم موجود ہے اور اس کا اسلوب بھی نہایت شیریں ہے، شیخ خضری کہتے ہیں "پتہ نہیں الفاظ و عبارت کے اندر غموض و پیچیدگی کے باوجود یہ شیرینی کہاں سے آگئی"؟

قاضی بیضاوی کی کتاب "منہاج" کی بہت سے لوگوں نے شرح لکھی ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

- امام جمال الدین اسنویؒ (متوفی ۷۷۲ھ) کتاب کا نام ہے "نہایۃ السول فی شرح منہاج الأصول"
- امام تقی الدین السبکیؒ (متوفی ۷۵۶ھ) کتاب کا نام ہے "الابہاج بشرح المنہاج" مصنف اس کتاب کو واجب کے مقدمہ تک ہی مکمل کرسکے تھے، بعد میں ان کے صاحبزادہ امام تاج الدین السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اسے مکمل کیا۔

---

(۱) خضری کی کتاب اور ڈاکٹر طہ جابر فیاض کے مقدمۃ المحصول للرازی میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر ہیتو نے المنخول کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بیضاوی نے المحصول کا اختصار کیا ہے۔

○ امام محمد بن حسن بدخشی، ان کی شرح کا نام ہے "منہاج العقول فی شرح منہاج الوصول"۔

○ شیخ شمس الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی ۶۰۱ھ) نے منہاج الوصول کو منظوم کیا

ان کے علاوہ دیگر اور بھی شروح ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

۲۔ آمدی کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" کا جہاں تک تعلق ہے مصنف نے خود ہی "منتہی السول" کے نام سے اس کو مختصر کیا۔

اسی طرح امام ابو عمر عثمان بن عمرو (متوفی ۶۴۶ھ) جو ابن الحاجب کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے بھی اختصار لکھا اور کتاب کا نام رکھا "منتہی السول والامل فی علمی الاصول والجدل"۔

پھر اس "منتہی" کا بھی اختصار "مختصر المنتہی" کے نام سے لکھا۔ اس مختصر کی عبارت منہاج کی عبارت کے مشابہ ہے۔ طالبین علم اس کتاب پر ٹوٹ پڑے، لوگوں نے اس کی تعلیم دی، اسے حفظ کیا اور اس کی شروح لکھیں مثال کے طور پر بعض شروح کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

علامہ عضد الدین ایجی (متوفی ۷۵۶ھ) کی شرح۔ اس شرح پر سعد الدین تفتازانی کا ایک حاشیہ ہے، یہ شرح مختصر بھی ہے اور اچھی بھی۔ شیخ خضری کا خیال ہے کہ "مختصر" کی یہ سب سے بہترین شرح ہے البتہ اسنوی کی شرح المنہاج سے اس کا درجہ کچھ کم ہے(۱)۔

امام تاج الدین السبکی الشافعی (متوفی ۷۷۱ھ) کی شرح۔ اس کا نام ہے "رفع الحاجب عن ابن الحاجب" یہ بہت ہی نفیس اور محقق شرح ہے، دو بڑی جلدوں میں ہے۔

شرح علامہ قطب الدین محمود بن مسعود بن مصلح الشیرازی الشافعی، جو علامہ کے نام سے معروف ہیں، یہ شرح بھی دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

---

(۱) الخضری: اصول الفقہ ص ۹

شرح علامہ شمس الدین بن عبد الرحمان اصفہانیؒ (متوفی ۷۴۹ھ) یہ ایک جلد میں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی شروح ہیں جن کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے[1]۔ یہ سارے مختصرات متکلمین کے طریقہ پر تصنیف کئے گئے یعنی ثابت شدہ قواعد پر دلائل قائم کئے گئے۔ ان کے مصنفین نے صرف علما سابقین سے نقل کر لینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود اپنی بھی رائیں پیش کیں حتی کہ کتاب کا اختصار کرنے والوں نے مصنف سے اختلاف بھی کیا[2]۔

۲- اصول حنفیہ

(الف) اصول فقہ کی کتابوں کا دوسرا انداز و رجحان فروع اور جزئیات سے متاثر تھا۔ اس قسم پر کام کرنے والوں نے اصول کے قواعد اس لئے اختیار کئے تاکہ ان کے ذریعہ اپنے مذہب کے فروعی مسائل کو جانچ کر ان کی صحت ثابت کریں۔ اس طرح وہ لوگ اپنے استنباط کو صحیح ثابت کرتے۔ اور بحث و مناظرہ کے موقع پر ان اصولوں سے کام لیتے۔ اس طرز پر اصول کا مطالعہ دراصل فروعی مسائل کے سرچشموں اور ان کے دلائل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے بعض علما نے لکھا ہے کہ اس طریقہ کو سب سے پہلے احناف ہی نے اختیار کیا ہے، دور استنباط میں ان کے پاس مدون فقہی اصول نہیں تھے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" میں اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف کی بنیاد وہ اصول ہیں جو بزدوی وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ اصولوں کا اکثر حصہ ائمہ احناف کے اقوال سامنے رکھ کر متعین کیا گیا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ مسائل کہ

---

(۱) ڈاکٹر محمد حسن ہیتو: مقدمہ تحقیق المنخول للغزالی ص ۷-۱۱

(۲) شیخ خضری: سابق ماخذ ص ۹

Marfat.com

خاص" واضح ہوتا ہے اسے کسی بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور "عام" "خاص" کی طرح قطعی الدلالہ ہوتا ہے" راویوں کی محض کثرت کی بنا پر ترجیح نہیں ہوگی۔" "خلاف قیاس مسائل میں غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہیں ہوگا۔" "شرط اور وصف کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوگا" نیز "امر وجوب ہی کے لئے ہے" اور اس جیسے دیگر اصول ائمہ کے کلام سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کی جانب ان کی نسبت صحیح طور سے ثابت نہیں ہے۔ ان اصولوں کی پابندی اور فقہاء متقدمین کے اجتہادات سے ان اصولوں پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں بتکلف ان کا جواب دینا جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں ان کے مخالف اصولوں کی پاسداری اور ان کا دفاع کرنے سے بہتر نہیں۔

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب حنفی کے ائمہ نے ان اصولوں کو مدوّن نہیں کیا تھا۔ اتنی بات تو یقیناً حق ہے کیونکہ تدوین کا کام ان کے بعد ہوا۔ البتہ یہ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ مسائل کے استنباط میں ان میں سے بعض یا اکثر اصول ان ائمہ کے پیش نظر رہے تھے۔ صورت حال جو بھی ہو لیکن علم کی تبویب اور اصول کے لئے استدلال کا کام ان ائمہ کے بعد آنے والوں نے انجام دیا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصول حنفیہ اور اصول شافعیہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ اصول شافعیہ کی حیثیت استنباط سے پہلے طریق کی تھی اور یہ اصول استنباط پر حاکم تھے۔ لیکن احناف نے اصول فقہ میں جس چیز کو بنایا اس میں ان اصولوں کی حیثیت فروع پر حاکم کی نہیں تھی کیونکہ ان اصولوں کی تدوین فروع کے بعد ہوئی یعنی فقہائے احناف نے ایسے قواعد منضبط کئے جن سے ان کے مذہب کی تائید اور اس کی مدافعت ہوتی ہو۔ لہذا اصولوں کی حیثیت حاکم کی نہیں بلکہ فقہی جزئیات سے تولیدی ہوتی۔

اس سے فقہاء احناف کا یہ طریقہ تدوین فن تو نہیں اور نہ یہ بات معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ذریعہ اپنے مذہب کا دفاع مقصود تھا لیکن فقہی اختلافات میں ان کا اپنا خاص نقطہ نظر تھا۔

اس کے اسباب درج ذیل تھے۔

۱۔ اصول فقہ کا یہ منہاج دراصل اصول اجتہاد کا استنباط ہے، اس کا محرک جو بھی رہا ہو لیکن یہ ایک فقہی غور و تفکر کا کام تھا اور یہ ایسے مستقل قواعد تھے کہ دوسرے قواعد سے ان کا موازنہ ممکن تھا اور موازنہ کے بعد عقل زیادہ درست قواعد کو اختیار کر سکتی ہے۔

۲۔ اس لئے کہ یہ طریقہ ایک ایسا مطالعہ تھا جس کی تطبیق فروع و جزئیات پر ہوتی رہتی تھی، خالص نظری مباحث نہیں تھے بلکہ یہ کلی مباحث اور فروع پر منطبق ہونے والے عمومی قواعد تھے، اس کے مطالعہ سے اصول و کلیات کو قوت اور زندگی ملتی تھی۔

۳۔ اس انداز پر اصول کا مطالعہ تقابلی اور کلی انداز کا فقہی مطالعہ ہوتا تھا، اس کے اندر فروعات کے مابین موازنہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے اصولوں کے درمیان موازنہ ہوتا تھا، لہذا قاری غیر منضبط جزئیات میں نہیں بھٹکتا تھا بلکہ ان کلیات میں غور و فکر کرتا تھا جن کے ذریعہ جزئیات کو منضبط کیا جا سکے۔

۴۔ اصول فقہ کا یہ طریقہ مطالعہ اس مذہب کی جزئیات کو منضبط کرتا تھا جس مذہب کو بنیاد بنا کر یہ اصول مستخرج کئے جاتے، اس انضباط سے اس مذہب کے طریقہ تخریج کا علم ہوتا اور فروعات متفرع کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا، اور ائمہ مجتہدین کے دور میں جو مسائل پیش نہیں آئے تھے ان نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کا استخراج اس طرح کیا جاتا کہ یہ احکام اس مذہب کے دائرہ سے باہر نہ ہوتے، کیونکہ یہ احکام ان اصولوں کی بنیاد پر مستنبط کئے جاتے جو اصول ان ائمہ کی فروعات کو منضبط کرتے ہیں اس طرح فقہی مذہب کی نشو و نما ہوتی اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا اور بعد کے فقہاء ائمہ مذہب سے مروی احکام پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ مذہب فقہی کا دامن وسیع کرتے اور نئے مسائل میں ان ائمہ کے طریقہ پر احکام جاری کرتے۔

Marfat.com

اصول فقہ کا یہ دوسرا طریقہ حنفیہ کا طریقہ یا فقہاء کا طریقہ کہلاتا ہے۔[1]

(ج) اس طرز پر تصنیف ہونے والی اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

۱- مآخذ الشرائع: امام ابو منصور ماتریدیؒ (متوفی ۳۳۳ھ)

۲- کتاب فی الاصول: امام کرخی (متوفی ۳۴۰ھ)

۳- اصول الجصاص: امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی (متوفی ۳۷۰ھ) یہ کتاب کرخی کی مذکورہ کتاب سے زیادہ مفصل ہے۔

۴- تقویم الادلہ: ابو زید الدبوسی (متوفی ۴۳۰ھ)

۵- تاسیس النظر: ابو زید الدبوسی (متوفی ۴۳۰ھ) یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں اجمالی طور پر ان اصولوں کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں جو ائمہ احناف اور دیگر ائمہ کے مابین متفق علیہ یا مختلف فیہ رہے ہیں۔

۶- کتاب الامام فخر الاسلام بزدوی: (متوفی ۴۸۲ھ) اصولی مسائل پر یہ ایک جامع کتاب ہے اس میں اصولوں کو فقہی جزئیات پر تطبیق دینے پر خاص توجہ دی گئی ہے اس کی عبارت بہت آسان اور مختصر ہے طریقہ حنفیہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ سب سے اچھی اور واضح کتاب ہے علاء الدین بن عبد العزیز احمد بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) نے اس کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام ہے "کشف الاسرار"۔

۷- اصول السرخسی: امام ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (متوفی ۴۹۰ھ) یہ کتاب بھی بزدوی ہی کی طرح ہے لیکن اس کی عبارت اس سے زیادہ وسیع اور مفصل ہے۔

۸- المنار: امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد (متوفی ۷۱۰ھ) حافظ الدین

---

(۱) ابو زہرہ: سابق ماخذ ص ۲۰-۲۲

نسفی حنفی کے نام سے مشہور ہیں) اس کی متعدد شروح ہیں جن میں سب سے عمدہ "مشکاۃ الانوار" ہے۔

(د) انصاف سے دیکھا جائے تو بعض شافعیؒ، مالکیؒ اور حنبلی فقہاء نے بھی اپنے اصولوں کی تصنیف حنفی نہج پر کی ہے یعنی کلی اصول کو جزئی فروعات پر منطبق کیا ہے اور اس طرح اپنے مذہب کی خدمت انجام دی ہے۔ امام قرافی کی کتاب "تنقیح الفصول فی علم الاصول" اسی نہج پر لکھی گئی ہے۔ انھوں نے مالکی مذہب کے اصول کی تطبیق فقہ مالکی کی فروع پر کی ہے۔ اسی طرح اسنوی شافعیؒ (متوفی ۷۷۲ھ) کی کتاب "التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول" میں بھی شوافع کے معروف اصولوں کو مذہب شافعی کی فروع[1] پر منطبق کیا گیا ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی اصول فقہ کے موضوع پر تحریروں میں بھی حنبلی مذہب کی کھلی ہوئی وکالت کی گئی ہے۔

یہیں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ احناف کا طریقۂ تصنیف استوار ہونے کے بعد چاروں فقہی مذاہب کے دوسرے متبعین نے بھی اس طریقۂ تصنیف کو برتا بلکہ فقہ اثنا عشری اور فقہ زیدی کے متبعین نے بھی اس طریقۂ تصنیف کی پیروی کی۔ ان لوگوں نے بھی احناف کے طرز پر ان اصولوں کا استنباط کیا جن پر اپنی فقہ کے جزئیات کو تولتے، اگرچہ شیعہ مصنفین کی زیادہ کتابیں متکلمین کے طرز پر ہیں کیونکہ اہل تشیع میں بیشتر لوگ معتزلی تھے اس لئے وہ لوگ متکلمین کے طرز پر تصنیف کرتے تھے۔

۳۔ جامع طرز تصنیف

اصول فقہ میں تصنیف و تالیف کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں کے رواج پذیر

(۱) اس نوع کی دوسری تصنیفات جنھیں تخریج الفروع علی الاصول کے نام سے مخصوص علم کی حیثیت حاصل ہے انکی مزید تفصیل و تعارف آئندہ آئے گا

Marfat.com

ہو جانے کے بعد کچھ ایسی کتابیں وجود میں آئیں جن میں دونوں طریقوں کو جمع کیا گیا تھا۔ ابتداءً مجرد اصول ذکر کئے جاتے، پھر جزئیات پر ان کی تطبیق کی جاتی۔ اس جامع طرز پر ممتاز ترین علماء نے تصنیفات کیں۔ ان میں بعض شافعی ہیں بعض حنفی۔

اس جامع طرزِ تصنیف کی چند اہم کتابیں۔

۱۔ بدیع النظام الجامع بین اصول البزدوی والاحکام۔ امام مظفر الدین احمد بن علی ساعاتی بغدادی حنفی (متوفی ۶۹۴ھ)

۲۔ تنقیح الاصول۔ صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود بخاری حنفی (متوفی ۷۴۷ھ)
خود مصنف نے التوضیح کے نام سے تنقیح الاصول کی شرح لکھی۔ موصوف نے بزدوی کی کتاب، نیز رازی کی المحصول اور ابن حاجب کی مختصر کو سامنے رکھ کر یہ کتاب لکھی۔ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی شافعی (متوفی ۷۹۲ھ) نے توضیح پر حاشیہ لکھا۔

۳۔ جمع الجوامع۔ امام تاج عبد الوہاب بن علی سبکی شافعی (متوفی ۷۷۱ھ)
مصنف نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے سو کتابوں سے لے کر یہ کتاب تیار کی ہے۔ امام جلال الدین محلی (متوفی ۸۶۴ھ) نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ جلال الدین محلی کی یہ شرح اس کتاب کی دقیق شرحوں میں سے ہے۔ اسی طرح امام بدر الدین زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے بھی جمع الجوامع کی شرح اس نام سے لکھی تشنیف المسامع بشرح جمع الجوامع۔ جمع الجوامع کی بکثرت شرحیں ہیں۔[۱]

شیخ خضری نے ان کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتابیں جن میں ہر چیز جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کی عبارتوں میں اس حد تک ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے کہ یہ کتابیں چیستاں بن کر رہ گئی ہیں۔ ایجاز نویسی میں غلو کی وجہ

---

(۱) ہیتو: سابق ماخذ ص ۱۲

Marfat.com

قریب تھا کہ یہ کتابیں عربی زبان کے دائرہ سے خارج ہو جاتیں اس میں سب سے بڑھی ہوئی ابن ہمام کی کتاب "التحریر" ہے، اگر آپ اس کتاب کو اس کی شرحوں سے الگ کر دیں اور مصنف کی مراد سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ معمے حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ "التحریر" کا مطالعہ کرنے سے پہلے ابن حاجب کی کتاب کی شرحوں کا مطالعہ کریں پھر آپ "التحریر" کو پڑھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ مصنف نے ابن حاجب کے شراح کی عبارتیں لے کر انھیں ضم کر دیا ہے اور عبارتوں کا توازن اس طرح بگاڑ دیا ہے کہ عبارت مضطرب اور پیچیدہ ہو گئی ہے، جہاں تک جمع الجوامع کا تعلق ہے تو یہ کتاب مختلف اقوال کا مجموعہ ہے جسے ایسی عبارت میں قلم بند کیا گیا ہے جو نہ پڑھنے والے کے لئے مفید ہے نہ سننے والے کے لئے، اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب قواعد پر استدلال سے بھی خالی ہے۔(۱)

اس مرحلہ کے بعد اصول فقہ پر قلم اٹھانے والوں نے سابق تصنیفات کی تشریح و توضیح پر ہی اکتفا کیا، اپنی طرف سے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا، ان کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا کہ جن کتابوں کی شرح کرنے بیٹھے ہیں ان کی تلخیص پر لکھی جانے والی تصنیفات کا مطالعہ کرلیں تاکہ ان کتابوں کی عبارتیں اور پیچیدہ مقامات حل ہو جائیں، غور و فکر اور جانچ پڑتال کا تصور ختم ہو چکا تھا، کیونکہ یہ علم زمانہ قدیم کی ایک یادگار بن کر رہ گیا تھا، کیونکہ ان لوگوں کی نظر میں اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہ گیا تھا۔ لہٰذا جن قواعد کی حیثیت اصول استنباط کی تھی ان پر محنت خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

متاخرین کی دقیق ترین کتابوں میں سے محب اللہ بن عبدالشکورؒ ہندی (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی "مسلم الثبوت" ہے، "فواتح الرحموت" کے نام سے اس کی

---

(۱) شیخ خضری: سابق ماخذ ص ۱۰-۱۱

ایک شرح بھی ہے۔

اس موضوع پر لکھی جانیوالی متاخرین کی مفید اور مختصر کتابوں میں سے امام شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کی کتاب بھی ہے جس کا نام ہے "ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول"۔

معاصرین میں اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے شیخ محمد عبد الرحمن عید المحلاوی (متوفی ۱۹۲۰ھ) کی کتاب "تسہیل الوصول الی علم الاصول" اور شیخ محمد خضری بک (متوفی ۱۹۲۰ھ) کی کتاب "اصول الفقہ" ہے۔ اس کے بعد مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ علوم شرعیہ نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔

Marfat.com

تیسری فصل

اصول فقہ کی کتابوں کی ترتیب اور ان کے مضامین

شروع میں اصول فقہ کے اندر چند محدود موضوعات زیر بحث آتے تھے، پھر رفتہ رفتہ دوسرے موضوعات کا بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اسی طرح ابتدائی مرحلہ میں یہ موضوعات غیر مرتب انداز میں تھے، پھر بعد کے ادوار میں اسے ترتیب و تصنیف کے قالب میں ڈھالا گیا۔

ہم ذیل کی فصل میں ان تبدیلیوں کا جائزہ لیں گے جو علم اصول فقہ کے اندر موضوع اور ترتیب کے لحاظ سے واقع ہوتی رہی ہیں۔

۱۔ مضمون کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیاں

(الف) یہ بات گذر چکی ہے کہ اصول فقہ کی تدوین و تصنیف کے مرحلہ کا آغاز امام شافعیؒ سے ہوا، آپ نے اصول فقہ کے منتشر مباحث کو اپنی کتاب "الرسالۃ" کے اندر جمع کیا۔

(ب) امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) کے بعد اس موضوع پر لکھی جانیوالی کتابوں کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام جصاص رازیؒ (متوفی ۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب "الفصول فی الأصول" میں اس موضوع پر کچھ ایسے اضافے کئے جن کے ذریعہ علم اصول فقہ کے مباحث کی تکمیل ہوئی، امام جصاص رازیؒ نے لغوی مباحث الفاظ کے مدلولات اور کتاب و سنت کے درمیان مشترک موضوعات کی

Marfat.com

تکمیل فرمائی، پھر ان مباحث کا تذکرہ کیا جو صرف سنت کے ساتھ خاص ہیں، قرآن سے ان کا تعلق نہیں، پھر بالترتیب اجماع، قیاس اور استحسان پر بحث کی، پھر اجتہاد اور اس سے متعلق موضوعات کے مباحث پر کتاب ختم کر دی۔

کتاب کے تمام مباحث میں اسلوب انتہائی واضح، سہل اور مباحث کو پیش کرنے کا انداز علمی اور مربوط ہے۔ مصنف پہلے تو زیر عنوان موضوع کی تشریح و وضاحت کرتے ہیں، پھر فقہاء کرام کی آراء اور ان کے مسالک بیان کرتے ہیں۔ اگر اس موضوع پر فقہاء احناف کی کوئی رائے اور موقف ہو تو اسے ضرور بیان کرتے ہیں پھر ان اقوال سے جو قول ان کے نزدیک صحیح یا راجح ہوتا ہے اس کی تعیین کرتے ہیں اور اس کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد معروضی انداز میں مخالفین کے دلائل بیان کر کے اور ان کی تردید کر کے بحث کو مکمل کرتے ہیں۔

امام جصاص رازی کی مذکورہ کتاب میں کثرت سے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے استشہاد کیا گیا ہے نیز بحث کی مناسبت سے ان آیات و احادیث کی تحلیل اور ان کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب کے تمام مباحث میں امام جصاص رازی نے اس بات کی پابندی کی ہے کہ اصولی قواعد کی تطبیق آیات و احادیث پر کی جائے، جس کی وجہ سے علم اصول فقہ میں علمی اور تطبیقی رنگ پیدا ہو گیا ہے اس پہلو سے ان کا اسلوب امام شافعی کے اسلوب سے ہم آہنگ ہے کیونکہ دونوں حضرات اصولی قواعد و قوانین کو تشریعی مصادر پر تطبیق کے انداز میں علمی اور تطبیقی پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

اس طرح عمومی طور پر موضوعات اور مباحث کی ترتیب بھی دونوں کتابوں کی تقریباً ایک جیسی ہے ان دونوں کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔[1]

(۱) ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان: الفکر الاصولی ص ۱۲۵-۱۳۲ اور الفصول فی الاصول کی تحقیق [illegible] نے کی ہے [illegible] اتفاق [illegible] [illegible] ان [illegible] کا تفصیل [illegible]۔

Marfat.com

(ج) ان تفصیلات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ علم اصول فقہ کے مضامین میں اسی وقت سے ٹھہراؤ آنے لگا۔ کیونکہ اس کے بعد اس علم میں ایک بنیادی اضافہ یہ ہوا کہ امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) نے المستصفی میں کچھ کلامی اور لغوی مباحث شامل کیے جن کے بارے میں خود امام غزالیؒ نے لکھا کہ یہ مباحث علم اصول فقہ کے لئے ضروری نہیں لیکن انھوں نے اپنے عہد کے تقاضوں کی پیروی کرتے ہوئے یہ مباحث علم اصول فقہ میں شامل کیے۔ امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں "علم مطلوب تک رسائی نظر و فکر کے بغیر ممکن نہیں لہذا نظر و فکر سے واقفیت ضروری ہے"۔ اس لئے علماءِ اصول ابتداءً علم، دلیل نظر کی تعریفات واضح کرتے ہیں اور ان تعریفات سے آگے قدم بڑھا کر سوفسطائیہ (جو علم کا انکار کرتے ہیں) کی تردید کرنے کے لئے اثباتِ علم پر دلائل قائم کرتے ہیں اور نظر و فکر کے منکرین کی تردید کرنے کے لئے نظر و فکر پر بھی دلائل قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح علوم کے چند اقسام اور دلائل کے چند اقسام پر بھی بحث کرتے ہیں۔ یہ ساری بحثیں اس علم کے حدود سے تجاوز اور اسے علم کلام سے خلط ملط کر دینا ہے۔ اہلِ اصول فقہ میں سے جو حضرات متکلمین میں سے تھے ان کے یہاں اس طرح کی بحثیں زیادہ ہیں کیوں کہ ان کے مزاجوں پر علم کلام کا غلبہ تھا۔ ان حضرات کو علم کلام سے جو گرویدگی اور لگاؤ تھا اس نے اس بات پر آمادہ کیا کہ علم اصول فقہ میں علم کلام کی آمیزش کر دیں جس طرح بعض اہلِ اصول جنھیں نحو سے گرویدگی تھی انھوں نے نحو کی کچھ بحثیں اور مسائل اصول فقہ میں شامل کر دیئے، چنانچہ ان لوگوں نے کچھ حروف اور اعراب کی بحثیں اصول فقہ میں داخل کیں حالانکہ ان کا تعلق علم نحو سے ہے۔ اسی طرح فقہاءِ ماوراء النہر کی ایک جماعت (مثلاً ابو زید دبوسیؒ اور ان کے پیروکار) نے فقہ سے غیر معمولی شغف اور گرویدگی کی وجہ سے فقہ کی بے شمار فروعات کو علم اصول فقہ میں شامل کر دیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بطور مثال اور فروع پر اصول کی تطبیق ہی کی غرض سے یہ فقہی جزئیات ذکر کی ہیں لیکن ان فقہی جزئیات

Marfat.com

کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی۔ علم، نظر اور دلیل کی تعریفات اصول فقہ میں ذکر کرنے میں متکلمین کا عذر بڑی حد تک واضح ہے لیکن علم اور نظر کے اثبات کے مباحث ذکر کرنے میں عذر اتنا نمایاں نہیں ہے کیونکہ تعریفات سے ان امور کی صورتیں ذہن میں منقش ہو جاتی ہیں، جس طرح علم فقہ میں قدم رکھنے والے اور اس علم کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ بات مفید و مناسب ہے کہ ابتداءً اجماع اور قیاس کا اجمالی تصور ذہن میں قائم کرے لیکن اجماع اور قیاس کی حجیت کے مباحث فقہ کے بجائے علم اصول فقہ کے مخصوص مباحث ہیں لہذا علم اور نظر کے منکرین کی تردید کرنے کے لئے علم اور نظر کے اثبات پر دلائل قائم کرنا علم کلام کے مباحث کو کھینچ کر اصول فقہ میں داخل کرنا ہے، جس طرح فقہ میں اجماع، قیاس، خبر واحد کی حجیت پر بحث اصول فقہ کو فقہ میں داخل کرنا ہے۔

یہ حقیقت واضح کرنے کے باوجود کہ کلامی مباحث کو اصول فقہ میں شامل کرنے میں متکلمین نے اسراف سے کام لیا ہے ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ان تمام مباحث کو یکلخت اصول فقہ سے الگ کر دیں کیونکہ لوگ جس چیز سے بہت مانوس ہوں اسے بالکل جدا کر دینا بہت مشکل ہے اور لوگوں کو ہر نامانوس چیز سے نفرت ہوتی ہے لیکن ہم صرف ان تمہیدی اور منطقی بحثوں پر اکتفا کریں گے جو تمام علوم میں تمہید ہیں۔ مدارک عقول کی تعریف کریں گے۔ مدارک عقول کے مباحث ضروریات نیز نظریات پر اس طرح گفتگو کریں گے کہ علم، نظر، دلیل اور ان کے اقسام و مدلول اس انداز سے واضح ہو جائیں جس کی مثال دوسری کتابوں میں نہ مل سکے گی۔

یہ مقدمہ اصول فقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ تمام علوم کا مقدمہ ہے جو شخص اس مقدمہ کے مضامین پر حاوی نہ ہو اس کے علوم پر بھروسہ نہیں۔ جو شخص یہ مقدمہ لکھنا چاہے وہ قطب اول سے کتاب کا آغاز کرے کیونکہ اصول فقہ کے مباحث کا قطب اول سے آغاز ہوتا ہے۔ لیکن تمام علوم نظریہ کو اس مقدمہ کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح اصول فقہ کو ضرورت ہے۔

Marfat.com

۲- ترتیب کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیاں

(الف) اصول فقہ کی ابتدائی کتابوں خصوصاً امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) کے "الرسالۃ" کے مباحث اس طور پر تھے کہ باہم ان میں کوئی ربط اور ہم آہنگی نہیں تھی۔

(ب) پھر رفتہ رفتہ اصول فقہ کی کتابوں میں ترتیب اور تنظیم داخل ہونے لگی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) کی کتاب میں ابواب اور فصول میں ایسی منطقی ترتیب ہے جس میں اس دور کی کتابوں کی طرح سادگی کا رنگ بھی ہے۔

ترتیب کا یہی انداز شیرازیؒ (متوفی ۴۷۶ھ) کی کتاب "اللمع" اور امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ) کی کتاب "البرھان" میں پایا جاتا ہے بلکہ بزدوی (متوفی ۴۷۲ھ) اور سرخسی (متوفی ۴۹۰ھ) کی کتابوں کا انداز بھی یہی ہے، حالانکہ ان دونوں کی کتابوں کی عبارت زیادہ سہل وروان ہے اور ان میں تفصیلات کی کثرت ہے کیونکہ ترتیب وتنسیق اسی کا تقاضا کر رہی تھی۔(۱)

(ج) جب امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) کا زمانہ آیا تو انھوں نے اصول فقہ کے مباحث کو ایک نئی ترتیب کے قالب میں ڈھالا، بعد کی تمام کتابوں میں امام غزالی کی اسی ترتیب کا واضح اثر ملتا ہے۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "المستصفی" میں فرماتے ہیں "میں نے اس کتاب میں فہم معانی کے خیال سے ترتیب وتحقیق دونوں کا لحاظ رکھا ہے اور ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری بھی ہے، میں نے ایسی ترتیب قائم کی ہے جو بڑی لطیف بھی ہے اور عجیب بھی، قاری پہلی نظر میں اس علم کے تمام مقاصد پر مطلع ہوجائے گا

بقیہ ۔(۱) الغزالی۔ مقدمۃ المستصفی ج ۱ ص ۱۰۹۔

(۱) ہمیں اس بارے میں ڈاکٹر ابوسلیمان کی رائے سے اختلاف ہے (سابق ماخذ ص ۲۱۲-۲۱۵-۲۳۲-۲۳۰) ڈاکٹر ابوسلیمان دونوں کتابوں کے منہج تقسیمات تفریعات اور فکری تسلسل کی تعریف کرتے ہیں۔

Marfat.com

اور اس طرح تمام گوشوں پر حاوی ہو جانا اس کے لئے مفید ہوگا ۔ اگر طالب علم ابتدائی نظر میں اس موضوع کے تمام محتویات و مقاصد سے واقف نہیں ہو جاتا تو پھر اسے اس کے اسرار و حکم سے واقفیت کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے"(۱) امام غزالی کا مذکورہ دعویٰ اپنی کتاب کے سلسلہ میں بالکل صحیح تھا ، اس کتاب کی ترتیب حقیقتاً بہت ہی لطیف و عجیب ہے ، اس طرح کی ترتیب وہی شخص قائم کر سکتا تھا جو ان اصولوں پر کامل دسترس رکھتا ہو اور اُن کے تمام گوشوں پر پوری طرح حاوی ہو ۔ ہم ذیل میں اصول فقہ کے موضوعات کی وہ ترتیب جو امام غزالی نے مستصفیٰ میں قائم کی ہے مختصراً بیان کرتے ہیں ۔

مقدمہ : مدارکِ عقول کے بیان میں

۱۔ حد : مصنف نے اس کے ذیل میں قوانین سے بحث کی ہے اس کے بعد حد کی تعریف کی ہے ، اسی طرح علم اور واجب کی تعریفیں کی ہیں ۔

۲۔ بُرہان : اس عنوان کے تحت مصنف نے شروع میں تمہیدی بحثیں کی ہیں یعنی معانی پر الفاظ کی دلالت مجرد معانی میں غور و فکر اور مرکب معانی کے احکام پھر مقاصد پر بحث کی ہے یعنی برہان کی شکلیں اور اس کے مادہ پر گفتگو کی ہے ، آخر میں اس بحث کے کچھ لواحق ہیں ۔

یہ مقدمہ تمام تر علم منطق سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی حیثیت ہر علم کے لئے مقدمہ کی ہے اس کا دائرہ اصول فقہ تک محدود نہیں ۔

قُطبِ اوّل (ثمرہ یا حکم)

۱۔ حکم کی حقیقت : اس ذیل میں مصنف حسن و قبح و اباحتِ اصلیہ کے موضوعات پر بحث کرتے ہیں ۔

(۱) الغزالی : المستصفیٰ جلد اول ص ۴۔۱

۲۔ احکام کے اقسام: اس عنوان کے تحت واجب، ممنوع: مباح، مندوب اور مکروہ پر بحثیں ہیں۔

۳۔ حکم کے ارکان: اس عنوان کے ذیل میں مصنف نے حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ اور حکم کے بارے میں بحثیں کی ہیں۔

۴۔ سبب حکم: مصنف نے اس عنوان کے ذیل میں حکم کے اسباب نیز صحت، بطلان، فساد، ادا، قضا، اعادہ، عزیمت اور رخصت پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔

قطب دوم (ادلۂ احکام)

۱۔ قرآن: اس عنوان کے تحت مصنف نے قرآن کے سلسلے سے مختلف اصولی موضوعات پر گفتگو کی ہے، ناسخ ومنسوخ کا موضوع بھی زیر بحث آیا ہے۔

۲۔ سنت۔

۳۔ اجماع

۴۔ عقل (حکم کی نفی پر دلیل کی حیثیت سے) اور استصحاب۔

اس قطب کے تحت امام غزالیؒ نے اصول موہومہ پر بھی کلام کیا ہے، ان کی رائے میں اصولِ موہومہ یہ ہیں۔

۱۔ سابق شریعتیں۔

۲۔ قول صحابی

۳۔ استحسان

۴۔ استصلاح

قطب سوم (احکام کے استنباط کا طریقہ)

مقدمہ: مقدمہ کے اندر لغات کے آغاز، اسماء لغویہ، اسماء عرفیہ، اسماء شرعیہ، کلام مفید پر بحث وگفتگو ہے، اسی طرح خطاب کی مراد سمجھنے کا طریقہ اور حقیقت ومجاز پر بھی

Marfat.com

بحثیں ہیں۔

۱۔ نص کے الفاظ میں غور و فکر اور نصوص کے الفاظ سے استدلال کرنے کا طریقہ، اس عنوان کے تحت مصنف نے مجمل، مبین، ظاہر، مؤول، امر، نہی، عام اور خاص پر بحثیں کی ہیں۔

۲۔ الفاظ سے جو معانی مقتبس ہوتے ہیں یعنی فحوائے کلام اور مفہوم کلام، اس عنوان کے تحت امام غزالیؒ نے اقتضاء النص اور اشارۃ النص، استخراج علت، مفہوم نص اور غیر منطوق کے فہم پر بحثیں کی ہیں۔

۳۔ الفاظ سے استخراج احکام کا طریقہ "معنی اور معقول" اس عنوان میں مصنف نے اثبات قیاس اور حکم منصوص کی علت کو ثابت کرنے کا طریقہ، قیاس شبہ، ارکان قیاس اور شرائط قیاس پر گفتگو کی ہے۔

قطبِ چہارم (استنباط کرنے والے کا حکم)

۱۔ اجتہاد

۲۔ تقلید و استفتاء

۳۔ ترجیح

(د) امام غزالی کے بعد امام آمدی (متوفی ۶۳۱ھ) نے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اصول فقہ کے مباحث کی ترتیب میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں جن کا اثر بعد کی تصنیفات میں محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح متاخرین کی بعض تصنیفات میں بھی آمدی کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ شوکانی (متوفی ۱۲۵۵ھ) کی کتاب ارشاد الفحول، شیخ خضری کی کتاب اصول الفقہ، اسی طرح شیخ عبدالوہاب خلاف کی کتاب علم اصول الفقہ میں آمدی کی قائم کردہ ترتیب کے اثرات محسوس ہوتے ہیں اگرچہ غزالی کے بعد تصنیف ہونے والی اصول فقہ کی تمام کتابوں میں امام غزالی کی چھاپ اور ان کی قائم کردہ ترتیب غالب نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ امام غزالی

کی کتاب المستصفی پر علم اصول الفقہ کے میدان میں مضامین اور ترتیب دونوں کے اعتبار سے ایک طرح کا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو گیا۔

دوسرے علوم اسلامیہ میں فقہی نظریات

فقہی نظریہ سازی کی تحریک انھیں کتابوں تک محدود نہیں رہی جنھیں علماء اصول نے اصول فقہ کے مختلف موضوعات پر سپرد قلم کیا بلکہ کچھ دوسرے علوم بھی وجود میں آئے، جن کی وجہ سے فقہی نظریہ سازی کی تحریک میں مزید نکھار پیدا ہوا، اور متعدد رجحانات نمایاں ہوئے۔ اصولِ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم جنھوں نے فقہی نظریہ سازی کے کام کو آگے بڑھایا اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱- اختلافِ فقہا: اس علم کا دوسرا نام الخلاف العالی بھی ہے۔
۲- قواعدِ فقہیہ: اس علم کے یہ نام بھی ہیں، قواعد عامہ، قواعد کلیہ، قواعد اصولیہ۔
۳- علم الفروق۔
۴- الاشباہ والنظائر (اس علم کا دوسرا نام علم الجمع بھی ہے،
۵- تخریج الفروع علی الاُصول
۶- السلسلۃ
۷- مقاصد الشریعۃ
۸- فقہی معمے، مغالطے اور امتحانی چیزیں۔
۹- فقہی حیلے۔
۱۰- مطارحات، مکاتبات، مراسلات، غریبات۔

اس باب میں ہم مذکورہ بالا علوم میں سے ہر ایک کی تعریف کرنے کے بعد ہر ایک علم کا اجمالی جائزہ لیں گے، اور ان علوم پر تصنیف کردہ کتابوں کی قدر و قیمت واضح کریں گے اور باب کے آخر میں فقہی نظریہ سازی کے نقطۂ نظر سے ان علوم پر ایک عمومی نظر ڈالیں گے۔

Marfat.com

باب دوم

دوسرے علوم اسلامیہ میں فقہی نظریات

- (١) ——— مذکورہ علوم کی تعریف
- (٢) ——— شریعت کے مقاصد
- (٣) ——— قواعد
- (٤) ——— فقہی ابواب کے درمیان مشترک قواعد کو ایک موضوع کے تحت جمع کرنا
- (٥) ——— فروق
- (٦) ——— اختلافات فقہاء، فروع کے اصول کی تخریج
- (٧) ——— بدعات اور حیلے
- (٨) ——— علوم اسلامیہ کی کتابوں میں فقہی نظریہ سازی کے کام پر عمومی نظر

Marfat.com

پہلی فصل

مقدمہ: مذکورہ علوم کی تعریف

اس مقدمہ میں ہم مذکورہ علوم میں سے ہر ایک کی بنیادی تعریف تفصیلات سے احتراز کرتے ہوئے اس طور پر ذکر کریں گے کہ ہر ایک کے مضمون کی وضاحت ہو جائے تفصیلات اس موقع پر سامنے آئیں گی، جب ہم ان موضوعات پر لکھی گئی بنیادی کتابوں کا تعارف کرائیں گے۔

سب سے پہلے علم فقہ اور علم اصول فقہ کی تعریف کی جاتی ہے تاکہ ان علوم کے درمیان فرق واضح ہو سکے۔

علم فقہ: ایسے احکام شرعیہ عملیہ کے مجموعہ کا نام ہے جو ان احکام کے تفصیلی دلائل سے مستنبط کئے گئے ہوں۔[1]

علم اصول فقہ: ان قواعد کا نام ہے جن کے ذریعہ دلائل شرعیہ سے شرعی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔[2]

---

(۱) بیضاوی نے المنہاج میں یہی تعریف کی ہے الابہاج: سبکی ج ا ص ۱۵، طبع التوفیق شرح البدخشی شرح الاسنوی علی المنہاج ج ا ص ۱۹ مطبع صبیح، (۲) خضری نے یہی تعریف کی ہے. ص ۱۳ مطبع السعادۃ، چوتھا ایڈیشن۔

علم اختلاف الفقہاء: اس علم کے اندر وہ اصول بیان کیے جاتے ہیں جو فقہاء کے درمیان مسائل کے احکام میں اختلاف کی بنیاد ہوتے ہیں، خواہ یہ اختلاف کسی ایک ہی مذہب کے فقہاء کے درمیان ہو یا مختلف مذاہب کے فقہاء کے مابین۔[1]

قواعد فقہیہ: ان کلی قضایا کا نام ہے جن کے تحت ان احکام شرعیہ کا ایک مجموعہ آتا ہے جو احکام باہم متشابہ ہونے کی وجہ سے ان کلی قضایا کے تحت داخل ہوتے ہیں۔[2] بعض لوگوں نے "قواعد فقہیہ" کی تعریف اس طرح کی ہے: "یہ ایسا اکثری حکم ہے جس سے براہ راست فقہی جزئیات کا حکم معلوم ہوتا ہے۔"[3]

زرکشی لکھتے ہیں: علم قواعد فقہیہ ان ضابطوں کی معرفت ہے جو بہت سے مسائل کو یکجا کرتے ہیں اور ان قواعد سے باخبر ہونا ہے جن کی طرف اصول رجوع ہوتے ہیں۔

"یہ فقہ کی سب سے نافع اور کامل و شامل قسم ہے اور اسی کے ذریعہ فقہ کے مراتب اجتہاد تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں یہی قواعد اصول فقہ ہیں۔"[4]

زرکشی نے قواعد فقہیہ کو اصول فقہ قرار دینے کی جو بات کہی ہے اس میں ہم ان کے قدم بقدم نہیں چل سکتے تاکہ دونوں اصطلاحات اپنے مفہوم میں باقی رہیں، اصول فقہ کی اصطلاح کو ہم قواعد فقہیہ سے علاحدہ ایک اصطلاح کی حیثیت سے رکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے تعریف میں کہا ہے۔ آئندہ ہم ان قواعد فقہیہ کو مختلف پہلوؤں سے چند قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، جیسا کہ ذیل میں آرہا ہے۔

فن فروق: اس قسم کے اندر ان باریک فرقوں اور پوشیدہ معانی کی وضاحت کی جاتی

---

(۱) تخریج الفروع علی الاصول للزنجانی کی تحقیق کرنے والے ڈاکٹر محمد ادیب صالح کے مقدمے کو [illegible] کے ساتھ [illegible] تعریفات ماخوذ ہے ص ۱۰، اس علم کی کچھ اور تعریفات بھی ہیں جنہیں ڈاکٹر [illegible] نے امام احمد [illegible] کی کتاب [illegible] المنیرة کے مقدمہ تحقیق میں ذکر کیا ہے ص ۲۱-۲۶، ۳۲ (۲) یہ تعریف ڈاکٹر [illegible] نے تخریج الفروع علی الاصول للزنجانی کے مقدمہ میں کی ہے ص ۳۲ (۳) القواعد الفقہیہ [illegible] مقدمہ تحقیق [illegible] ص ۹۹

ہے جن کی وجہ سے بظاہر یکساں نظر آنے والے مسائل کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔(۱)

فن اشباہ و نظائر یا فن جمع: اس میں ایسے فروعی مسائل جن کے احکام باہم یکساں ہوتے ہیں انھیں ان قواعد کے تحت درج کیا جاتا ہے جو ان فروع کے جامع ہوتے ہیں (اسنوی کی کتاب "الجوامع والفوارق" کے اندر یہی تعریف کی گئی ہے) یہ تعریف فن قواعد کے مفہوم سے ہم آہنگ ہے۔

تخریج الفروع علی الأصول: فقہی جزئیات و فروعات کا اصول و کلیات سے تعلق بیان کیا جاتا ہے نیز وہ اصول ذکر کئے جاتے ہیں جو فقہاء کے مابین اختلافی مسائل کی بنیاد ہوتے ہیں۔(۲)

سلسلہ: مسائل کا ایک دوسرے پر مبنی ہونا، ایک ہی ماخذ میں مجتمع ہونے کی وجہ سے اور کبھی کبھی تسلسل ایک چیز کے دوسری چیز پر مبنی ہونے میں قوت پہنچاتا ہے۔(۳)

مقاصد شریعت: یہ وہ اصول ہیں جن کا شارع نے قانون سازی میں اعتبار کیا ہے اور جو قیاس کی بنیاد ہوتے ہیں(۴)

فقہی معمے: یہ وہ فقہی مسائل ہیں جن کے احکام کی علتوں کو قصداً پوشیدہ رکھا جاتا ہے، تاکہ مخاطب کی فقہی بصیرت کو آزمایا جائے۔

فقہی حیلے: یہ ان لوگوں کے لئے جو کسی دینی امر میں مبتلا ہوں چھٹکارے کا ایک شرعی طریقہ ہے، بعض لوگ اسے "مخارج" کہتے ہیں (نکلنے کے راستے)(۵)

حاشیہ نمبر (۳) المنثور فی القواعد: زرکشی ج ۱ ص ۷۱

---

(۱) کرابیسی کی کتاب الفروق پر ڈاکٹر محمد طوم کا مقدمہ تحقیق ص ۔ (۲) زنجانی کی کتاب تخریج الفروع علی الاصول پر ڈاکٹر محمد ادیب صالح کا مقدمہ تحقیق ص ۱۲۔ (۳) زرکشی ج ۱ ص ۶۹۔ ۷۰، امام الحرمین جوینی متوفی ۴۷۸ھ کی کتاب السلسلۃ کو زرکشی نے اس موضوع پر بہترین کتاب قرار دیا ہے، شیخ شمس الدین بن اللقاح متوفی ۷۲۱ھ نے جوینی کی کتاب السلسلۃ کا اختصار لکھا، ڈاکٹر عبد العظیم الدیب امام الحرمین کی کتاب کو ایڈٹ کر رہے ہیں۔ (۴) شیخ خضری: ص ۱۱۔
(۵) ابن نجیم ص ۴۰۵۔

مطارحات: بہت مشکل مسائل جن کے ذریعہ ذہنوں کی منجھائی مقصود ہوتی ہے۔(۱)
مکاتبات، مراسلات، غریبات (مسائل غریبہ) ان علوم کو ابن نجیم نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

۲۔ وہ کتابیں جن میں ایک سے زیادہ علوم پر بحث ہوتی ہے۔

ذیل میں ہم اجمالی طور پر ان لوگوں کے متعلق گفتگو کریں گے جنہوں نے ان علوم میں سے ایک سے زائد علوم میں تصنیف کی ہے، البتہ جن لوگوں نے کسی ایک متعین علم پر لکھا ہے ان کا ذکر اس باب کی مستقل فصل میں کریں گے۔

(الف) فقہاء شافعیہ میں سے جن لوگوں نے "شریعت کے مقاصد اور اس کے قواعد" پر لکھا ہے ان میں ایک عزالدین بن عبدالسلام السلمی (متوفی ۶۶۰ھ) ہیں انہوں نے دو کتابیں لکھی ہیں، ایک کا نام ہے "القواعد الکبریٰ" اس کے متعلق صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: کسی دوسرے نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی، اس کا بیشتر حصہ حلیمی کے شعب الایمان سے ماخوذ ہے۔

دوسری کتاب "القواعد الصغریٰ" کے نام سے ہے، ہم مقاصد کی فصل اور قواعد کی فصل میں تفصیل سے اس کا جائزہ لیں گے۔

(ب) فقہاء مالکیہ میں سے "قواعد" اور "فروق" وغیرہ کے موضوع پر لکھنے والوں میں سے ایک ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمان الصنہاجی القرافی (ولادت ۶۲۶ھ متوفی ۶۱۴ھ) ہیں آپ کی درج ذیل کتابیں ہیں۔

۱۔ الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام وتصرفات القاضی والامام: یہ ایک بلند پایہ اور اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، مصنف نے اس میں چالیس مسائل ذکر کئے ہیں مثلاً ایسا فتویٰ جو دوسرے مخالف فتویٰ کے ساتھ باقی

(۱) زرکشی ج ۱ ص ۔۔، ج ۲ ص ۲۹۱۔

Marfat.com

رہتا ہے، اور ایسا حکم جو مخالف حکم سے نہیں ٹوٹتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ حکام اور امام المسلمین کے تصرفات میں فرق، فتویٰ اور حکم کا فرق، ٹوٹ جانے والے حکم اور نہ ٹوٹنے والے حکم کی کیا حقیقت ہے؟ حکم نفس سے تعلق رکھنے والا امر ہے یا زبان سے؟ یہ حکم خبر ہے یا انشا؟ اور اس جیسے دوسرے مسائل بیان کئے ہیں۔(۱)

۲ - الذخیرۃ: یہ فقہ اسلامی اور خصوصاً فقہ مالکی کا ایک بڑا انسائیکلو پیڈیا ہے، اس کے اندر کچھ فقہی قواعد نیز متشابہ و متقارب احکام کے درمیان فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ہر قاعدہ پر کچھ مسائل فقہیہ کی تفریع بھی کی گئی ہے، امام قرافی اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: میں نے اس کتاب میں اصول فقہ، شریعت کے قواعد، احکام کے اسرار نیز فروع کو منضبط کرنے والے ضوابط کے سلسلہ میں جو کچھ اللہ نے توفیق دی ذکر کر دیا ہے، ساتھ ہی امکان و آسانی کے ساتھ فقہاء مالکیہ کی کتابوں میں جو کچھ مل سکا انہیں بھی شامل کیا ہے۔(۲)

۳ - انوار البروق فی انواء الفروق: یہ کتاب صرف "فروق" کے نام سے مشہور ہے، امام قرافی اس کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: "قاری اسے چاہیں تو "کتاب الانوار والانواء" نام رکھ دیں یا "کتاب الانوار والقواعد السنیۃ فی الاسرار الفقہیۃ" کہہ لیں یا اور بھی کچھ نام دیدیں، یہ کتاب چار جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، انشاء اللہ ہم اس باب کی فصل "فروق" میں تفصیل سے اس پر گفتگو کریں گے۔

(ج) ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) کی کتاب "اعلام الموقعین عن رب العالمین" چار جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، یہ نہایت جلیل القدر اور بہت ہی مفید کتاب ہے، اس کتاب میں حقیقت شرعیہ کی رونق و جمال کے ساتھ دلائل و

---

(۱) الاحکام: قرافی ص ۱۸، ۱۹

(۲) الذخیرۃ: قرافی ج ۱ ص ۱۲، ۳۶

براہین کی قوت و پختگی بھی ہے، مصنف نے اس میں آثار نبویہ کی اتباع پر زور دیا ہے، اور بتلایا ہے کہ اہل سنت کون لوگ ہیں، صحابہ کرام اور تابعین میں سے کون حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی بتلایا ہے کہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی جانب کوئی قول منسوب کر دینا شرک کے درجہ میں ہے بلکہ اس سے زیادہ شنیع عمل ہے ائمہ کے نزدیک کراہت کے مفہوم کی وضاحت کی، حرام کے مفہوم کی تعیین کی، اپنی رائے سے فتویٰ دینے کی حرمت بیان کی، اس کے بعد کتاب کا اکثر حصہ اس خط کی تشریح پر مشتمل ہے جو امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیجا تھا، ائمہ و فقہاء نے اس خط کو قضاء و احکام کی بنیاد بنایا ہے' مصنف نے جن موضوعات پر شرح و بسط کے ساتھ کام کیا ہے ان میں اہم ترین موضوع درج ذیل ہیں، سود محلل، سد ذریعہ، حیلے، رائے اور قیاس اور تاویل کو اختیار کرنا، مفتی کے اندر پائی جانے والی ضروری شرطیں نیز فتویٰ کے مقام و مرتبہ کی بلندی واہمیت، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کے سلسلہ میں طویل فصلیں قائم کر کے کتاب ختم کر دی ہے۔

(د) علماء شوافع میں سے جو حضرات ان فنون پر دسترس رکھتے تھے ان میں ایک ابو نصر تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) ہیں، ان کی کتاب "القواعد والاشباہ والنظائر" کے نام سے ہے' اسے درج ذیل سات قسموں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) قواعد خمسہ (پانچ قواعد)
(۲) وہ عام قواعد جو کسی ایک باب کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔
(۳) وہ قواعد جو ابواب کے ساتھ مخصوص ہیں، اگر چہ اپنے دعویٰ کے مطابق ایک قسم کی بات دوسری قسم میں کسی ضرورت کی بنا پر ذکر کر دیتے ہیں
(۴) وہ کلامی اصول جن پر فقہی فروعات و جزئیات مبنی ہیں۔

(۵) وہ اصولی مسائل جن سے فقہی جزئیات متفرع ہوتی ہیں، اسی قسم میں ان لغوی مسائل کو بھی بیان کیا ہے جن سے فقہی جزئیات نکلتی ہیں۔

(٦) وہ مآخذ جن کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے اور جن پر اختلافی فروعات مبنی ہیں، یہ قسم (جیساکہ خود انھوں نے فرمایا) درحقیقت کتاب الخلافیات سے تعلق رکھتی ہے۔

(۷) اہم اضافے، متنبہ کرنے والے امور اور تکمیلی حیثیت رکھنے والے خاتمے۔

امام ابن السبکیؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام صدرالدین محمد بن عمر بن المرحل کی کتاب "الأشباہ والنظائر" کو سامنے رکھ کر اس کے لب لباب کو اخذ کر لیا ہے، اس کے قواعد کے سمندر سے جھاگ الگ کر دیا ہے اور ان پر کچھ اشباہ ونظائر کا اضافہ بھی کیا ہے، اور یہ کام انھوں نے اپنے والد شیخ امام کی اجازت سے انجام دیا ہے۔

یہ کتاب اب تک طبع نہیں ہوسکی ہے،[1] سیوطی اور ابن نجیم دونوں نے اپنے اشباہ ونظائر میں اس سے استفادہ کیا ہے، ہم اس کتاب کی قسموں کو تھوڑی تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اس باب کی مختلف فصلوں میں علیحدہ بیان کریں گے۔

(ھ) ان فنون پر کثیر التصانیف علماء میں سے جمال الدین ابو محمد عبدالرحیم بن علی بن عمر بن ابراہیم اموی اسنوی مصری، شافعیؒ (متوفی ۷۷۲ھ) ہیں ان کی درج ذیل تصنیفات ہیں:

(۱) التمہید فی استخراج المسائل الفروعیۃ من القواعد الأصولیۃ: اس باب کی پانچویں فصل میں اس کتاب کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

(۲) الکوکب الدری فی تخریج الفروع الفقہیۃ علی المسائل النحویۃ: اس کا تفصیلی جائزہ دوسری فصل میں لیا جائے گا۔

---

(۱) استاذ عبدالفتاح ابوالعینین نے جامعہ ازہر کی کلیۃ الشریعۃ والقانون کے تحت ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے طور اس کتاب کی تحقیق کی۔

(۳) مطالع الدقائق فی تحریر الجوامع والفوارق: سید نصر فرید محمد واصلی نے ۱۲۹۲ھ میں کلیۃ الشریعہ جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے مذکورہ کتاب کی تحقیق کی۔

(۴) الأشباہ والنظائر: یہ کتاب شافعی فروعات پر مشتمل ہے، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: "اس کتاب میں سبکیؒ کے قول کے متعلق بہت ساری غلطیاں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف اس کتاب کا مسودہ ہی چھوڑ کر انتقال کر گئے، اس کی تبییض کا موقع نہ مل سکا، یہ تقریباً پانچ کاپیوں کی چھوٹی کتاب ہے اس کی ترتیب ابواب پر ہے۔"[1]

(۵) البدر الطوالع فی الفروق والجوامع: یہ بھی شافعی فروع وجزئیات پر ہے، کچھ ماخذ میں اسے اسنوی کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور بطور اختصار اس کا نام "کتاب الفروق" یا "کتاب الجمع والفرق" بیان کیا گیا ہے، انہیں دو ناموں کے ذکر کئے جانے سے جوری کو دھوکہ ہوگیا اور انھوں نے طبقات اسنوی کی تحقیق کے مقدمہ میں ان دو ناموں کو دو مستقل کتابیں شمار کیا ہے۔[2]

(و) ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ) کی کتاب "الموافقات" اور کتاب الاعتصام ہے، انشاء اللہ ہم کتاب الموافقات پر تفصیلی گفتگو اس باب کی پہلی فصل میں اور کتاب الاعتصام پر اس باب کی چھٹی فصل میں کریں گے

(ز) جن شافعی علماء نے ان فنون میں سے اکثر فنون پر لکھا ہے ان میں جلال الدین عبدالرحمان سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) ہیں ان کی کتاب کا نام ہے "الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروق فقہ الشافعیۃ" اس کتاب کے منہج کے متعلق مقدمہ

---

(۱) یہ کتاب نہ مخطوطات میں مل سکی نہ مطبوعات میں۔ ڈاکٹر السعدی ص۱۸

(۲) اس کتاب کا ذکر گرچہ بہت سے مصادر میں آیا ہے لیکن ابتک اس کتاب کے مطبوعہ یا مخطوطہ کا کسی شکل میں سراغ نہیں لگ سکا، ظن غالب یہ ہے کہ یہ کتاب موجود ہے کیونکہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کی تبییض نہیں کی اور یہ کتاب مواد میں مطالع الدقائق کے مثل ہے۔ ڈاکٹر السعدی ص ۱۹۔

یں لکھتے ہیں: عرصہ سے میں اس قسم کی چیزیں جمع کر رہا تھا اور مسائل کی نظائر اصول و فروعات کی شکل میں تلاش کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے کئی مجموعے یاد کر لئے پھر ان پر ایک لطیف کتاب تصنیف کی جس سے استفادہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا، میں نے اسے سات کتابوں پر تقسیم کیا ہے۔

پہلی کتاب: ان قواعد خمسہ کی تشریح پر مشتمل ہے جن کے بارے میں فقہائے شافعیہ کا کہنا ہے کہ فقہ کے سارے مسائل انہیں کی طرف لوٹتے ہیں۔

دوسری کتاب: یہ ان کلی قواعد پر مشتمل ہے جن سے بے شمار جزئی صورتیں نکلتی ہیں اس میں چالیس قاعدے ہیں۔

تیسری کتاب: اس کے اندر ایسے مختلف فیہ قواعد ذکر کئے گئے ہیں جن میں ترجیح اس لئے قائم نہیں ہو پاتی کہ اگر کسی قاعدہ میں ایک قول کی دلیل ظاہر ہوتی ہے تو اس کے بالمقابل دلیل دوسرے قاعدہ میں ظاہر ہو جاتی ہے اس میں بیس قواعد ہیں۔

چوتھی کتاب: اس کتاب میں ایسے احکام ذکر کئے گئے ہیں جن کی ضرورت کثرت سے پیش آتی ہے اور جن سے ناواقفیت ایک فقیہ کے لئے سرے سے درست نہیں ہوتی، مثلاً مفلس، جاہل، مکرہ (جس پر اکراہ و زبردستی کی گئی ہو) مجنون وغیرہ کے احکام۔

پانچویں کتاب کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے۔

چھٹی کتاب: اس کے اندر ایسے ابواب بیان کئے گئے ہیں جو باہم متشابہ نظر آتے ہیں لیکن ان میں باہم فرق ہوتا ہے۔

ساتویں کتاب: مختلف نظائر کے سلسلہ میں۔

سیوطیؒ کی ایک کتاب فن قواعد پر بھی ہے اس کا نام ہے "شوارد الفوائد فی الضوابط والقواعد" یہ کتاب گویا اشباہ و نظائر کا تتمہ ہے، اشباہ و نظائر کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں پر انشاء اللہ تفصیل سے اس باب میں علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں گے۔

Marfat.com

(ح) ان میں سے اکثر فنون پر لکھنے والے علماء احناف میں سے زین الدین بن ابراہیم
بن محمد بن بکر ہیں۔ یہ ابن نجیم (ان کے کسی جد امجد کا نام تھا) کے نام سے مشہور ہیں
(متوفی ۹۷۰ھ) ان کی کتاب کا نام صرف "الاشباہ والنظائر" ہے اس کتاب
میں آنے والے درج ذیل سات فنون میں سے ایک فن کے نام سے
کتاب کو موسوم کیا گیا ہے۔

(۱) ان قواعد کی معرفت کے لیے جن کی طرف مسائل لوٹائے جاتے ہیں۔
اس طرح کے پچیس قاعدے دو قسموں میں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی قسم چھ قواعد
پر مشتمل ہے، پانچ تو وہی معروف قواعد ہیں اور اضافہ شدہ چھٹا قاعدہ "الثواب
الا بالنیۃ" ہے۔ دوسری قسم کے اندر ایسے انیس کلی قاعدے بیان کئے گئے
ہیں جن سے بے شمار جزئی مسائل نکلتے ہیں۔

(۲) اس فن میں فوائد و ضوابط ذکر کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کون سی
چیزیں ان میں داخل ہیں اور کون نہیں۔ مصنف نے اس فن کو عدد کے اعتبار
سے مرتب کیا تھا یہاں تک کہ ان کی تعداد پانچ سو ہو گئی تھی اس کے ابواب
نہیں قائم فرمائے تھے۔ پھر اس خیال سے کہ اس کی طرف رجوع آسانی سے
آسان ہو اسے مشہور کتب فقہ کے طریقہ پر ابواب میں تقسیم کر دیا۔ اور اس کے
ساتھ کچھ اور ضوابط کا اضافہ کیا تاکہ اس کی افادیت اور بڑھ جائے۔ یہ قسم درحقیقت
ضوابط و استثناءات پر مشتمل ہے، کتاب کا یہ جز علاحدہ طور پر "الفوائد الزینیۃ"
کے نام سے موسوم ہے۔

(۳) تیسرا فن جمع و فرق پر مشتمل ہے۔ اسے تین قسموں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) جمع: اس میں ان احکام کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جو کثرت سے
پیش آتے رہتے ہیں اور ایک فقیہ کا ان سے ناواقف ہونا نہایت عیب کی
بات ہے۔ مثلاً سو جانے والے، جاہل، مکرہ، بھولنے، نائم، نشہ والے، اندھے،
ذمی، عورت، محارم، ہونے والے، مجنون اور معتوہ کے احکام۔

(٢) الفرق: اس قسم میں بظاہر یکساں نظر آنے والے امور کے درمیان فرق کی وضاحت کی گئی ہے مثلاً وضو و غسل، حیض و نفاس، امام و مقتدی، جمعہ و عید، ہبہ اور بری کر دینا، کرایہ داری اور خرید و فروخت، بیوی اور باندی، قضا، اور احتساب وغیرہ۔

(٣) مختلف ابواب سے تعلق رکھنے والے مختلف قواعد اور کچھ نئے قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔

(٤) فقہی معمے: یہ وہ مسائل ہیں جن کے احکام کی علتوں کو بغرض امتحان پوشیدہ رکھا گیا ہے، یہ قسم فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

(٥) حیلے: کسی دینی امر میں مبتلا شخص کے لئے شرعی طریقہ پر چھٹکارا حاصل کرنے کی صورتیں بیان کی جاتی ہیں یہ بھی فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

(٦) فروق: اس قسم میں ہر باب سے کچھ چیزیں بیان کی ہیں جنہیں کرابیسی کی کتاب "فروق" سے جمع کیا ہے (مصنف نے غلطی سے اس کا نام تلقیح المحبوبی ذکر کیا ہے) یہ قسم صرف چار صفحات پر مشتمل ہے، اور تیسرے فن میں "فن جمع وفرق" کے عنوان کے تحت جو "فرق" آیا ہے وہ اور یہ "فروق" یکساں نظر آتے ہیں۔

(٧) یہ قسم حکایات و مراسلات پر مشتمل ہے یعنی امام اعظمؒ اور صاحبینؒ نیز مشائخ متقدمین و متأخرین سے جو تحریری بحثیں، مراسلات اور نادر مسائل منقول ہیں ان کا مجموعہ ہے۔

اس باب کی دوسری فصل میں ہم تفصیل سے ان میں سے ہر ایک فن پر گفتگو کریں گے۔

(ط) سید احمد بن محمد حنفی حمویؒ (متوفی ١٠٩٨ھ) نے ابن نجیم کی اشباہ ونظائر کی شرح لکھی ہے اس کا نام ہے "غمز عیون البصائر" یہ شرح بھی چھپ چکی ہے۔ اور متداول ہے۔

(۳)

(الف) ان علوم پر لکھی گئی اکثر تصنیفات کے تجزیہ و تحلیل کے وقت ہم اصولی طور پر درج ذیل موضوعات سے گریز کریں گے یا تو اس لئے کہ ان کا تعلق ہمارے موضوع بحث "فقہی نظریہ سازی" سے نہیں ہے یا کچھ دوسرے اسباب کی بنیاد پر جن کی طرف اشارہ آئندہ کیا جائے گا۔

(۱) السلسلات: اس موضوع سے گریز کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع کی تصنیفات کے بارے میں کوئی واقفیت بہم نہیں ہو سکی۔

(۲) فقہی معمے: مغالطے اور امتحانی مسائل۔

(۳) فقہاء متقدمین کی تحریری بحثیں، خط و کتابت اور ان سے منقول نادر مسائل۔

(ب) ہمارا جائزہ ان علوم میں سے ہر علم کی تصنیفات سے متعلق رہے گا البتہ درج ذیل کتابوں کو خاص اہمیت دی جائے گی۔

(۱) رسالۃ الاصول: امام کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) حنفی

(۲) تاسیس النظر: امام دبوسی (متوفی ۴۳۰ھ)

(۳) الفروق: امام کرابیسی (متوفی ۵۷۰ھ)

(۴) تخریج الفروع علی الاصول: زنجانی (متوفی ۶۵۶ھ) شافعی

(۵) قواعد الاحکام: عز الدین ابن عبد السلام (متوفی ۶۶۰ھ) شافعی

(۶) الفروق: امام قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) مالکی

(۷) اعلام الموقعین: ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) حنبلی

(۸) القواعد والاشباہ والنظائر: ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) شافعی

(۹) مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول: تلمسانی (متوفی ۷۷۱ھ) مالکی

(۱۰) التمهید فی استخراج المسائل الفروعیۃ من القواعد الاصولیۃ: | اسنوی (متوفی ۷۷۲ھ) شافعی

(۱۱) الکوکب الدری فی تخریج الفروع الفقہیۃ علی المسائل النحویۃ: |

(۱۲) موافقات | امام شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) مالکی

(۱۳) الاعتصام |

(۱۴)	المنثور فی القواعد :	امام زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) شافعی
(۱۵)	القواعد :	ابن رجبؒ (متوفی ۷۹۵ھ) حنبلی
(۱۶)	الاشباہ والنظائر :	سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) شافعی
(۱۷)	" " :	ابن نجیمؒ (متوفی ۹۷۰ھ) حنفی

Marfat.com

دوسری فصل

شریعت کے مقاصد

متقدمین نے مقاصد شریعت کے موضوع پر باوجود اس کی اہمیت کے [illegible]
لکھا۔ اس موضوع کے اہم مصنفین میں امام عزالدین ابن عبدالسلام (المتوفی ۶۶۰ھ) اور ابواسحاق
شاطبی (المتوفی ۷۹۰ھ) ہیں۔

(الف) عزالدین ابن عبدالسلام نے دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) القواعد الکبری: اس کے متعلق صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں [illegible]
دوسرے نسخے [illegible](۱) [illegible]
سے ماخوذ ہے۔

(۲) القواعد الصغری: یہ کتاب قواعد الاحکام فی مصالح الانام کے نام سے [illegible]
چھپ چکی ہے اور لوگوں میں متداول ہے۔

قاضی عزالدین محمد ابن احمد ابن جماعۃ الکنانی (المتوفی ۸۱۹ھ) نے [illegible]
القواعد الکبری پر حاشیے لکھے ہیں، اسی طرح القواعد الصغری پر [illegible]
لکھے ہیں۔

---

(۱) کشف الظنون: ج ۲ ص ۱۳۵۹، ۱۳۶۰۔

(۱) امام عزالدین بن عبدالسلام نے تمام فقہی قواعد وفروعات کا مرجع جلب منفعت اور دفع مضرت کو قرار دیا ہے۔ بلکہ کل احکام کی بنیاد جلب منفعت ہی کو بتایا ہے، اس لئے کہ دفع مضرت حصول منفعت ہی کی ایک قسم ہے، اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں: احکام کے اندر دنیا وآخرت کے مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفع پر اعتماد کرنا ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے، دنیا اور آخرت کے کچھ مصالح ہیں جن کے نہ حاصل ہونے کی صورت میں دونوں جہاں کا معاملہ بگڑ جاتا ہے، اسی طرح دونوں کے کچھ مفاسد ہیں اگر وہ دور نہ کئے جائیں تو دنیا وآخرت دونوں جہاں میں لوگوں کی تباہی ہے، ان میں سے اکثر منافع کا حصول ان کے اسباب کے پائے جانے کے بعد قطعی تو نہیں ہوتا لیکن ظن غالب کے دائرہ میں آجاتا ہے، آخرت کے لئے نیک کام کرنے والوں کو یہ قطعی یقین نہیں ہوتا کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوگا، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کی بنا پر اعمال خیر میں مشغول رہتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کہیں وہاں ان کے اعمال کے بارے میں عدم قبولیت کا فیصلہ نہ ہوجائے، قرآن کریم کی یہ آیت اسی مفہوم کو تبلاتی ہے" والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلۃ انھم إلی ربھم راجعون" اسی طرح دنیا میں بھی لوگ اپنے کام اور تصرفات حسن ظن ہی کی بنا پر کرتے ہیں، اس لئے کہ حصول منافع کے اسباب پائے جانے کے بعد ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ ان منافع کا حصول ہوگا، لہٰذا ایسے مصالح سے جن کا حصول غالب ہوتا ہے محض شنوذ یا خلاف گمان ہوجانے کے اندیشہ سے صرف نظر کر لینا درست نہ ہوگا۔

(۲) امام عزالدین بن عبدالسلام نے درج ذیل امور پر گفتگو کی ہے، جلب منفعت اور دفع مضرت کے اصولوں میں سے کون کون سی چیزیں مستثنیٰ ہیں، مصالح اور مفاسد کی حقیقت کا علم، ان دونوں کا فرق اور دونوں کے درجات کس طرح جانے جائیں، منافع ومفاسد کی تقسیم، طاعات کی انجام دہی اور احکام کی خلاف ورزی پر کیا چیزیں مرتب ہوتی ہیں، ان مصالح ومفاسد میں سے کن کی حکمتوں کا علم ہے

Marfat.com

اور کن کی حکمتوں کا علم نہیں ہے، مصالح و مفاسد کے درجوں میں فرق ہونے کی وجہ سے اعمال کے درجوں میں فرق، کبائر و صغائر کی تمیز، مشقت کی مقدار کے تفاوت سے اجر و ثواب کا تفاوت، مفاسد کے متفاوت ہونے کے باوجود دنیاوی سزاؤں میں برابری، مصالح و مفاسد کی تقسیم دنیوی اور اُخروی ہونے کے اعتبار سے، فرض عین اور فرض کفایہ کے اعتبار سے، وسائل اور مقاصد کے اعتبار سے مصالح کا مفاسد کے ساتھ جمع ہو جانا، جن اعمال و افعال کی بنیاد پر ثواب یا سزا متعلق ہوتی ہے ان علتوں کی مناسبت احکام کے ساتھ، احکام کے اسباب کے زائل ہو جانے سے احکام کا زائل ہو جانا، شریعت کی دی ہوئی تخفیف، معاملات اور تصرفات کے مصالح، مصالح کے بدل جانے سے تصرفات کے احکام کا بدل جانا اور ان کے علاوہ ایسی بحثیں جو کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتیں، ہاں بعض بحثیں وہ ہیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں عموماً آیا کرتی ہیں، لیکن اس کتاب میں ایسی بحثوں کا تناسب بہت کم ہے۔

(۳) ان مباحث کے درمیان کہیں کہیں ایسے بکھرے ہوئے قواعد بھی ملتے ہیں جن سے ان کے مباحث کو منضبط کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ طاعات و معاملات اور سارے تصرفات کے مصالح بیان کئے جائیں تاکہ بندے اس کے حصول کی کوشش کریں، اسی طرح نافرمانیوں کے مفاسد بیان کئے جائیں تاکہ لوگ اس کے ازالہ کی فکر بھی کریں، عبادات کے مصالح کا بیان ہو تاکہ عبادت کرنے والے ان کی مصلحتوں سے واقف رہیں، بعض مصالح بعض دوسرے مصالح پر مقدم ہوتے ہیں، اسی طرح بعض مفاسد دوسرے بعض مفاسد سے مؤخر ہوتے ہیں، کچھ ایسے مصالح ہوتے ہیں جن کا حصول خود بندہ کے کسب پر موقوف ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل ایسے مصالح بھی ہوتے ہیں جو انسان کے بس و قدرت میں نہیں ہوتے، شریعت کے سارے احکام مصالح پر مبنی ہیں، کبھی مفاسد کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اور کبھی منافع کا حصول، جب قرآن کی آیت "یاأیها الذین آمنوا" ... تو اس ...

کے بعد کی وصیت پر غور کیجئے کبھی تو خیر پر آمادہ کیا جارہا ہوگا اور کبھی شر سے روکا جارہا ہوگا اور کبھی ایک ساتھ خیر کی تحریص اور شر پر زجر و ممانعت بھی ملے گی، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر بعض احکام کے مفاسد کا صراحتًا بھی ذکر کر کے اس سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے اور اس طرح بعض دیگر احکام کے مصالح کو بیان کر کے اس کے حصول کی ہدایت کرتا ہے۔(۱)

امام عزالدین بن عبدالسلام کی تصنیفات کا واضح اثر آپ کے بعد آنے والوں کی کتابوں میں ملتا ہے جو ان موضوعات پر لکھی گئیں۔

(ب) امام عزالدین بن عبدالسلام کے بعد مقاصد شریعت کے موضوع پر لکھنے والے سب سے اہم مصنف ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ لخمی غرناطی شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) ہیں آپ نے اپنی کتاب "الموافقات فی اصول الشریعۃ" کا دوسرا جزء مقاصد شریعت ہی کے لئے خاص کیا ہے۔ انھوں نے مقاصد شریعت کی دو قسمیں کی ہیں۔ (۱) شارع کے مقاصد (۲) مکلف کے مقاصد، پھر شارع کے مقاصد کی درج ذیل قسمیں کی ہیں۔

(۱) ابتداءً وضع شریعت کے مقاصد (۲) افہام کے لئے وضع شریعت کے مقاصد (۳) تکلیف کے لئے وضع شریعت کے مقاصد (۴) امتثال و بجا آوری کے لئے وضع شریعت کے مقاصد۔

(۱) کتاب کے تمام مباحث میں مقاصد کا اعتبار پھیلا ہوا ہے، ادلۂ شرعیہ کے مباحث کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: شریعت کی بنیاد ضروریات، حاجیات اور تحسینیات تینوں درجوں کی حفاظت پر رکھی گئی ہے اور یہ تینوں وجوہات شریعت کے ابواب و دلائل میں بکھری ہوئی ہیں کسی ایک محل، ایک باب یا ایک قاعدہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے سلسلہ

---

(۱) قواعد الاحکام: عزالدین بن سلام ج ۱ ص ۱۰۴

Marfat.com

میں شرعی نقطۂ نظر عام ہو، کسی جزئی کے ساتھ مخصوص نہ ہو کیونکہ یہ ایسے کلیات ہیں جو اپنے تحت ہونے والے تمام جزئیات پر حکمراں ہیں، خواہ یہ اضافی جزئیات ہوں مثلاً تفصیلی دلائل کے نصوص، کیونکہ ان کلیات کے اوپر کوئی ایسی کلی نہیں ہے جو ان سب کا منتہی ہو، بلکہ یہ سب شریعت کے اصول ہیں اور یہ اصول بالکل مکمل ہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے کہ بعض اصول مفقود ہوں کہ انہیں ثابت کرنے کے لئے قیاس وغیرہ کی ضرورت پڑے، شریعت کے یہ اصول خلق خدا کی مصالح کے لئے بہت کافی ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم" (میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا) دوسری جگہ ارشاد ہے "ما فرطنا فی الکتاب من شیء" (ہم نے کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے) حدیث شریف میں ہے "ترکتکم علی الجادۃ" (میں نے تم کو واضح کشادہ راستہ پر چھوڑا ہے) دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے "لایھلک علی اللہ الا ھالک" (اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایسا ہی شخص ہلاک ہوگا جو ہلاک ہونے کا فیصلہ کرلے) اس طرح کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو دین کے کامل ہونے اور راہ خداوندی کے واضح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) اور جب صورت حال یہ ہے کہ قواعد شریعت کے جزئیات [illegible] کے اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں کلی اصولوں سے مقید ہونے والی [illegible] موجودات کی انواع میں سے ہر نوع کے اندر جزئیات کے کلیات سے تعلق کی نوبت ہوتی ہے، تو ضروری ہوگا کہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کے مخصوص دلائل کا ذکر کرتے وقت ان کلیات سے اتصال [illegible] کا بھی اعتبار کیا جائے، کیونکہ ایسا نہیں ہوتا کہ جزئیات اپنی کلیات سے بے نیاز ہو جائیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی جزئی مسئلہ میں ایک نص کو لیا کرتا ہے اور اس جزئی قاعدہ کی طرف نظر نہیں کرتا تو یہ غلط ہوگا [illegible]

سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہوگیا پھر کسی جزئی مسئلہ میں ایک ایسی نص آتی ہے جو کسی بھی پہلو سے قاعدہ کلیہ کے مخالف نظر آرہی ہے تو اس وقت کلی وجزئی دونوں پر یکساں غور کیا جائے گا، اس لئے کہ شارع نے اس جزئی کا حکم دینے میں ان قواعد کلیہ کی بھی رعایت کی ہے کہ اس جزئی کا حکم اس کے کلی قاعدہ کے مخالف نہ ہو، اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد اس کا امکان نہیں رہتا کہ کلی کا تو اعتبار کیا جائے اور جزئی کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ شریعت کے مقاصد کا احاطہ کرنے کے بعد ان قواعد کو مستنبط کیا گیا ہے لہذا شارع کے اعتبار کردہ امر کو لغو کرکے ان قواعد کو توڑنا ممکن نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کلیات کا اعتبار کرنے کے ساتھ ساتھ جزئیات کی مخصوص خصوصی صورت حال کا لحاظ بھی ضروری ہے، اسی طرح اس کے برعکس کلی کسی جزئی مسئلہ سے نہیں ٹوٹے گا اور جزئی پر کلی حکمراں ہے لیکن کلی کی یہ بالادستی کلی اور جزئی کی ذات کو دیکھتے ہوئے ہے نہ کہ خارجی امور کے اعتبار سے۔

(٣) انھوں نے چند مثالیں بھی ذکر فرمائی ہیں، مثلاً ایک مثال یہ ہے کہ شریعت میں آتا ہے کہ شہد لوگوں کے لئے باعث شفاء ہے اور اطباء نے بھی انکشاف کیا ہے کہ شہد بہت سارے امراض کے لئے شفاء کا کام دیتا ہے لیکن بعض دوسرے وجوہ سے اس میں کچھ ضرر بھی ہے جس کا اندازہ تجربہ سے ہوا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جاری رکھا ہے، لہذا علماء نے شہد کے شفاءٌ للناس ہونے میں ایک قید لگائی وہ یہ کہ اس کا استعمال ان مواقع پر کیا جائے گا جن میں تجربہ سے وہ مفید ثابت ہوتا ہو، اس قید کا اضافہ دین کے ایک قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے، وہ قاعدہ یہ ہے کہ شریعت میں کوئی ایسی خبر نہیں آسکتی جو واقعہ کے خلاف ہو اور یہاں پر نص اس بات کی تحدید بھی نہیں کرتی کہ شہد محض شفاء ہی ہے، لہذا علماء نے

شریعت کے اس قاعدہ کلیہ کو سامنے رکھ کر اس جزئی مسئلہ پہ حکم لگایا اور جہاں پر یہ جزئی مسئلہ قاعدہ کلیہ سے متعارض نہ ہو وہاں اس جزئی کا بھی اعتبار کیا گیا ۔ اس لئے کہ شہد اس شخص کے لئے مضر ہے جس پر صفرا غالب ہو لیکن جس کے اندر یہ مرض نہ ہو اس کے لئے شفا بدستور ہے۔(۱)

الحاصل مقاصد شریعت کی بحث بہت ہی اہم ہے اور ہم نے اپنی کتاب "شریعت کے عمومی نظریہ" کی تیسری فصل میں اس پر مستقلاً گفتگو کی ہے ۔

(۱) الموافقات: ج ۲ ص ۵ - ۱۵

Marfat.com

تیسری فصل

قواعد

پہلی بحث: عہد بہ عہد تبدیلیاں

(۱) فقہ اسلامی اور عہد بہ عہد اس کی ترقی پر جس شخص کی نظر ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ فقہی قواعد اولاً زبان رسالت سے صادر ہوئے، اور آپ ہی کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں فقہاء نے اس میدان میں قدم آگے بڑھایا، آپؐ کے جو جامع اقوال ہیں ان میں ایسے فقہی کلمے بھی ہیں جو آپ نے نئی پیش آمدہ صورت یا واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمائے، مثال کے طور پر آپؐ نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ "الخراج بالضمان" (نفع ذمہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے) یا "لا ضرر ولا ضرار" (اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہونچانا) یا "طالب الولایۃ لا یولیٰ" (ولایت وعہدہ طلب کرنے والے کو عہدہ نہیں سونپا جاتا) اس طرح کی دوسری احادیث نبویہ جو قواعد کی شکل میں وارد ہوئی ہیں اس ضمن میں آتی ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ قواعد وضع کرنے کا یہ کام یک بیک ایک ہی زمانہ میں کچھ فقہاء کے ہاتھوں مکمل ہوگیا ہو بلکہ اس کے مفاہیم ونقوش اور انہیں الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کا عمل تدریجی طور پر مختلف فقہی ادوار میں مختلف مذاہب

Marfat.com

کے ائمہ وفقہاء کے ہاتھوں ہوتا رہا ہے مثلاً ایک قاعدہ ہے "الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد" (ایک اجتہاد کسی دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا) اس قاعدہ کی اصل صحابہ کرامؓ کا وہ اجماع ہے جسے ابن الصباغ نے نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے "ذلک علی ما قضینا وھذا علی ما نقضی" (وہ مسئلہ اسی طرح تھا جس طرح ہم نے فیصلہ کیا تھا اور یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح ہم فیصلہ کریں گے) اس اصل کی علت یہ ہے کہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد کے مقابلہ میں زیادہ قوی نہیں ہے اگر دوسرے اجتہاد کی وجہ سے پہلا اجتہاد ٹوٹ جایا کرے تو پھر تو کوئی حکم بھی ثابت و برقرار نہیں رہ پائے گا اور اس صورت حال سے مشقت شدیدہ لاحق ہوگی یعنی جب پہلا حکم توڑ دیا جائے گا تو اس کا توڑنے والا حکم بھی کسی دوسرے حکم سے ٹوٹے گا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

علماء کے درمیان متداول ہو کر اور کبار فقہاء کے ہاتھوں تجزیہ واستدلال کے انداز میں قلمبند ہو کر ان قواعد میں سے اکثر قواعد نے موجودہ شکل اختیار کی اور الفاظ کے قالب میں ان کی آخری تعبیر انجام پائی۔ فقہائے احناف میں سے بالترتیب اولیٰ کے فقہاء نے سب سے پہلے ان قواعد ومبادی کو الفاظ کے سانچہ میں ڈھالا اور انھیں سے دوسرے مذاہب کے فقہاء نے یہ قواعد نقل کئے۔ لہذا فقہائے احناف کو اس میدان میں سبقت حاصل ہے۔

(۲) سیوطی، اور ابن نجیم کے ذکر کے مطابق امام محمد بن محمد بن سفیان ابو طاہر دباس (جو فقہاء عراق کے امام تھے) سب سے قدیم شخص ہیں جن سے مذہب حنفی کے بعض قواعد روایت کئے گئے ہیں۔ انھوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے سترہ اہم قواعد کو جمع کیا تھا۔(۱)

فقہاء احناف میں سے قواعد فقہیہ پر تصنیف کرنے والوں میں عبیداللہ بن حسن بن دلال بن دلہم ہیں (متوفی ۳۴۰ھ) جو ابوالحسن کرخی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے

(۱) الاشباہ والنظائر: سیوطی ص ۸، ۱۲۔ الاشباہ والنظائر: ابن نجیم ص ۱۵۔ ۱۶، ۱۰۔ ڈاکٹر تیسیر فائق کی تحقیق زرکشی کی کتاب المنثور فی القواعد پر ص ۱۰۔ ۲۰۔

Marfat.com

ان اصولوں کے بیان میں جن پر فقہ حنفی کی فروعات کا مدار ہے ایک خاص رسالہ تصنیف کیا، امام نجم الدین ابوحفص عمر بن احمد نسفی (متوفی ۵۲۷ھ) نے اس رسالہ پر کام کیا اور رسالہ میں مذکورہ اصول و قواعد کی توضیح کے لئے ان کی مثالیں اور نظائر ذکر کئے، ظاہر ہے کہ امام کرخی نے دباس ہی کے بیان کردہ قواعد کو حاصل کیا اور ان پر مزید کچھ اضافے کئے، اور اس طرح انتیس قاعدوں پر مشتمل یہ مجموعہ سامنے آیا، (یہ رسالہ تاسیس النظر للدبوسی کے ساتھ چھپ چکا ہے)

(۴) محمد بن حارث بن اسد خشنی (متوفی ۳۶۲ھ) نے اپنی کتاب "اصول الفتیا" میں کچھ قواعد اور نظائر و کلیات شامل کئے ہیں۔[1]

(۵) اسی طرح فقہاء احناف میں سے قاضی ابوزید عبداللہ بن عمر بن عیسی دبوسی (متوفی ۴۳۰ھ) نے بھی قواعد پر کتاب لکھی ہے (دبوسیۃ بخاری اور سمرقند کے درمیان واقع ایک بستی کا نام ہے اسی کی طرف امام دبوسی کی نسبت ہے)

ان کی تصنیفات میں ایک کتاب اختلاف الفقہاء کے موضوع پر ہے، کتاب کا نام ہے "تاسیس النظر" اس کتاب کو آٹھ قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے جن میں امام ابوحنیفہؒ کا ان کے اصحاب کے ساتھ اجتماعی طور پر اور علاحدہ علاحدہ اختلاف ذکر کیا گیا ہے ان آٹھ قسموں کے ساتھ ایک اور قسم ملحق کی گئی ہے جس میں متفرق اختلافی مسائل کے اصول ذکر کئے گئے ہیں۔

دبوسی نے اپنی اس کتاب میں فروعات کو اصول کی جانب پھیرنے کی رعایت تو کی ہے لیکن اس میں فقہی ابواب کی ترتیب ملحوظ نہیں رہی، بلکہ ان کے ذکر کردہ فروعات مختلف ابواب فقہ سے متعلق ہوتے ہیں مصنف نے اس بات کا التزام نہیں کیا ہے کہ ہر ہر قاعدہ کی فروعات فقہ کے کسی متعین باب سے تعلق رکھتے ہوں۔

---

(۱) جامعہ اُم القریٰ کے مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی کے کتب خانہ میں یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے نمبر ۱۵۰، فقہ مالکی، فوٹو آفسٹ،

اسی طرح دبوسی اصولی مسائل اور فقہی قواعد کو اس انداز سے ذکر نہیں کرتے کہ ان اصول و قواعد کے لئے استدلال کریں اور اصولوں کی بنیاد جس حکمت یا علت پر ہے اس کی تائید کریں بلکہ اکثر و بیشتر استدلال کئے بغیر صرف مسئلہ یا قاعدہ ذکر کرتے ہیں گویا کہ ان کے نزدیک وہ مسائل و اصول مسلّمات میں سے ہیں[1] قواعد کی تعداد دبوسی کے یہاں ۸۶ ہوگئی ہے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

(۶) فقہاء شافعیہ میں سے جن لوگوں کو قواعد فقہیہ اور فقہی فروع کو قواعد کی طرف لوٹانے میں ید طولیٰ حاصل ہے ان میں سے قاضی حسین ابو علی حسین بن محمد بن احمد مروزی (متوفی ۴۶۲ھ) ہیں۔ انھوں نے فقہ شافعی کو چار قاعدوں کی طرف لوٹایا ہے[2]۔

(۷) فقہاء شافعیہ میں سے قواعد پر قلم اٹھانے والوں میں امام عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) ہیں پیچھے ان کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔ آئندہ بھی ان کی آراء تفصیل سے ہم ذکر کریں گے۔

(۸) امام قرافی مالکی (متوفی ۶۸۴ھ) نے قواعد کے درمیان باہمی فرق کے موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا تفصیلی جائزہ "الفروق" کی بحث میں لیا جائے گا۔

(۹) محمد بن ابراہیم بقوری (متوفی ...ھ) نے "ترتیب فروق القرافی" لکھی ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امام قرافی کی "فروق" کو انھوں نے مرتب کیا ہے اس کے قواعد و مسائل کی تلخیص کی، بعض جگہوں پر نقد کیا ہے کچھ مناسب قواعد کا اضافہ کیا ہے، اور اسے اس طرح مرتب کیا ہے۔ کلی قواعد، نحوی قواعد، اصولی قواعد اور فقہی قواعد کو ابواب فقہ کی ترتیب پر بیان کیا ہے[3]۔

---

(۱) تخریج الفروع پر ڈاکٹر ادیب کی تحقیق ص ۱۸۔ ۱۹، المنثور پر ڈاکٹر تیسیر کی تعلیق ص ۲۰۔ ۲۱

(۲) ڈاکٹر تیسیر ص ۱۰۔۱۱، ۲۵، شرح القواعد للشیخ عبداللطیف بن علی سویدان الشافعی (مخطوطہ مکتبہ ازہر)

(۳) مخطوطہ دارالکتب المصریہ، قانون نمبر ۱۰۰۹۱، ۱۲۹۱۲۔

۱۰) شیعہ امامیہ جعفریہ میں سے بظاہر سب سے پہلے علامہ الحلی (متوفی ۷۲۶ھ) نے قواعد پر کتاب لکھی کتاب کا نام ہے "القواعد"[1]

۱۱) ابو عبداللہ محمد بن محمد بن احمد مقری مالکی (متوفی ۷۵۸ھ) نے "القواعد" کے نام سے کتاب لکھی ابواب فقہ کی ترتیب سے بارہ سو قواعد ذکر کئے ہیں، اس کتاب کی قسم عبادات جس کے قواعد کی تعداد ۴۰۴ ہے اس کی تحقیق احمد بن عبداللہ بن حمید نے کلیۃ الشریعہ جامعہ ام القری سے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے طور پر کی ہے۔

۱۲) محمد بن یوسف بن مطہر الحلی (متوفی ۷۷۱ھ) جو فخر المحققین کے نام سے مشہور ہیں اور علامہ الحلی کے صاحبزادہ ہیں ان کی کتاب ہے "ایضاح الفوائد فی شرح مشکلات القواعد"[2]

۱۳) فقہاء امامیہ میں سے شہید اول جمال الدین محمد بن مکی جزینی عاملی (متوفی ۷۸۶ھ) کی کتاب ہے "القواعد والفوائد" یہ کتاب شائع ہو چکی ہے، اس میں تین سو سے زائد قواعد جمع کئے گئے ہیں[3]

۱۴) بدر الدین ابو عبداللہ محمد بہادر بن عبداللہ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) کی کتاب "المنثور فی القواعد" ہے ڈاکٹر تیسیر فائق نے اس کی تحقیق کی ہے اور کویت کی وزارت اوقاف نے یہ کتاب شائع کی ہے، ہم کچھ آگے چل کر اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

۱۵) حنابلہ میں سے عبدالرحمان بن احمد بن رجب بن عبدالرحمان بن حسین بن محمد ابو البرکات مسعود زین الدین بن نقیب اسلامی بغدادی ثم دمشقی (متوفی ۷۹۵ھ) نے "القواعد" کے نام سے کتاب لکھی ہے، اس کے متعلق بھی ہم

---

(۱) آیۃ اللہ مرتضیٰ مطہری شہید: الاسلام وایران ج ۲ ص ۹۲-۹۳

(۲،۳) مطہری شہید: الاسلام وایران ج ۲ ص ۹۲-۹۳

Marfat.com

آگے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

(۱۶) مقداد بن عبداللہ سیوری حلی (متوفی ۸۲۶ھ) کی کتاب ہے "نضد القواعد الفقہیۃ علی مذھب الامامیۃ" انھوں نے اس کتاب میں شہید اول کی کتاب "القواعد والفوائد" کی ترتیب وتہذیب کی ہے یہ کتاب بھی شائع ہوچکی ہے اور متداول ہے۔

(۱۷) یوسف بن عبدالہادی المقدسی الحنبلی (متوفی ۹۰۹ھ) کی کتاب ہے "مغنی ذوی الافہام عن الکتب الکثیرۃ فی الاحکام" مصنف نے اس کے آخر میں ۶۰ قواعد فقہیہ ذکر کیے ہیں[1]۔

(۱۸) احمد بن یحییٰ ونشریسی (متوفی ۹۱۴ھ) کی کتاب "ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک" کے نام سے ہے اس میں ۱۱۸ فقہی قواعد دقیق فقہی اسلوب میں ذکر کیے گئے ہیں مذکورہ سارے قواعد اختلافی قواعد کی قبیل سے ہیں[2]۔

(۱۹) فقہاء امامیہ میں سے محقق کرکی شیخ علی بن عبدالعالی (متوفی ۹۴۰ھ) نے جامع المقاصد فی شرح القواعد کے نام سے علامہ حلی کے قواعد کی شرح لکھی ہے

(۲۰) عبدالوہاب شعرانی شافعی (متوفی ۹۷۳ھ) کی المقاصد السنیۃ فی القواعد الشرعیۃ کے نام سے کتاب ہے اس میں زرکشی کے قواعد کا اختصار کیا گیا ہے یہ ابھی مخطوطہ ہے[4]۔

(۲۱) شہید ثانی شیخ احمد عاملی (متوفی ۹۶۶ھ) کی کتاب تمہید القواعد ہے شائع ہوچکی ہے[5]۔

(۲۲) بدرالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان البکری کی کتاب ہے الاستغناء فی الفرق والاستثناء

(۱) مطبوعہ شرکۃ المدینۃ للطباعۃ والنشر، جدہ ۱۴۱۲ھ
(۲) مطبوعہ ... ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء
(۳) ... ص ۹۰۔۹۱
(۴) ... ص ۲۰۔
(۵) ... ص ۱۰۶۔

اس کتاب کی تصنیف سے ۱۰۶۲ھ میں فارغ ہوئے تھے، اس میں چھ سو اصولی قواعد ذکر کئے ہیں اور ہر قاعدہ سے اہم فوائد کا استخراج کیا ہے[۱]۔

۲۳) فقہاء امامیہ میں سے شیخ بہاء الدین اصفہانی جو فاضل ہندی کے نام سے مشہور ہیں (متوفی ۱۱۲۰ھ) نے بھی علامہ الحلی کے قواعد کی شرح لکھی ہے اس کا نام ہے "کشف اللثام عن قواعد الاسلام"[۲]۔

۲۴) محمد ابو سعید الخادمی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی کتاب ہے "مجامع الحقائق" کتاب کے اخیر میں ۱۵۴ قاعدے حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے ہیں، مصنف نے خود ہی "منافع الدقائق شرح مجامع الحقائق" کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، یہ شرح کتاب کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں قسطنطنیہ سے شائع ہو چکی ہے اس کی ایک دوسری مستقل شرح بھی ہے جو مصطفےٰ ہاشم کی ہے موسوف حنیفد قوجہ کے نام سے مشہور ہیں، اس کا نام "ایضاح القواعد" ہے[۳]۔

۲۵) "مجلۃ الاحکام العدلیہ" نے ۹۹ قواعد جمع کئے ہیں جو مجلۃ الاحکام کی دفعہ ۱ سے ۱۰۰ تک پھیلے ہیں، یہ قواعد ابن نجیم اور دوسرے علماء کے قواعد سے لئے گئے، مجلۃ الاحکام العدلیہ کی شرح کرنے والوں نے اس کی دفعات کی تشریح کے ضمن میں ان قواعد کی بھی تشریح کی ہے جن میں علی حیدر اور سلیم رستم باز وغیرہ ہیں۔

۲۶) استاذ علی حیدر نے اپنی کتاب "ترتیب الصنوف فی احکام الوقوف" کے مقدمہ میں کچھ قواعد فقہیہ بیان کئے ہیں[۴]۔

---

(۱) اس کتاب کا ایک مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے، جس کا نمبر فقہ شافعی میں ۲۵ ہے کرابیسی کی کتاب الفروق پر طوم کا مقدمہ تحقیق ج ۱ ص ۱۱۔ (۲) مطہری: ج ۲ ص ۹۴-۹۷۔

(۳) مطبعہ محرم آفندی البسنوی ۱۳۰۲ھ، دار الطباعۃ العامرۃ استانبول ۱۲۹۵ھ

(۴) ڈاکٹر عانی ص ۱۲۰، ۱۲۸، انھوں نے اس میں سے دس قواعد ذکر کئے ہیں۔

Marfat.com

(۲۷) شیخ محمود حمزہ مفتی دمشق (متوفی ۱۳۰۵ھ) کی کتاب ہے "الفرائد البہیۃ فی القواعد الفقہیۃ" یہ فقہی ابواب کی ترتیب پر ہے ۱۲۹۸ھ میں دمشق سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۸) محمد بن حسین مالکی مفتی مکہ (متوفی ۱۳۶۰ھ) نے "تہذیب الفروق والقواعد السنیۃ فی الاسرار الفقہیۃ" کے نام سے کتاب لکھی، یہ کتاب امام قرافی کی "فروق" کے حاشیہ پر شائع ہو چکی ہے۔

(۲۹) شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کی کتاب "تحریر المجلۃ" ہے، یہ کتاب "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کی دفعات ۲ تا ۱۰۰ جو قواعد فقہیہ سے متعلق ہیں ان پر تعلیق ہے۔ مصنف نے مذکورہ ننانوے قواعد میں سے ۴۹ قواعد کو بنیادی اور اہم قرار دیا ہے۔ باقی کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ مکرر ہیں یا ایک دوسرے میں داخل ہیں یا پھر ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے مزید ۱۲ اہم قواعد کا اضافہ کیا جو ان کے خیال میں عقود، ایقاعات اور مکاسب و معاملات کے ابواب کے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس طرح عقود، معاملات، قضاء، نذر اور یمین کے ابواب میں قواعد کی مجموعی تعداد ان کے نزدیک ۱۲۰ ہو جاتی ہے اور اگر ہم ان تمام قواعد کا شمار کرنا چاہیں جو عام ابواب فقہ کا مرجع ہیں تو ممکن ہے کہ ان کی تعداد پانچ سو یا اس سے زائد ہو جائے۔(۱)

شیخ محمد حسن آل کاشف الغطاء نے فقہاء امامیہ کی کتابوں سے المجلۃ پر استدراک کرتے ہوئے ۱۲ قواعد کا اضافہ کیا اور انھیں سے پہلو بہ پہلو کچھ قواعد اپنے ذہن و فکر سے ایجاد کر کے شامل کیے ہیں اگرچہ حالات نے انھیں ان قواعد کی شرح و توضیح کا موقع نہیں دیا لیکن ناشر نے تحریر المجلۃ کی پانچویں جلد کے آخر میں یہ قواعد شامل کر دیے، ان کی تعداد ۱۳۲ ہے۔(۱)

---

(۱) تحریر المجلۃ ج ۱ ص ۶۳-۱۰۹ [illegible]

(۳۰) شیخ احمد زرقا، (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے "شرح القواعد الفقہیۃ" کے نام سے کتاب تصنیف کی
اس کتاب کی ترتیب احکام عدلیہ کے مطابق ہے ۱۹۱۲ء میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے

(۳۱) استاذ مصطفےٰ احمد زرقا نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی العام" کی تیسری قسم کو فقہ
اسلامی کے قواعد کلیہ کے لئے خاص کیا ہے (۹۳۹-۱۰۸۲) پھر ان کی تشریح کے ساتھ
ہی ساتھ اساسی قواعد کو جن کی تعداد ان کی تقسیم کے اعتبار سے چالیس ہے
فرعی قواعد سے علاحدہ کیا، فرعی قواعد کی تعداد ۵۹ ہے، موضوعات کے اعتبار سے
ان قواعد کو مرتب کیا اور اساسی قواعد بیان کرنے کے ساتھ ان سے متفرع ہونے
والے فرعی قواعد کو بھی ذکر کیا، نیز مزید ۲۱ ایسے قواعد کا اضافہ کیا جن کا ان کے
خیال میں "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کے قواعد سے ملحق کیا جانا مناسب تھا۔
استاذ زرقا، کی رائے یہ ہے کہ فن قواعد پر تصنیف کے سلسلہ میں فقہاء مذاہب
کے اہتمام کی ترتیب اس طرح ہے پہلے احناف، پھر شوافع پھر حنابلہ پھر مالکیہ اور
اخیر میں شیعہ، لیکن گذشتہ تفصیلات میں ہم نے دیکھا کہ تاریخی ترتیب میں پہلے
احناف، پھر شوافع پھر مالکیہ پھر شیعہ اور اخیر میں حنابلہ تھے۔

(۳۲) معاصر فقہاء امامیہ میں سے سید مرزا حسن موسوی بجنوری کی کتاب "قواعد فقہیہ"
ہے جو ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

(۳۳) احمد بن عبداللہ بن حمید جنھوں نے مقری کی کتاب "قواعد" کی تحقیق کی ہے
انھوں نے اس کے مقدمہ میں اسی موضوع کے مصنفین اور تصنیفات کا مزید تفصیلی
ذکر کیا ہے (۱)

---

(۱) سابق ماخذ ص ۱۱۹-۱۲۰

دوسری بحث

قواعد کا تجزیاتی مطالعہ

قواعد کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے وقت ہم ان قواعد میں ایک تو اس پہلو پر تجزیہ کریں گے کہ ان میں تجریدیت اور ہمہ گیری کس حد تک ہے اور دوسرے قواعد کی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے ہم ان قواعد کی تقسیم کریں گے۔

تجریدیت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے قواعد کی درج ذیل قسمیں ہیں۔

۱) اعلیٰ قواعد کلیہ۔

۲) وہ قواعد جو مختلف اقسام کے ابواب فقہیہ کے درمیان مشترک ہیں۔

۳) وہ قواعد جو ایک ہی قسم مثلاً عبادات یا معاملات کے فقہی ابواب کے درمیان مشترک ہیں

۴) وہ قواعد جو فقہ کے ایک باب کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قواعد کی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے درج ذیل قسمیں نکلتی ہیں۔

۱) اصولی قواعد

۲) کلامی قواعد

۳) لغوی قواعد

۴) فقہی قواعد

چونکہ ان دونوں تقسیموں کی اساس ایک دوسرے سے مختلف ہے

Marfat.com

اس لئے دونوں کے اقسام میں تداخل پایا جائے گا۔

۱- کلی اصلی قواعد

(الف) یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ امام عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) نے تمام فقہی قواعد وفروعات کو دو قاعدوں کی طرف لوٹایا ہے (۱) جلب منفعت (۲) دفع مضرت، بلکہ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ دفع مضرت بھی فی الجملہ جلب منفعت ہی میں شامل ہے اور اس طرح سارے کے سارے قواعد کا مرجع ایک قاعدہ جلب منفعت قرار پاجاتا ہے۔

(ب) بعض علماء نے اس ہمہ گیر نظریہ کی تفصیل کرتے ہوئے تمام قواعد چار کی تعداد کی طرف لوٹائے، بعض نے پانچ قواعد کو اصل قرار دیا اور بعض کے یہاں اصلی قواعد چھ قرار پائے۔

مروزی (متوفی ۴۶۲ھ) نے فقہ شافعی کا ماخذ درج ذیل چار قواعد کو قرار دیا ہے:

۱- الیقین لا یزول بالشك : یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

۲- المشقة تجلب التیسیر : مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔

۳- الضرر یزال : نقصان کو دور کیا جائے گا۔

۴- العادة محکمة: عادت کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

(ج) ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے پانچ قواعد کو بنیادی قرار دیا ہے، چنانچہ انھوں نے مروزی کے بیان کردہ چار قواعد کے ساتھ اس پانچویں قاعدہ کا اضافہ کیا۔

۵- الأمور بمقاصدھا: اعمال کی حیثیت مقاصد کے اعتبار سے ہوگی۔

اور فرمایا ہے کہ اس عبارت سے زیادہ عمدہ اور بہتر عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "إنما الأعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

ابن السبکی کی اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے پہلے کسی اور

Marfat.com

شخص نے اس پانچویں قاعدہ کا اضافہ کر دیا تھا، شاید ابن السبکیؒ نے یہ پانچواں قاعدہ کسی متقدم فقیہ سے لیا ہو مثلاً صدر الدین محمد بن عمر بن مرحلؒ سے جنھوں نے فقہی فروع کے سلسلہ میں اشباہ و نظائر کے موضوع پر ایک کتاب مرتب کی، ابن السبکی نے اپنی کتاب "القواعد والأشباه والنظائر" کے مقدمہ میں اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے "میں نے اس کتاب کو لیا، میں نے اس کتاب کا مکھن نکال لیا، اور اس کتاب کے قواعد کے سمندر میں جو جھاگ تھا اُسے نکال پھینکا اور اشباہ و نظائر یکجا کیے۔

بعض حضرات نے ان پانچوں قواعد کو اس طرح منظوم کیا ہے۔

خمس محررة قواعد مذهب　　للشافعي بها تكون خبيرا

ضرر يزال وعادة قد حكمت　　وكذا المشقة تجلب التيسيرا

والشك لا ترفع به متيقناً　　والقصد أخلص إن أردت أجورا

(د) سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے بھی ابن السبکی کی پیروی کرتے ہوئے انہیں پانچ قواعد کا ذکر کیا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سارے مسائل فقہیہ انہیں کی طرف لوٹتے ہیں۔ سیوطی نے شیخ تاج الدین ابن السبکی کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میرے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اگر مسائل فقہیہ کو تکلف کے ساتھ چیخ تان کر پانچ قواعد کی طرف پھیرا جائے تو اس صورت میں پانچواں قاعدہ پہلے قاعدہ میں داخل ہو جاتا ہے[1] اور اس طریقہ پر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان پانچ قواعد کی جگہ صرف ایک ہی قاعدہ کافی ہو سکتا ہے اور وہ مصالح کا اعتبار[2] قاعدہ ہو۔ البتہ اگر وضاحت کے ساتھ فقہی مسائل کو قواعد کی طرف لوٹایا جائے تو ایسے قواعد پچاس سے زائد بنتے ہیں

---

(۱) الامور بمقاصدها کا قاعدہ، الیقین لا یزال بالشک کے قاعدہ میں داخل ہے۔

(۲) یہ المشقة تجلب التیسیر کا قاعدہ ابن السبکی اور سیوطی کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔

سے زائد ہو سکتے ہیں۔

(ھ) ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے ایسے چھ قواعد بتلائے، انھوں نے "الأمور بمقاصدها" والے قاعدہ کو دو قاعدوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

لا ثواب إلا بالنیۃ: عمل کا ثواب نیت کے ساتھ مشروط ہے

الأمور بمقاصدها: اعمال کی حیثیت مقاصد کے اعتبار سے ہوتی ہے

ابن نجیم نے ان چھ قواعد کے ساتھ مزید انیس قواعد بیان کر کے لکھا ہے: "یہ وہ قواعد ہیں جو مرجع ہیں اور جن پر فقہاء نے احکام متفرع کئے ہیں، یہی قواعد درحقیقت اصول فقہ ہیں اور ان کے ذریعہ ہی ایک فقیہ درجۂ اجتہاد تک پہنچتا ہے، خواہ فتویٰ ہی کے اندر ہو....."

ابن نجیم نے ان دونوں قسموں کے قواعد کے مابین فرق واضح نہیں کیا ہے، بلکہ صرف اسی پر اکتفاء کیا کہ نوع اول کے عنوان کے تحت پہلے چھ قواعد کو ذکر کیا پھر نوع ثانی کا عنوان قائم کر کے دوسرے انیس قواعد بیان کئے، اس نوع ثانی کے ذکر کے بعد یہ لکھا کہ یہ ایسے کلی قواعد ہیں جن سے بے شمار جزئی مسائل متفرع ہوتے ہیں[1] لیکن اتنی بات سے دونوں قسموں کا فرق واضح نہیں ہوتا، کیونکہ اتنی بات تو نوع اول پر بھی صادق آتی ہے۔

اسی طرح سیوطیؒ نے قواعد خمسہ کی جو تعریف کی ہے کہ: ان کی جانب تمام مسائل فقہیہ راجع ہوتے ہیں، یہ تعریف نہ تو جامع ہے اور نہ مانع، اس لئے کہ بہت سے ایسے فقہی مسائل ہیں جو ان قواعد خمسہ کی طرف نہیں لوٹتے، اور اسی طرح سیوطیؒ نے ان کے بعد جن چالیس قواعد کو ذکر کر کے کہا ہے کہ: یہ ایسے کلی قواعد ہیں جن سے بے شمار جزئی مسائل نکلتے ہیں، وہ پہلے پانچ قواعد سے اس تعریف میں مختلف و ممتاز نہیں ہوتے ہیں۔

---

(۱) الأشباہ والنظائر: ابن نجیم ص ۱۵، ۱۰۴

ابن السبکیؒ نے بھی پانچ قواعد کے بعد جن قواعد کا ذکر کیا ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بیان کیا، کیونکہ انھوں نے دوسری قسم کا عنوان یہ قائم کیا ہے "وہ عام قواعد جو کسی ایک باب کے ساتھ خاص نہیں" در اصل انھوں نے اس عنوان سے ذریعہ اس کے بعد آنے والی تیسری قسم سے احتراز کیا ہے، جس کا عنوان یہ قائم کیا "وہ قواعد جو ابواب کے ساتھ خاص ہیں" ان دونوں عنوانوں سے دوسری اور تیسری قسم میں فرق تو ظاہر ہو جاتا ہے لیکن قواعد خمسہ کا ان عام قواعد سے فرق ظاہر نہیں ہوتا جو کسی باب کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

ظن غالب یہ ہے کہ علماء نے جس معیار کو سامنے رکھ کر ان پانچ قواعد کو ممیز کیا ہے (یا ابن نجیم کے نزدیک چھ قواعد کو) وہ تجرید و عمومیت کا نظریہ ہے، اور یہ بات صراحت سے ساتھ ابن السبکی کے اس قول سے سمجھ میں آتی ہے جس میں انھوں نے مسائل فقہ کو قواعد کی جانب پھیرنے کے سلسلہ میں دو منہجوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک تکلف و تعسف کا طریقہ، اور دوسرا وضاحت کا۔ لہٰذا جہاں بھی قواعد کی تعداد زیادہ ہوگی مسائل فقہیہ کا قواعد کی جانب لوٹانا بہت ہی واضح اور آسان ہوگا۔

۲ - وہ قواعد جو مختلف اقسام کے فقہی ابواب کے درمیان مشترک ہیں

اس قسم سے ہماری مراد ایسے کلی قواعد ہیں جو فقہ کے ابواب میں سے کسی ایک باب کے ساتھ خاص نہیں ہیں، اس قسم کے اندر تجرید پہلی قسم کے قواعد کلیہ سے کم ہوتی ہے، ان کلی قواعد کی نسبت سے یہ گویا فرعی قواعد ہیں۔

(الف) امام کرخیؒ (متوفی ۳۴۰ھ) نے ان اصولوں کے بارے میں جن پر فقہ حنفی کی فروعات کا مدار ہے جو رسالہ لکھا ہے ان میں سے بعض قواعد اس نوع کے تحت داخل ہیں، ان کے ذکر کردہ اصولوں کی تعداد ۳۹ ہے (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دباس کے تیرہ قواعد لے کر ان پر اضافہ کیا ہے) وہ مختلف انواع کے قواعد پر مشتمل ہیں، بعض تو وہ ہیں جو

ابواب فقہ میں سے چند ابواب کے ساتھ مخصوص ہیں، کچھ اصولی قواعد ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس مشترک قسم کی مثال بن سکتے ہیں جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔

اس طرح کے چند قواعد درج ذیل ہیں:

— اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے امور درستگی وصلاح پر محمول ہوں گے یہاں تک کہ اس کے خلاف ظاہر ہو جائے،

— اصل یہ ہے کہ حال و موقع کی دلالت بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ الفاظ کی دلالت ہوتی ہے۔

— اصل یہ ہے کہ سوال اور خطاب میں عمومی اور غالب مفہوم کا اعتبار ہوگا، شاذونادر مفہوم کا نہیں۔

— اصل یہ ہے کہ حقوق اللہ میں تو احتیاط کا پہلو اختیار کرنا درست ہے لیکن حقوق العباد میں یہ درست نہیں ہے۔

(ب) ابن السبکیؒ (متوفی ۷۷۱ھ) کی کتاب "القواعد والأشباہ والنظائر" کی دوسری قسم اس نوع میں داخل ہے[1] انھوں نے اس قسم کو خاص رکھا ہے ان قواعد کے ساتھ جو کسی ایک باب کے ساتھ خاص نہیں ہیں،

انھوں نے یہ تصریح بھی کی کہ اس قسم اور اس کے بعد آنے والی قسم (جو ابواب کے ساتھ خاص رہنے والے قواعد پر مشتمل ہے) ان دونوں میں سے ایک قسم کے قواعد دوسری قسم میں کسی ضرورت کی بنیاد پر ذکر کردیں گے۔

— انھوں نے اس عام قسم کے تحت ۳۸ قواعد ذکر کئے ہیں اور ان میں سے بعض قواعد پر کچھ دوسرے قواعد کی تفریع کی ہے۔

جن قواعد کو ہم نے اس قسم میں ذکر کیا ہے ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

إذا بطل الخصوص بقي العموم — جب خصوص (خاص ہونا) ختم ہو جائے تو عموم باقی رہتا ہے۔

---

(۱) یہ کتاب مخطوطہ ہے اور جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔

— درء المفاسد اولی من جلب المصالح : دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

— ما اجتمع الحلال والحرام الا وغلب الحرام والحلال : جب بھی کسی امر میں حلال وحرام دونوں جمع ہوں گے تو حرام کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

— القادر علی الیقین لا یعمل بالظن : جو شخص یقین پر قادر ہو وہ ظن و گمان پر عمل نہیں کریگا۔

— ماثبت بالشرع اولی مما ثبت بالشرط : جو چیز شرع کی بنیاد پر ثابت ہو وہ اولیٰ ہے اس سے جو شرط کی وجہ سے ثابت ہو۔

— الرخص لا تناط بالمعاصی : شرعی رخصت معاصی کے اندر نہیں حاصل ہوتی۔

— إعمال الکلام اولی من إهماله : کلام کو بامعنی بنانا اس کو لغو و مہمل کر دینے سے اولیٰ ہے۔

— الفرض أفضل من النفل : فرض نفل سے افضل ہے۔

— الواجب لا یترك إلا بواجب : واجب دوسرے واجب ہی کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے۔

(ج) ابن السبکی کے بعد زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے المنثور فی القواعد کتاب لکھی۔ اس میں قواعد کو حروف تہجی کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ بے شمار قواعد ذکر کیے ہیں ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱— إذا تعارض الواجب والمحظور یقدم الواجب : جب واجب اور ممنوع میں تعارض ہو تو واجب کو مقدم کیا جائے گا۔

— الاجتهاد لا ینقض بالاجتهاد : ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

— حقوق الله تعالی مبنیة علی المسامحة : اللہ تعالیٰ کے حقوق آسانی و رعایت پر مبنی ہیں۔

— الضرورات تبیح المحظورات : ضرورت ممنوعات کو جائز کر دیتی ہے۔

— الفرض لا یؤخذ علیه عوض : جو کام فرض ہو اس کے لئے اجرت نہیں لی جاتی۔

— یقدم فی کل ولایة من هو أقوم بمصالحها : ہر عہدہ میں اس شخص کو مقدم کیا جائے گا جو اس عہدہ کے مصالح زیادہ بہتر انداز میں انجام دینے والا ہو۔

وہ قواعد جو الفاظ کل سے شروع ہوتے ہیں مثلاً :

— کل تصرف لا یترتب علیه مقصوده لا یشرع من أصله : ہر وہ تصرف جس سے [illegible] حاصل نہ ہوتا ہو وہ [illegible] سے مشروع ہی نہیں۔

وہ قواعد جو لفظ "لا" سے شروع ہوتے ہوں مثلاً:

لا ینکر إلا ما أجمع علی منعہ: اس امر کی نکیر کی جائیگی جس کے ممنوع ہونے پر اجماع ہو۔

وہ قواعد جو "ما" سے شروع ہوتے ہیں مثلاً:

ماثبت بیقین لا یرتفع إلا بیقین: جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی سے زائل ہو گی۔

زرکشیؒ نے جن موضوعات کو ذکر کیا ہے اور جن سے کچھ قواعد بھی متعلق ہوتے ہیں ان کی مثالیں درج ذیل ہیں:

الإباحۃ: (مباح قرار دینا) اس عنوان کے تحت سات مباحث ذکر کئے ہیں۔

الإبراء: (بری کردینا) اس میں پانچ مباحث بیان کئے ہیں۔

التوبۃ: (توبہ کرنا) اس کے مباحث کی تعداد نو ہے۔

الشک: (شک کرنا) اس موضوع کے تحت گیارہ مباحث آئے ہیں۔

الفاسد: (فاسد) سولہ مباحث اس قسم میں آئے ہیں۔

الفسخ: (فسخ کرنا) یہ پندرہ بحثوں پر مشتمل ہے۔

النیۃ: (نیت) اس میں بھی پندرہ مباحث ذکر کئے گئے ہیں۔

مذکورہ موضوعات کے تحت جو مباحث ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ہر بحث کے ساتھ جزئیات وضوابط اور تنبیہات و فوائد بھی بیان کرتے گئے ہیں، جو دوسری کتب قواعد میں نہیں ملتے۔

۳۔ زرکشیؒ اس کتاب میں قاعدہ کے استدلال میں مشغول نہیں ہوتے کبھی تو دلیل ذکر کرتے ہیں اور اکثر مواقع پر دلیل نہیں بیان کرتے، جن قواعد کے لئے استدلال بھی کیا ہے ان میں ایک قاعدہ یہ ہے "الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد" اس کے استدلال میں لکھتے ہیں: اگر یہ ٹوٹ جائے گا تو توڑنے والا بھی ٹوٹے گا، اس لئے کہ ہر اجتہاد کے ساتھ یہ امکان ہے کہ وہ بدل جائے اور بدلنے کا سلسلہ چلتا رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احکام پھر برقرار نہیں رہ سکیں گے۔

Marfat.com

اور اسی طرح جب وہ قاعدہ کی دلیل ذکر کرتے ہیں تو اکثر اوقات نقلی کے بجائے عقلی دلائل ذکر کرتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جن فقہاء کبار کے ہاتھوں قواعد فقہیہ کے مفاہیم تدریجی طور پر وضع ہوئے، انھوں نے اس سلسلہ میں عام شرعی نصوص، اصول فقہ کے مبادی اور احکام کی علتوں کے دلائل سے اجتہاد و استنباط کیا تھا تو گویا فقہی قواعد کے مفاہیم متعین ہونے کا راستہ عقل تھا اور جب اس کا راستہ عقل ہوگا تو استدلال عقلی ہوگا۔

۴۔ زرکشیؒ فقہ کا کوئی اختلافی قاعدہ یا مسئلہ ذکر کرتے ہیں پھر اس مسئلہ یا قاعدہ میں علماء کے اقوال اور دلائل ذکر کرتے ہیں پھر اس مسئلہ یا قاعدہ میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

اس کی مثال ملکؒ کی ابحاث میں سے آٹھویں بحث میں ملتی ہے۔

۵۔ فروعات کو اصول کی طرف لوٹانے میں بھی زرکشی ابواب فقہیہ کی ترتیب کا التزام نہیں کرتے، بلکہ قاعدہ کے تحت اس کا فرعی مسئلہ خواہ وہ کسی باب کا ہو ذکر کر دیتے ہیں، اسی بنا پر ہم نے ان کی اس کتاب کو اس نوع میں داخل کیا جو مختلف ابواب فقہیہ کے درمیان مشترک قواعد پر مشتمل ہے، اگرچہ اس کتاب میں کچھ ایسے قواعد بھی ہیں جو مختلف ابواب کے درمیان مشترک نہیں ہیں بلکہ متعین ابواب کے ساتھ خاص ہیں[1]۔

۶۔ علماء نے اس کتاب کی شرح و اختصار کا کام بھی کیا، چنانچہ سراج الدین العبادی نے دو جلدوں میں اس کی شرح لکھی، اسی طرح عبدالوہاب شعرانی نے ایک جلد میں اس کا اختصار لکھا ہے[2]۔

---

(۱) زرکشی کی کتاب المنثور فی القواعد پر ڈاکٹر تیسیر کا مقدمہ تحقیق، طبع وزارۃ الاوقاف کویت ص ۵۰ — ۵۲۔

(۲) مخطوط مکتبہ ازہر خاص نمبر ۱۶۰ عام نمبر ۲۲۳۳۰

(د) ابن رجبؒ (متوفی ۷۹۵ھ) کی کتاب "تقریر القواعد وتحریر المسائل والفوائد"
ہے یہ کتاب "القواعد فی الفقہ الاسلامی" کے نام سے مشہور ہے، ابن رجب
نے ۱۶۰ قواعد ذکر کئے ہیں، ان سے ملحق کر کے اختلافی مسائل کے مباحث
بھی ذکر کئے جن کی تعداد ۲۱ ہے، "علم اختلاف الفقہا" کے موضوع پر گفتگو
کرتے وقت ہم اس ضمیمہ کی جانب اشارہ کریں گے۔

۱۔ جو قواعد ابن رجب نے وضع کئے ہیں ان میں مسلک حنبلی کے مسائل فقہیہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، لہذا کسی بھی مسئلہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، یہ سب دلکش اسلوب اور بہترین عبارت میں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ کتاب فقہ حنبلی پر ایک بہترین تصنیف ہے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کلی قاعدۂ فقہیہ ذکر کرتے ہیں، پھر اس پر مختلف ابواب فقہ کے مختلف مسائل متفرع کرتے ہیں، اس کا التزام نہیں کرتے کہ وہ فروعات کسی ایک متعین باب کے ہوں بلکہ قاعدہ پر متفرع ہونے والی فروعات، فقہ کے جس باب کے بھی ہوں ذکر کرتے ہیں، البتہ اگر قاعدہ ہی ایسا ہو کہ وہ کسی ایک فقہی یا قسم سے تعلق رکھنے والا ہو مثلاً عبادات کی قسم سے تو ایسے موقع پر اس قاعدہ سے ملحق فروعات بھی کسی ایک متعین باب یا قسم کی ہوں گی۔

۲۔ مذکورہ کتاب میں اس طرح کے مختلف نوعیتوں کے قواعد کے ساتھ کچھ ایسے قواعد بھی ہیں جو کسی ایک جزئیہ سے تعلق رکھتے ہیں، انھیں معروف معنی میں قواعد کہہ بھی نہیں سکتے، بلکہ وہ ایک محدود جزئی مسئلہ میں حکم شرعی کی قانون سازی ہوتی ہے[1]۔

---

(۱) ڈاکٹر تیسیر نے زرکشی کی کتاب کے مقدمہ تحقیق میں لکھا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن رجب ہر جزئیہ کے لئے ایک قاعدہ وضع کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے تعداد اور کثرت کے اعتبار سے قواعد فقہیہ فقہی فروعات کے درجہ میں آجاتے ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر تیسیر کی یہ بات ابن رجب کے بہت ہی کم قواعد پر منطبق ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قواعد کی کثرت کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ زرکشی کے یہاں قواعد اور زیادہ ہیں لیکن اس کی بنا پر موصوف نے زرکشی پر نقد نہیں کیا، ملاحظہ ہو الزرکشی ص: ۳-۲۲۔

ان میں سے ہر قسم کی جانب مناسب موقع پر اشارہ کیا جائے گا۔

۲۔ ابن رجب نے مختلف ابواب فقہیہ کے درمیان جن مشترک قواعد کو ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

— جب کوئی حکم اور اس کا مانع دونوں موجود ہوں تو مشہور مذہب یہ ہے کہ حکم ثابت نہیں ہوتا (قاعدہ ۵۵)

— جس شخص نے حرام طریقہ پر ایسا سبب اختیار کیا کہ جس کے نتیجہ میں ملکیت یا حلت ثابت ہوتی ہو یا واجبات کا سقوط ہوتا ہو اور وہ سبب ایسا ہو کہ نفس انسانی اس کی طرف مائل ہوتا ہو تو اس سبب کو باطل قرار دیا جائے گا اور اس کا وجود عدم کے درجہ میں ہوگا اور احکام ثابت نہیں ہوں گے (قاعدہ ۱۰۲)

— مجہول چیز اگرچہ اصلا موجود ہے لیکن جب اس پر واقف ہونا ممکن نہ ہو اور اس کا اعتبار دشوار ہو تو اسے معدوم کا درجہ دے دیا جائے گا۔ (قاعدہ ۱۰۶)

— جس شخص کے لئے دو چیزوں میں سے ایک ثابت ہو تو اگر وہ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کرلے تو دوسری ساقط ہو جائے گی اور اگر ایک کو ساقط کردے تو دوسری باقی رہے گی اور اگر دونوں سے رک جائے۔ (قاعدہ ۱۱۲)

غیر ثابت شدہ چیز کو روک دینا ثابت شدہ چیز کو ختم کرنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔

(ھ) سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "الأشباہ والنظائر" کی دوسری فصل میں ان قواعد کلیہ کو ذکر کیا ہے جن سے بے شمار جزئی مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے قواعد کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے۔

۱۔ سیوطیؒ نے ان قواعد کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ وہ سب کے سب متفقہ قواعد ہوں، کیونکہ مختلف فیہ قواعد کے لئے اس کے بعد ہی خاص طور پر تیسری فصل قائم کی ہے۔

Marfat.com

۲ ۔ ان کے ذکر کردہ قواعد کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

— رعایا پر امام کے تصرفات مصلحت سے جوڑ دئیے گئے ہیں (قاعدہ ۵)

— ولایت خاصہ ولایت عامہ سے قوی ہوتی ہے (قاعدہ ۳۲)

— الخراج بالضمان، نفع ذمہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے (قاعدہ ۱۱)

— ایسا ظن جس کی غلطی بالکل واضح ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا (قاعدہ ۳۳)

— جس چیز کا اثر متعدی ہو وہ اس چیز سے بہتر ہے جس کا اثر متعدی نہ ہو (قاعدہ ۲)

— وسائل اور ذرائع میں وہ چیزیں معاف کر دی جاتی ہیں جو مقاصد میں معاف نہیں کی جاتیں (قاعدہ ۳۷)

— نیکی اور قربت کے کاموں میں ایثار اور دوسروں کو ترجیح دینا مکروہ ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں ایثار پسندیدہ و محبوب ہے (قاعدہ ۳)

— تابع تابع ہی رہتا ہے (اصل نہیں ہوجاتا) (قاعدہ ۴)

— خاموش رہنے والے کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی جائے گی (قاعدہ ۱۸)

— جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے حاصل کرنے کی جلدی مچائے تو سزاً اس کو اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ (قاعدہ ۳۰)

سیوطیؒ کبھی کبھی قاعدہ کی دلیل بھی ذکر کرتے ہیں پھر فقہی فروع میں اس قاعدہ کا تتبع کرتے ہیں، پھر اس قاعدہ سے متفرع ہونے والے قواعد نیز اس کے مستثنیات ذکر کرتے ہیں، قاعدہ پر دلیل پیش کرنے کی چند مثالیں درج ذیل ہیں، فرماتے ہیں: ایک قاعدہ ہے "ما کان اکثر فعلا کان اکثر فضلا" (کام کی مقدار جتنی زیادہ ہو گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر ہو گی) اس کی دلیل حضرت عائشہ سے منقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "أجرك على قدر نصبك" (تمہارا اجر تمہاری تھکن کے بقدر

ہے) یہ روایت مسلم شریف کی ہے، اسی طرح درج ذیل قاعدہ "الایثار فی القرب مکروہ وفی غیرھا محبوب" (نیک اور قرب کے کاموں میں ایثار ناپسندیدہ ہے اور ان کے علاوہ میں پسندیدہ) اس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے
ویؤثرون علی أنفسهم ولو کان بهم خصاصة:

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں: "جو امور قربات کے ہیں ان میں ایثار درست نہیں ہوتا، لہذا طہارت کا پانی، ستر عورت، اور نماز میں صف اوّل وغیرہ میں ایثار نامناسب ہے۔ اس لئے کہ عبادات کا مقصود خدا کی تعظیم و بڑائی ہے اگر کوئی عبادات کے باب میں اپنی ذات پر کسی دوسرے کو مقدم کرتا ہے تو گویا وہ خدا کی تعظیم و بڑائی کو ترک کر رہا ہے" امام فرماتے ہیں: "اگر نماز کا وقت آجائے اور اس کے پاس وضو کے لئے پانی ہو لیکن وہ اس پانی کو دوسرے کو وضو کے لئے ہبہ کر دے تو یہ جائز نہ ہوگا اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ ایثار ان امور میں پسندیدہ ہے جو اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ قربات اور عبادات کے باب میں ایثار جائز نہیں، قواعد عام سے متفرع ہونے والے قواعد کی مثال درج ذیل ہے۔

عام قاعدہ: "التابع تابع" (تابع کی حیثیت تابع ہی کی ہوا کرتی ہے) ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اس قاعدہ کے تحت درج ذیل قواعد آتے ہیں:

۱۔ کسی چیز کو تابع قرار دیے جانے کے بعد اس پر مستقل حکم نہیں لگایا جا سکتا۔
۲۔ تابع متبوع کے سقوط سے ساقط ہو جاتا ہے۔
۳۔ تابع متبوع پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔
۴۔ تابع میں وہ چیزیں انگیز کر لی جاتی ہیں جو ان کے علاوہ میں نہیں

Marfat.com

کی باتیں۔

اسی طرح ہر قاعدہ کے ساتھ اس کے فروعی قواعد ذکر کرتے چلے گئے ہیں۔

۴۔ اگرچہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب کے پانچویں حصہ کو ان قواعد کے لئے خاص رکھا تھا جو ایک باب سے متعلق ہوں لیکن اس کے باوجود دوسرے حصہ میں بھی بعض اس طرح کے ایسے قواعد آگئے ہیں جو ایک باب کے ساتھ خاص ہیں مثلاً: الحدود تسقط بالشبہات" (حدود (سزائیں) شبہات کی بنیاد پر ساقط ہوجاتی ہیں) (قاعدہ ۶) اگرچہ سیوطی نے اس قاعدہ کی تطبیقات باب حدود کے باہر سے بلکہ باب تعزیر کے باہر سے بھی ذکر کی ہیں مثلاً بیان کیا" الشبہۃ تسقط الکفارۃ" (شبہات کفارہ کو ساقط کردیتے ہیں) مناسب تو یہ تھا کہ قاعدہ کی عبارت کو عام رکھتے، حدود کے ساتھ خاص نہ کرتے مثلاً یوں فرماتے "الجزاء (او العقاب) یسقط بالشبہۃ" (سزا شبہ سے ساقط ہوجاتی ہے)

(و) سب سے اخیر میں ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے اپنی کتاب" الأشباہ والنظائر" میں فن اول کے قواعد کی دوسری قسم کو ان کلی قواعد کے لئے خاص کیا ہے جن سے بے شمار جزئی مسائل متفرع ہوتے ہیں، انھوں نے اس طرح کے انیس قواعد ذکر کئے ہیں، ان قواعد کے استخراج میں اپنے طریقۂ کار کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان میں سے اکثر فروعات مجھے نایاب کتابوں میں اور ایسی جگہوں پر ملے ہیں جہاں ملنے کا گمان نہ تھا، ہاں میں اللہ کی توفیق سے مسلک حنفی کے صرف انہیں مسائل کو بیان کروں گا جو صحیح اور معتمد ہیں خواہ وہ کسی ضعیف قول یا کسی ضعیف روایت پر متفرع ہوں، البتہ میں نے ایسی جگہوں پر عموماً تنبیہ کردی ہے"۔

۱۔ ابن نجیم نے اس قسم میں جو قواعد ذکر کئے ہیں وہ وہی ہیں جنھیں سیوطی اور ابن السبکی نے بیان کیا ہے، شافعی اور حنفی مذہب کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے صرف فروعات میں فرق ہے، مثلاً الاستشار

فی القرب" والے قاعدے کو ابن نجیم نے سوال کے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے "ھل یکرہ الایثار بالقرب؟ (کیا نیکیوں میں کا ایثار مکروہ ہے؟) اور انھوں نے اس سوال کے جواب میں اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ اب تک مجھے اپنے فقہاء کے یہاں اس موضوع پر کوئی چیز نہیں ملی، اللہ تعالیٰ کے کرم سے امیدوار ہوں کہ یہ مسئلے یا اس کے کچھ مسائل مجھ پر کھول دے، پھر انھوں نے سیوطی کی ذکر کردہ بحث اس موقع پر نقل کی ہے۔

بعض ایسے قواعد جو اس نوع کے تحت آنے چاہئیں ابن نجیم نے انہیں فن اول کے علاوہ میں ذکر کیا ہے اگرچہ ان میں وہ اطراد اور عمومیت نہیں ہے جو سابقہ قواعد میں ہے۔ مثلاً

الحقوق المجردۃ لایجوز الاعتیاض عنہا (حقوق مجردہ کا عوض لینا درست نہیں ہے)

اسے فن ثانی میں ضوابط کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

المبنی علی الفاسد فاسد: (جو چیز فاسد پر مبنی ہو وہ خود بھی فاسد ہوگی)

اسے فن ثالث کے اخیر میں بیان کیا ہے۔

اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد لاحتیاجہ علی حق اللہ تعالیٰ لغناہ: (اگر حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہو جائیں تو حق العبد کو حق اللہ پر اس کی احتیاج کے باعث مقدم کیا جائے گا کیونکہ بندہ محتاج ہے اور اللہ غنی و بے نیاز ہے)

اس قاعدہ کو فن ثالث کے اخیر میں بیان کیا ہے۔

۳- ایک قسم کے مختلف ابواب فقہیہ کے درمیان مشترک قواعد

قواعد کی کتابوں میں ایسی کوئی فصل قائم نہیں کی گئی جو ایک ہی قسم کے ابواب کی فروع کے درمیان مشترک قواعد پر مشتمل ہو، مثلاً عبادات، یا مالی معاملات، یا جنایات، یا پرسنل لا، لیکن جو قواعد مشترک ان کتابوں میں بیان ہوئے ہیں ان کا بغور مطالعہ

Marfat.com

کرنے کے بعد ہم آسانی کے ساتھ اس نوع کے قواعد کو نکال کر فقہی اقسام کے اعتبار سے ان میں ترتیب دے سکتے ہیں، تمام اقسامِ فقہ کے لئے عام فقہی نظریئے کی تشکیل میں اس عمل کا فائدہ بالکل ظاہر ہے۔

اس نوع کے قواعد کی کچھ مثالیں بعض اقسام فقہ سے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ساتھ ساتھ ان قواعد کے مصادر کی طرف اشارہ بھی کریں گے۔

(الف) قسم عبادات کی مثالیں!

۱ - جو چیزیں محض عبادت ہوتی ہیں ان میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (قرافی)

۲ - اسلام ماقبل کے کاموں کو ختم کر دیتا ہے۔ (زرکشی)

۳ - وہ فضیلت جو نفس عبادت سے متعلق ہو اس فضیلت سے بہتر ہے جو مکانِ عبادت سے متعلق ہو (زرکشی)

۴ - تمام عبادات خواہ وہ بدنی ہوں یا مالی ہوں یا بدنی ومالی دونوں ہوں انکو اُن کے سبب وجوب پر متقدم کرنا جائز نہیں ہے سبب وجوب پائے جانے کے بعد اسے وجوب سے پہلے کرنا یا شرائط وجوب سے پہلے کرنا جائز ہے۔ (ابن رجب قاعدہ ۵)

۵ - کسی شخص نے ایک عبادت اس کے وجوب کے وقت میں یہ سمجھتے ہوئے کی کہ مجھ پر یہی عبادت واجب ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ مجھ پر دوسری عبادت واجب تھی تو اس وقت ادا کی ہوئی عبادت واجب عبادت کی طرف سے کافی ہو جائے گی (ابن رجب قاعدہ ۶)

۶ - اگر ایک ہی جنس کی دو عبادتیں ایک ہی وقت میں جمع ہو جائیں اور ان دونوں میں کوئی نہ بطور قضاء ہو اور نہ وقت میں کسی دوسری عبادت کی تبعیت میں ہو تو ان دونوں عبادتوں کے افعال متداخل ہو جائیں گے اور ایک ہی فعل دونوں کے لئے کافی رہے گا۔ (ابن رجب قاعدہ ۱۸)

۷ - اگر کسی شخص نے ایسی عبادت شروع کی جو شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے پھر وہ فاسد ہو گئی تو اس پر اس عبادت کی قضا اسی طرح لازم ہو گی جس طرح

اس نے فاسد کیا ہے خواہ وہ عبادت ذمہ میں اسی طرح واجب ہو یا اس سے کم درجہ میں واجب ہو (ابن رجب قاعدہ ۲۱)

۸- علی الاطلاق تمام عبادات قضاء قاضی کا محل نہیں ہیں بلکہ عبادات صرف فتویٰ کا محل ہیں، عبادات کے بارے میں جو کچھ آثار و روایات ہیں ان سب کو محض فتویٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ (الفروق للقرافی ۲۲۳)

۹- جو چیزیں عادات میں ناپسند ہوتی ہیں وہ عبادات کے اندر مکروہ ہوتی ہیں، مثلاً وہ برتن جو گندگیوں کے لئے تیار کئے گئے ہوں، یا مام احیض میں نماز پڑھنا، یا استعمال شدہ پانی سے وضو کرنا اس لئے کہ وہ پانی دھوون کی طرح ہے (مقری ...)

۱۰- جب وسیلہ کا مقصود تک نہ پہنچانا ظاہر ہو جائے جیسے کہ مشکوک پانی جسے بالآخر ناپاک پایا جائے تو پھر اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اعادہ واجب ہوگا اگرچہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر قبلہ کی تعیین میں خطا ہو جائے تو نماز کا اعادہ لازم ہو۔ (مقری ...)

۱۱- جو چیز خالص عبادت ہو یا عبادت کا پہلو غالب ہو تو اس میں نیت ضروری ہوگی مثلاً نماز اور تیمم، اور جن میں خالص معقولیت ہو یا اس کا پہلو غالب ہو تو ان میں نیت لازم نہ ہوگی جیسے قرض کی ادائیگی اور جمہور کے نزدیک نجاست کا دھونا، اگر دونوں پہلو برابر ہوں تو بقول ابن [illegible] عبادت کی رعایت کرتے ہوئے نیت کا لزوم ہوگا بلکہ دوسرے حضرات کے نزدیک اصل کی رعایت میں نیت کا لزوم نہیں ہوگا اس قسم میں کفارہ، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ آتی ہیں۔

۱۲- شریعت میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو فرض کا قائم مقام ہو سکے سوائے اس وضو کے جو نماز کا وقت آنے سے پہلے کیا گیا ہو۔

۱۳- احکام میں اصل معقول المعنی ہونا ہے نہ کہ تعبدی ہونا کیونکہ یہی زیادہ قابل قبول

Marfat.com

اور ضیق وحرج سے دور ہے۔ (مقری ۷۳)

۱۴- ہر وہ چیز جو بطور عبادت مشروع ہوئی ہے اسے عادت کے طور پر انجام دینا جائز نہیں لہذا جو امور تقرب الی اللہ کے لئے وضع کئے گئے ہیں انھیں تعظیم وا جلال کے طریقہ پر ہی کیا جائے گا، بے پرواہی کے ساتھ کھلواڑ بنا کر نہیں، لہذا تفریح، آرام اور فال کے طور پر دعا مانگنا ممنوع ہے۔ (مقری ۹۹)

۱۵- جو شخص بغیر کسی شدید مشقت کے یقین حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لئے اجتہاد ممنوع ہے اور جو اجتہاد پر قادر ہو اس کے لئے تقلید درست نہیں، غیر معمولی مشقت کے بغیر یقین پر قادر ہونا اجتہاد سے مانع ہوتا ہے اور اجتہاد پر قادر ہونا تقلید سے یعنی بغیر دلیل کے کسی کی پیروی کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ جیسا کہ قدیم محرابوں کا مسئلہ ہے اور بغیر دلیل کے فتویٰ دینا مطلقاً حرام ہے۔ (مقری ۱۲۴)

۱۶- ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہے، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ عمل کرنے والے کی حالت اس عمل کے مقصود کے موافق ہو یا کم از کم اس کے مخالف نہ ہو مثلاً اذان میں کھڑا ہونا، امام مالک کے نزدیک قبلہ کی جانب نگاہ رکھنا، یا امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنا، نماز میں سکون واطمینان، ظاہری ہیئت کی درستگی (مقری ۱۷۰)

۱۷- ہر مقام کے مناسب بات ہوتی ہے، اسی لئے رکوع کا ذکر "سبحان ربی العظیم" ہے اور سجدہ کا ذکر دعا ہے، عیدین کا ذکر تکبیر اور استسقاء کا ذکر استغفار ہے۔ (مقری ۱۷۸)

۱۸- ہر وقت کے لحاظ سے لباس ہوتا ہے، جمعہ اور عیدین کی نماز میں زینت اور زیبائش مستحب ہے استسقاء میں سادہ اور معمولی لباس پسندیدہ ہے۔ نماز کے اندر زینت پسندیدہ ہے حتی کہ عمامہ باندھنا چادر اوڑھنا اور جوتا پہننا بھی درست ہے۔ (مقری ۱۸۱)

Marfat.com

۱۹ - عبادات کی تین قسمیں ہیں (۱) بدنی عبادات، ان میں نیابت درست نہیں ہے
(۲) مالی عبادات جیسے زکوٰۃ، ان میں نیابت درست ہے (۳) وہ عبادات جو
بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہیں جیسے حج، ان میں نیابت کا دخل ہونا
چاہیئے، اس لئے کہ ان میں مالی ہونے کا بھی پہلو ہے۔ (مقری ۲۶۴)

۲۰ - شریعت کی دی ہوئی سہولت معاصی کے ساتھ مربوط نہیں ہو سکتی (ابن
السبکی، سیوطی ۱۴)

۲۱ - شک کے ساتھ شرعی سہولت نہیں حاصل ہوتی۔ (ابن السبکی، سیوطی ۱۵)

۲۲ - جس میں کام زیادہ ہوگا اس کا اجر بھی زیادہ ہوگا۔ (سیوطی ۱۹)

۲۳ - نفل فرض سے زیادہ وسیع ہے۔ (سیوطی ۳۱)

(ب) مالی معاملات کی قسم:

۱ - ہر عقد فاسد جس میں اجرت طے ہوئی ہو اس کے اندر اجرت مثل کی طرف لوٹا
جائے گا۔ (زرکشی)

۲ - جو حق کسی متعین چیز سے متعلق ہو وہ ذمہ سے متعلق ہونے والے حق پر مقدم
ہے۔ (زرکشی)

۳ - معاملات کو فسخ کرنے میں بعض وہ چیزیں معاف ہوتی ہیں جو معاملات کرنے
میں معاف نہیں ہوتیں۔ (زرکشی)

۴ - عقود کی صحت کی بنیاد فائدہ پر ہے جس عقد میں فائدہ نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔
(ابن نجیم، ضوابط)

۵ - ہر وہ عقد جسے دوبارہ کیا گیا ہے اور اس کی تجدید کی گئی اس میں دوسرا باطل
ہوتا ہے۔ ([illegible])

۶ - خالص امانت کے معاملات تعدی سے باطل ہو جاتے ہیں اور وہ امانت
جو کسی اور چیز کو بھی متضمن ہو وہ صحیح قول کے اعتبار سے باطل نہیں ہوتی ([illegible])

Marfat.com

۷ ــــــــــــ جو شخص دوسرے کے مال پر جائز طریقہ سے قابض ہو اس کے مقبوضہ مال پر اصل مالک کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا اگر اس کے لئے اس شخص کو قبضہ دلانا جائز ہو تو دوسرے قابض کے پاس یہ مال امانت ہو گا بشرطیکہ پہلے قابض کی حیثیت امین کی ہو ورنہ تو نہیں، اور اگر اسے قبضہ دینا جائز نہ ہو تو قابض اول اور قابض ثانی دونوں ضامن ہوں گے۔ (ابن رجب قاعدہ ۹۴)

۸ ۔ اصل یہ ہے کہ دونوں عقد کرنے والوں نے اگر صحت عقد کے پہلوؤں کی صراحت کر دی ہو تو عقد صحیح ہو گا اور اگر دونوں نے فساد عقد کے پہلوؤں کی صراحت کر دی ہو تو عقد فاسد ہو گا اور اگر دونوں نے ابہام رکھا ہو تو اس عقد کو صحت کی طرف پھیرا جائے گا (کرخی)

۹ ۔ اصل یہ ہے کہ جو فساد اصل عقد میں داخل ہو اس میں اور اس فساد میں جو اصل عقد میں نہ ہو بلکہ اس سے متعلق کسی چیز میں ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا (کرخی)

۱۰ ۔ اصل یہ ہے کہ ضمان کسی کے ذمہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ واجب ہوتا ہے، یا تو ذمہ داری لینے سے یا شرط لگانے سے، اگر یہ دونوں باتیں معدوم ہوں تو ضمان ذمہ میں واجب نہیں ہوتا (کرخی)

۱۱ ۔ اصل یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کے وجوب میں آنے کے وقت کوئی اجازت دینے والا ہے وہ عقد اجازت پر موقوف ہو گا، ورنہ تو موقوف نہیں ہو گا (کرخی)

۱۲ ۔ اصل یہ ہے کہ عقد کے بعد لاحق ہونے والی اجازت عقد سے پہلے دی گئی وکالت کے درجہ میں ہے (کرخی)

۱۳ ۔ ہر وہ شخص جس کی اجازت پر کسی چیز کی درستگی موقوف نہیں ہے اس شخص کا اس چیز سے روکنا مؤثر نہیں ہے۔ (ابن السبکی)

۱۴ ۔ تبرع قبضہ ہی سے مکمل ہوتا ہے (المجلہ ۵۷)

۱۵ - حتی الامکان طے شدہ شرط کی رعایت ضروری ہے (المجلہ ۸۳)

۱۶ - جو چیز کسی شرط پر معلق ہو شرط ثابت ہونے پر اس کا ثبوت واجب ہوتا ہے (المجلہ ۸۲)

۱۷ - تعلیق کی شکل میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ لازم ہوتے ہیں (المجلہ ۸۴، یہ قاعدہ گذشتہ قاعدہ سے متفرع ہے)

۱۸ - نفع ذمہ داری کے حساب سے ہوتا ہے (سیوطی ۲، ۱۱۰، المجلہ ۸۵)

۱۹ - تاوان نفع کے حساب سے ہوتا ہے (المجلہ ۸۷)

۲۰ - نعمت سزا کے بقدر ہے اور سزا نعمت کے بقدر (المجلہ ۸۸)

۲۱ - اجر اور ضمان اکٹھا نہیں ہو سکتے (المجلہ ۸۲)

۲۲ - ملکیت کے سبب کا بدلنا ذات بدلنے کے حکم میں ہے (المجلہ ۹۸)

۲۲ - عقد میں اصل دونوں عقد کرنے والوں کی رضامندی ہے اور عقد کا نتیجہ وہ چیز ہے جس کا دونوں نے عقد کے ذریعہ التزام کیا (ابن تیمیہ، زرقا ۶۹۰)

۲۴ - قاضی کے حکم سے خرچ کرنا مالک کے حکم سے خرچ کرنے کی طرح ہے (حمزاوی، زرقا ۶۹۲)

۲۵ - باطل اجازت کو قبول نہیں کرتا (زرقا ۶۹۴)

۲۶ - کسی چیز کو موجود چیز پر معلق کرنا فوری طور پر کرنے کے حکم میں ہے (المجلہ، زرقا ۶۹۵)

۲۷ - کسی شخص کو دوسرے شخص کی رضامندی کے بغیر اسے مالک بنانا درست نہیں (زرقا ۱۲۰۷)

۲۸ - ظالم کا کوئی حق نہیں ہے، یہ حدیث نبوی کا ٹکڑا ہے (ابن سلام، زرقا ۱۲)

۲۹ - جس چیز میں چند شرطیں لازمی ہوں وہ چیز ان میں سے کسی ایک شرط کے منتفی ہونے سے منتفی ہو جاتی ہے (زرقا ۱۲)

۳۰ - حقوق کی زیادہ شرطوں پر ہے (احمد بن حنبل، زرقا ۱)

۳۱ - عقد کو فسخ کرنے یا ختم کرنے کے لئے اس شخص کی رضامندی ضروری نہیں ہے

Marfat.com

اس شخص کا اس سے باخبر ہونا بھی معتبر نہیں ہے (ابن رجب ۲-)

۳۲ - جن چیزوں سے نفع اٹھانے کی ضرورت عموماً پڑا کرتی ہے اور اس چیز کے سہل نیز کثیر مقدار میں موجود ہونے کی وجہ سے اس کے خرچ میں بھی ضرر نہیں اسے عوض لئے بغیر مفت خرچ کر دینا واجب ہوتا ہے (ابن رجب ۹۹)

۳۳ - جو شخص فوری طور پر کوئی معاملہ کر سکتا ہے وہ تعلق کے ساتھ بھی اس چیز کو کر سکتا ہے۔ (زرکشی)

۴ - کسی ایک فقہی باب سے تعلق رکھنے والے قواعدُ

ابواب فقہیہ میں سے کسی ایک باب سے تعلق رکھنے والے قواعد کا استخراج ان قواعد کے استخراج سے زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے جو مختلف ابواب سے متعلق ہوں، اور جن کے استخراج کے لئے پورے فقہی ذخیرہ کا تتبع ضروری ہوتا ہے اس کے باوجود استخراج قواعد اور فروعات کو اصولوں کی جانب پھیرنے کا کام اس طرح شروع ہوا کہ قواعد ابواب کے ساتھ خاص نہیں تھے، جیسا کہ ہم علم اختلاف الفقہاء کے موضوع پر بحث کے وقت لکھیں گے دبوسی جو اس علم کے ایک اہم ستون ہیں وہ ایک اصول ذکر کرتے ہیں جس پر اختلاف کی بنیاد ہوتی ہے، پھر اس پر متفرع ہونے والے مسائل کی مثالیں ذکر کرتے ہیں، اس میں یہ رعایت نہیں کرتے کہ یہ مثالیں کسی متعین فقہی باب سے متعلق ہوں بلکہ کبھی تو ایک ہی باب کی مثالیں ہوتی ہیں اور کبھی مختلف ابواب کی۔

لیکن بعد کے زمانہ میں فقہاء نے اس بات کا اہتمام کیا کہ ہر ہر باب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر باب کے وہ اصول دریافت کریں جن سے اس باب کے فروعات متفرع ہیں تاکہ ابواب فقہیہ کے فرعی مسائل کو منضبط کیا جا سکے۔

ابن السبکیؒ، ابن نجیمؒ اور سیوطیؒ میں سے ہر ایک نے اپنی کتابوں میں اس نوع کے قواعد کے لئے مکمل ابواب خاص کئے ہیں، ان کے علاوہ قرافی، زرکشی اور

ابن رجب وغیرہ کی کتابوں میں اس نوع کے قواعد دوسرے قواعد سے مل کر منتشر طریقے پر آئے ہیں۔

ان کی ذکرکردہ اس نوع کی مثالوں کا ہم ذیل میں جائزہ لیں گے۔

(الف) اس نوع کے تحت بہت سے وہ قواعد آتے ہیں جنھیں قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے اپنی کتاب "الفروق" میں ذکر کیا ہے مثلاً ضمان کے باب میں:

جن چیزوں کو اللہ نے بندوں کا حق قرار دے کر بندوں کے لئے انھیں جائز قرار دیا ہے انھیں مالک بنایا ہے اور بندوں پر نوازش کی ہے، ایسی چیزوں میں نقل ملکیت بندوں کی رضا کے بغیر درست نہیں، اسی طرح ان سے ابراء (بری کردینا) اسی وقت درست ہوگا جب وہ ساقط کردیں یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں کو تلف کردینے میں لازم ہونے والا ضمان ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ مالکوں نے اس کو تلف کرنے کی اجازت دی ہو، یا بطور امانت ہونے کی صورت میں مالک نے اسے استعمال کی اجازت دے رکھی ہو، اور جو چیزیں خالص حق اللہ کے دائرے میں ہیں، بندے ان کو ساقط کرنے یا ان سے بری قرار دینے پر قادر نہیں ہوں گے، بلکہ اس کا حق صرف شارع کو ہوگا۔ (فائدہ ۲۲)

بیع کے باب میں:

مندرجہ ذیل پانچ شرطیں جن کے اندر پائی جا رہی ہوں گی ان کی بیع تو درست ہے لیکن ان میں سے ایک بھی شرط جن میں مفقود ہو ان کی بیع درست نہیں (۱) اس چیز کا پاک ہونا (۲) اس کا نافع ہونا (۳) اس کی حوالگی پر قادر ہونا (۴) عاقدین کے لئے اس کا معلوم ہونا (۵) عاقد (عقد کرنے والے اور معقود لہ (جس کے ساتھ عقد کیا جا رہا ہے) یا ان دونوں کے نائب کی ملکیت میں ثمن اور مبیع ہو (فائدہ ۱۸۵)

(ب) ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اس نوع کے قواعد کے لئے اپنی کتاب "القواعد والأشباہ والنظائر" کی تیسری قسم کو خاص کیا ہے اور اس کا عنوان قائم کیا ہے "قواعد خاصہ کی بحث"۔ قاری کی سہولت کے لئے فقہ کی رباعی تقسیم، عبادات، خرید و فروخت کے مسائل، نکاح کے مسائل، اور عقوبات کے ضمن میں ان قواعد کو ابواب پر مرتب کیا ہے، اس رباعی تقسیم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھوں نے ان چاروں اقسام میں سے ہر قسم کے مخصوص قواعد کا استخراج اس طریقہ پر کیا ہے جسے ہم نے گذشتہ قسم میں بیان کیا ہے ایسا بہت شاذ و نادر ہوا ہے مثلاً یہ قاعدہ کہ اس فضیلت کی پابندی و نگہداشت جو اصل عبادت سے متعلق ہے اس فضیلت کی نگہداشت سے بہتر ہے جس کا تعلق مکانِ عبادت سے ہے، لیکن ایسے قواعد بہت نادر ہیں اس قسم میں ذکر کردہ قواعد کی اکثریت فقہ کے ابواب طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ سے متعلق ہیں۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو اس میں بہت سے ایسے جزئی مسائل بھی ملتے ہیں جنہیں انھوں نے قواعد کی حیثیت سے پیش کیا ہے حالانکہ وہ کسی ایک جزئیہ کے ساتھ خاص رہنے والا محض فرعی حکم ہے، مثلاً درج ذیل قواعد:

(۱) تکرہ الصلاۃ فی قارعۃ الطریق إلا فی البراری : بیچ راستہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اس حکم میں صحرا مستثنیٰ ہیں۔

(۲) صلاۃ الرجل فی ثوب الحریر محرمۃ : ریشمی کپڑے میں مرد کا نماز پڑھنا حرام ہے۔

(۳) إذا سہا الإمام فی صلاتہ لحق سہوہ المأموم : جب امام کو نماز میں سہو ہو جائے تو اس سہو کے حکم میں مقتدی بھی آجائیں گے۔

ذیل میں ابن السبکی کے ذکر کردہ قواعد بیان کئے جاتے ہیں، البتہ اختلافات، استدلال، استثناءات اور تفریعات وغیرہ سے گریز کیا جائے گا:

۱- ہر وہ مالی حق جو اس کے ساتھ مخصوص دو اسباب کی بناپر واجب ہوا ہو، کسی ایک سبب کے وجود کے بعد اس مالی حق کی ادائیگی درست ہے۔

۲ - مال کے تبادلے سے زکوٰۃ کا سال از سر نو شمار کیا جائے گا، چار امور اس سے مستثنیٰ ہیں

۳ - کسی ایک ہی چیز میں دو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی سوائے تین مسائل کے۔۔۔

۴ - زکوٰۃ کے اندر حول (سال کی مدت) کا اعتبار ہو گا چند مسائل اس سے خارج ہیں۔

۵ - ہر وہ شخص جس پر صدقہ فطر واجب ہوگا اس پر ان افراد کا بھی صدقہ فطر واجب ہوگا جن کا نفقہ ان کے ذمہ لازم ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ افراد مسلمان ہوں اور وہ شخص ان کی طرف سے ادا کر سکتا ہو، سوائے چند مسائل کے۔۔۔

۶ - جس شخص کا نفقہ کسی دوسرے پر لازم ہو تو اسی دوسرے پر اس کا صدقہ فطر بھی لازم ہوگا اور جس کے ذمہ دوسرے کا نفقہ نہیں اس کے ذمہ اس کا صدقہ فطر بھی واجب نہیں۔

۷ - صرف چار مسائل میں زکوٰۃ کے اندر قیمت وصول کی جا سکتی ہے۔۔۔

(ج) اسی طرح ابن رجب (متوفی ۷۹۵ھ) نے اپنی کتاب "القواعد" میں باب ضمان سے متعلق جو قواعد ذکر کئے ہیں ان کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱ - جس شخص نے کوئی چیز اپنے کو اذیت سے بچانے کے لئے تلف کر دی وہ شخص اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس کے ذریعہ اذیت دفع کرنے کے لئے اسے تلف کر دیا تو ضامن ہوگا۔ (قاعدہ ۲۶)

۲ - کسی شخص نے کوئی جان ہلاک کر دی یا کسی عبادت کو فاسد کر دیا کسی ایسے نفع کی وجہ سے جو اس کی ذات کو پہونچتا ہو اس پر ضمان نہیں ہوگا لیکن اگر اس کا نفع کسی دوسرے کو پہونچتا ہو تو اس پر ضمان ہوگا (قاعدہ ۲۷)

۳ - اگر کسی کا ہلاک ہو جانا دو ایسے فعلوں کے نتیجہ میں ہوا ہو کہ ان میں سے ایک کی اجازت رہی ہو لیکن دوسرے فعل کی اجازت نہ رہی ہو تو صحیح قول کے اعتبار سے ضمان واجب ہوگا، اگر ان دونوں فعلوں کی اجازت نہ رہی ہو تو ضمان ان دونوں پر نصف نصف ہوگا حتیٰ کہ اگر ان دونوں میں سے ایک فعل کا کرنے والا ایسا ہو کہ اس پر ضمان واجب ہی نہیں ہوتا تو بھی

Marfat.com

دوسرے پر نصف سے زیادہ ضمان واجب نہیں ہوگا۔ (قاعدہ ۲۸)

(۴) ہر ایسا عقد جو صحیح ہونے کی صورت میں قابل ضمان ہوتا ہو فاسد ہونے کی صورت بھی اس میں ضمان ہوگا، اس کے برعکس ہر وہ عقد جس کے صحیح ہونے میں ضمان میں واجب نہیں ہوتا اس کے فاسد ہونے میں بھی ضمان واجب نہیں ہوگا۔ (قاعدہ ۴۷)

(۵) خالص اموال منقولہ کا ضمان عقد اور قبضہ سے ثابت ہوتا ہے جہاں تک غیر منقول مال کا تعلق ہے اس کے بارے میں بھی ہمارے فقہاء کے یہاں یہی مشہور ہے کہ عقد اور قبضہ سے اس کا ضمان بھی ہوتا ہے جس طرح تملیکات کے عقود میں بالاتفاق ضمان ہوتا ہے۔ (قاعدہ ۹۱)

(۶) وہ چیز جس کے ساتھ اللہ کا حق یا کسی آدمی کا حق متعلق ہو وہ یا تو قابل ضمان ہوگی یا نہیں، اگر وہ قابل ضمان ہو تو اس کا ضمان بہرصورت واجب ہوگا خواہ وہ خود تلف ہوا ہو یا اسے کسی نے تلف کر دیا ہو لیکن اگر قابل ضمان نہ ہو تو خود ہلاک ہوجانے کی صورت میں اس کا ضمان واجب نہ ہوگا، لیکن ہلاک کرنے کی صورت میں ضمان واجب ہوگا بشرطیکہ اس پر کسی کا استحقاق ہو اور وہ موجود ہو ورنہ تو ضمان نہیں ہوگا۔ (قاعدہ ۱۳۸)

(۷) ایک ایسی چیز جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق متعلق ہو کسی ایسے شخص نے ہلاک کر دی جس پر اس کی حفاظت اور وصولیابی کی ذمہ داری ایک متعین وقت تک ہو تو صحیح قول کے اعتبار سے وہ شخص اس کی قیمت یا صفات میں اس کے مثل کا ضامن اسی متعین وقت کے اعتبار سے ہوگا، جس دن ہلاکت پائی گئی اس دن کے اعتبار سے نہیں۔ (قاعدہ ۱۴۱)

(د) سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس نوع کے قواعد جنہیں وہ کبھی کبھی "ضوابط" کا نام دیتے ہیں، اپنی تصنیف "الأشباہ والنظائر" کی پانچویں کتاب میں ذکر کئے ہیں اور اس کا عنوان "ابواب کے نظائر" قائم کیا ہے۔ پھر اسے فقہی ابواب میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ ہر باب کے تحت اس کی تقسیمات، فروعات اور

Marfat.com

قواعد وضوابط بیان کرتے ہیں۔

(۱) ضابطہ اور قاعدہ کے مابین فرق معلوم نہیں ہوتا، قواعد اور ضوابط دونوں کے تتبع سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ضوابط کے اندر بکھرے ہوئے فروعی مسائل کو ایسے قاعدے کے تحت جمع کر دیا جاتا ہے جو قاعدہ ان مسائل کے بیشتر حصہ کو شامل ہو اور اس کی استثنائی صورتوں کو بھی بیان کرے لیکن قواعد وضوابط کے فرق کا یہ معیار بھی ہمیں ہر جگہ برقرار نظر نہیں آتا، اس لئے کہ بعض ضوابط ایسے ہیں جن میں استثناءات نہیں ہیں، اسی طرح بعض قواعد کے اندر بھی استثناءات ذکر کئے گئے ہیں اور ان دونوں کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

(۲) سیوطیؒ نے اس کتاب میں جو تقسیمات اور انواع ذکر کئے ہیں وہ بہت زیادہ بھی ہیں اور بہت مفید بھی، اس باب کی تیسری فصل میں ان کا تحلیلی جائزہ لیا جائے گا، ان تقسیمات کا اعتبار قواعد کے باب میں نہیں کیا جاتا، ابن السبکی نے اپنی کتاب میں اسی جانب متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "بعض لوگ قواعد کے اندر ایسی تقسیمات داخل کر دیتے ہیں جو فروعات سے تعلق رکھتی ہیں، ہمارے علماء ان کو ذکر کرتے ہیں حالانکہ ان کا تعلق قواعد سے نہیں ہوتا"۔

(۳) سیوطی کی اس نوع کی مثال ضمان کے باب سے ہم ذکر کرتے ہیں۔

ضمان کا باب[1]

قاعدہ: جن چیزوں کے سلسلہ میں رہن رکھنا صحیح ہو ان کا ضمان ہونا بھی درست ہوتا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں رہن رکھنا صحیح نہ ہو ان کا ضمان ہونا بھی صحیح نہیں ہوتا۔

ضابطہ: کسی متعین چیز کے بارے میں کئے جانے والے عقد کے سلسلہ میں ہمارے نزدیک کسی ایسے دین کا ضمان نہیں ہے جو کسی اور جانب متعدی نہ ہوتا ہو سوائے

---

[1] الأشباہ والنظائر: سیوطی ص ۴۹۰

اس کے کہ کسی انسان نے دوسرے کو کوئی چیز بطور عاریت رہن رکھنے کیلئے دی ہو۔

قاعدہ: جو شخص مدیون کی اجازت سے ضامن بنا ہو وہ دَین ادا کرنے کی صورت میں مدیون سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اس نے دَین کی ادائے گی مدیون کی اجازت کے بغیر کی ہو اور جو شخص مدیون کی اجازت کے بغیر ضامن بنا ہو وہ مدیون سے دَین کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اگرچہ اس نے مدیون کی اجازت سے دَین کی ادائے گی کی ہو، اس قاعدہ کے پہلے جزو سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ضمان بالاذن بینہ سے ثابت ہوا ہو جبکہ وہ ضامن شخص ضمان سے انکار کر رہا تھا، ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے زید پر اور کسی غائب شخص پر ایک ہزار درہم کا دعویٰ کیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کا ضمان قبول کیا تھا، زید نے اس شخص کے دعویٰ سے انکار کیا تو مدعی نے اس بارہ میں بینہ پیش کرکے زید سے ایک ہزار وصول کرلیا، اس صورت میں زید اس غائب شخص سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ اپنے زعم کے اعتبار سے مظلوم ہے لہٰذا وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے علاوہ کسی اور سے مطالبہ کا حق دار نہیں۔

(۵) ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے اپنی کتاب "الأشباہ والنظائر" کے دوسرے فن کو ان قواعد کے لئے خاص کیا ہے انھیں قواعد کا نام دیا ہے اور ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ یہ ضوابط اس کے استثناءات اور اس کے متعلقات ہیں، یہ قسم درس و تدریس اور قضاء و افتاء کا کام کرنے والوں کے لئے سب سے مفید ہے، ابن نجیم نے اس قسم کے قواعد کو اعداد کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس طرح پانچ سو قواعد ہوگئے ہیں، انھیں ابواب پر مرتب نہیں کیا تھا پھر خیال ہوا کہ مشہور کتب فقہیہ کی طرح ابواب پر مرتب کردیا جائے تاکہ ان کی طرف مراجعت آسان ہو اس کے ساتھ انھوں نے مزید افادیت کے لئے بعض ضوابط کا اضافہ بھی کیا جو

Marfat.com

ابتدا میں نہیں تھے، درحقیقت یہ قواعد ضوابط اور مستثنیات ہیں۔

۱۔ ضابطہ اور قاعدہ کے فرق کو اس طرح بیان کیا ہے: قاعدہ مختلف ابواب کے فروعات کو جمع کرتا ہے اور ضابطہ ایک ہی باب کے فروعات کو جمع کرتا ہے یہی صحیح فرق ہے۔

۲: ابن نجیم نے جو ضوابط ذکر کئے ہیں ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر ضوابط محض فرعی جزئیات کے احکام ہیں اگرچہ انھیں قواعد کی شکل میں ڈھالا گیا ہے، بہت ہی کم اور نادر ایسے ہیں جو قاعدہ ہیں یا ایسا ضابطہ جو ایک ہی حکم کے متعدد فروعات کو جمع کرتا ہو۔

۳۔ ہم ابن نجیم کی کتاب سے اس نوع کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک مثال باب الشرکۃ کی ہے اور دوسری مثال باب المضاربۃ کی ہے:

شرکت۔

پیسوں کے ذریعہ شرکت کے جواز پر فتوی ہے

چاندی اسی جگہ درست ہوگی جہاں سکوں کی جگہ اسے استعمال کیا جاسکے، ایسے شخص کے ساتھ شرکت مفاوضہ کرنا جائز ہے جس کی شہادت پہلے والے شخص کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی قراء، واعظین دلالوں اور تعویذ گنڈہ کرنے والوں کا عقد شرکت کرنا جائز نہیں، اسی طرح عدالتوں میں گواہی دینے والوں کا شرکت کرنا درست نہیں۔

اگر دونوں شریکوں نے مال دکام کرنیوالا کے لئے اس کے سرمایہ سے زیادہ تناسب سے نفع کی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی، اور جس شریک نے اپنا مال دوسرے کے حوالہ کیا ہے اس کا مال دوسرے شریک کے پاس جو تجارت کرے گا بطور مضاربت ہوگا[۱] اور اگر اس شریک کے لئے جو تجارت نہیں کرے گا بلکہ دوسرے شریک کو مال حوالہ کردے گا اس کے سرمایہ سے زیادہ نفع کی شرط لگائی گئی تو یہ شرط صحیح نہیں ہوگی، اور دینے والے

[illegible]

کا مال عامل کے پاس بطور بضاعت کے ہوگا (سراجیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے) اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے محنت کی اور دوسرے شریک نے (عذر کی بنیاد پر یا بلا عذر کے) بالکل کام نہیں کیا تو بھی نفع دونوں کے درمیان طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر تین شخصوں نے عقدِ شرکت کئے بغیر کوئی کام لیا اور ان میں سے ایک ہی نے وہ کام کیا تو کام کرنے والے کو تہائی اجرت مل جائے گی باقی دو آدمیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

اگر دو شخصوں نے اس طرح عقد کیا کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج میں جو کچھ تجارتی مال خریدوں وہ ہمارے اور آپ کے درمیان مشترک ہو جائے دوسرے شخص نے اس سے اتفاق کیا تو یہ عقدِ شرکت جائز ہوگا۔ اور اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی دوسرے نے اس سے کہا کہ مجھے اس مال میں شریک کر لو خریدنے والے نے جواب میں کہا کہ میں نے آپ کو اس مال میں شریک کر لیا تو یہ شرکت بھی جائز ہے الا یہ کہ خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ معاملہ ہوا ہو۔

شریکین میں سے ایک نے اگر دوسرے شریک کو مال باہر لے جانے یا ادھار بیچنے سے روکا ہو تو یہ روکنا جائز ہے۔

شریکین میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کی اجازت کے بغیر شرکت کا مال لے کر سفر کرنا جائز نہیں، اگر ایک شریک نے سفر کیا اور مال ہلاک ہو گیا، تو اس مال کا ضامن نہیں ہوگا جس میں باربرداری کا خرچ نہیں پڑتا اور نفع ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

رب المال اور مضارب میں اس بات میں اختلاف ہوا کہ رب المال نے بلا کسی قید کے مضاربت کا معاملہ طے کیا تھا یا کچھ پابندیاں لگائی تھیں۔ تو مضارب کی بات کا اعتبار ہوگا اور وکالت میں موکل کی بات کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر غلام کے قرض خواہوں کے ساتھ مولیٰ کا اختلاف ہوا ہو تو قرض خواہوں کی بات

کا اعتبار ہوگا۔

مضاربت[1]

اگر مضاربت فاسد ہوجائے اور مضارب نے کام کیا ہو تو اسے اجرت تو نصف ملے گی لیکن وصی (یتیم کے مال کا نگراں) نے اگر یتیم کا مال فاسد مضاربت کے طریقہ پر لیا ہو اور کام کیا ہو تو اسے اجرت نہیں ملے گی۔ (احکام الصغار میں یہی مسئلہ لکھا ہوا ہے)

مضارب نے اگر مضاربت کے فاسد ہونے کا دعویٰ کیا تو رب المال کی بات مانی جائے گی اور اگر رب المال نے مضاربت فاسد ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو مضارب کی بات مانی جائے گی غرضیکہ جو فریق مضاربت کی صحت کا مدعی ہے اس کی بات معتبر ہو گی الا یہ کہ رب المال نے کہا ہو کہ میں نے تمہارے لئے تہائی نفع اور دس درہم زائد کی شرط لگائی تھی اور مضارب نے کہا کہ صرف تہائی نفع کی بات طے ہوئی تھی تو اس صورت میں مضارب کی بات کا اعتبار ہو گا (الذخیرہ کی کتاب البیوع میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے)۔

مضارب کو خریداری کا اختیار ہے لیکن شفعہ کے ذریعہ لینے کا اختیار نہیں ہے الا یہ کہ رب المال نے اس کی صراحت کردی ہو (فتاویٰ بزازیہ میں یہی لکھا ہوا ہے) مضارب کو ادھار بیع کا بھی اختیار ہے مگر اتنی لمبی مدت کے لئے ادھار بیچنا جائز نہیں جتنی مدت کے لئے عموماً تجارا ادھار نہیں بیچتے مضارب کو بیع فاسد کا اختیار ہے بیع باطل کا نہیں۔

رب المال نے مضارب کے لئے جو دائرہ متعین کیا تھا اس سے تجاوز کرنا مضارب کے لئے جائز نہیں لیکن اگر رب المال نے کسی خاص بازار میں خرید و فروخت کی شرط لگادی ہو، تو مضارب کے لئے اس کی پابندی لازم

---

[1] الاشباہ والنظائر: ابن نجیم ص ۲۶۲

نہیں۔ اگر یہ پابندی لگائی ہو کہ اس شہر میں تجارت کریں گے تو یہ پابندی درست ہے لیکن یہ پابندی درست نہیں کہ فلاں شہر والوں کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا۔ مثلاً اہل کوفہ کے ساتھ یا اہل بصرہ کے ساتھ، ہاں اگر کچھ متعین لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے رب المال نے روکا ہو تو اس کی پابندی مضارب کے لئے ضروری ہے۔

مضاربت کے لئے کوئی مدت معین کرنا درست ہے اور مدت طے ہونے کی صورت میں اس مدت کے پورا ہوتے ہی مضاربت باطل ہو جائے گی۔ خواہ مضارب نے کوئی تصرف کیا ہو یا نہ کیا ہو (ہدایہ میں یہی مسئلہ لکھا ہوا ہے)

رب المال کا مضاربت سے روکنا صحیح ہوگا لیکن اگر مضاربت کا مال سامانوں کی صورت میں ہے تو مضارب کو رب المال کے منع کرنے کے بعد بھی اسے فروخت کر کے نقدی کی شکل میں کر لینا جائز ہے۔

اگر مضارب نے رب المال کو مضاربت طے کرتے وقت تجارت کی پوری آزادی دی اس کے بعد کسی مرحلہ میں رب المال نے اسے یہ کہہ کر پابند کرنا چاہا کہ اپنی رائے پر عمل نہ کرو بلکہ میرے مشورہ سے کرو تو رب المال کی طرف سے ممانعت صحیح ہوگی لیکن مضارب کے عمل کرنے کے بعد اگر رب المال ممانعت کرتا ہے تو زمانہ ماضی میں کئے ہوئے مضارب کے تصرفات متاثر نہیں ہوں گے۔

رب المال نے پہلے مضارب کو آزادی دی تھی پھر اسے سفر سے منع کر دیا تو اس کی ممانعت معتبر ہوگی لیکن اگر مضارب خریداری کر چکا ہے تو رب المال کی اس ممانعت کا اثر زمانہ ماضی کے عقود و تصرفات پر نہیں پڑے گا۔

Marfat.com

۵ — اصولی قواعد

اگر قواعد کی اس دوسری تقسیم کی طرف منتقل ہوں جو اس کے موضوع کی نوعیت کے موافق ہے تو اصولی قواعد کا فقہی، کلامی اور لغوی قواعد سے فرق واضح ہو جائے گا۔

گفتگو کا آغاز اصولی قواعد سے کیا جاتا ہے۔

اصولی قواعد سے مقصود ایسے قواعد ہیں جو اصول فقہ کے مباحث پر مشتمل ہوتے ہیں ان پر حاکم ہوتے ہیں اور ان کو منضبط کرتے ہیں، ذیل میں اس طرح کے بعض وہ قواعد ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں کرخی، قرافی، ابن السبکی زرکشی، سیوطی اور ابن نجیم نے بیان کیا ہے۔

(الف) کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) نے جن انتالیس قواعد کو بیان کیا ہے ان میں درج ذیل سات قواعد اصولی قواعد کی فہرست میں آتے ہیں۔

۱) اصل یہ ہے کہ ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے مخالف معلوم ہو رہی ہو اس کو یا تو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر اور بہتر یہ ہے کہ ایسی تاویل پر محمول کیا جائے کہ دونوں میں تطبیق ہو جائے۔

۲) اصل یہ ہے کہ ہر ایسی حدیث جو ہمارے فقہاء کے قول کے معارض ہو اسے یا تو منسوخ ہونے پر محمول کیا جائے گا یا اس بات پر کہ وہ حدیث اس جیسی دوسری حدیث سے معارض تھی، اس لئے دوسری دلیل اختیار کی گئی، یا یہ کہا جائے گا کہ ہمارے فقہاء جن وجوہ ترجیح سے احتجاج کرتے ہیں ان میں سے کسی وجہ کے ذریعہ اس کی ترجیح قائم ہوئی یا پھر تطبیق دی جائے گی۔

مذکورہ ساری صورتیں حسب دلیل اپنائی جائیں گی۔ اگر نسخ کی دلالت پائی جا رہی ہو تو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اسی طرح جس صورت کی دلالت قائم ہو اسے اختیار کر لیا جائے گا۔

(۳) اصل یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی صحابی سے مروی ہو اور وہ ہمارے فقہاء کے قول کے مخالف ہو تو اولاً یہ دیکھا جائے گا کہ وہ صحت کے درجہ پر ہے یا نہیں، اگر اس کی صحت ثابت نہ ہو سکے تو بات واضح ہے کسی جواب کی ضرورت نہیں رہے گی، لیکن صحیح ہونے کی صورت میں جواب کے لئے اوپر مذکورہ صورتیں اختیار کی جائیں گی، لیکن سب سے زیادہ بہتر اور شبہ سے بالاتر صورت یہ ہے کہ اگر وہ حدیث صحابہ کے اجماع کی صورت میں نہ ہو تو اسے تاویل پر محمول کیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اس صحابی اور دوسرے صحابی کی حدیثوں میں معارضہ ہے۔

(۴) اصل یہ ہے کہ اگر اجتہاد سے کوئی حکم جاری ہو جائے تو اسی جیسے دوسرے اجتہاد سے وہ حکم فسخ نہیں ہوگا، ہاں نص کی بنیاد پر فسخ ہو جائے گا۔

(۵) اصل یہ ہے کہ نص میں تعلیل کی ضرورت اس نص کے حکم کے لئے نہیں ہوتی ہے بلکہ غیر منصوص کے حکم کے لئے ہوتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کسی بھی حکم کی علت اور اس کی حکمت میں فرق ہوتا ہے، علت تو موجب حکم ہوتی ہے لیکن حکمت موجب حکم نہیں۔

(۷) اصل یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ کسی آیت کا ابتدائی حصہ تو عام ہو اور آخری حصہ خاص۔[1]

بعض محققین نے کرخی کے مذکورہ ابتدائی تین اصولوں پر گرفت کی ہے

---

[1] رسالہ کرخی مع تأسیس النظر للدبوسی ص ۱۱۶، ۱۱۹۔

اور کہا ہے کہ ان کے یہ اصول حد درجہ مذہبی تعصب کے مظہر ہیں۔ احناف کا معاملہ یہاں تک پہونچ گیا ہے کہ اپنے ائمہ کے اقوال کو کتاب و سنت کے نصوص پر مقدم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالوہاب ابوسلیمان لکھتے ہیں[1]: احناف پر یہ الزام سراسر غلط ہے کتاب و سنت کے نصوص پر ائمہ کے اقوال کو مقدم کرنے کی جرأت تو ایک عام مسلمان بھی نہیں کرسکتا، فقیہ اور مجتہد کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کی جاسکتی ہے۔ اسی اصل کا خالص معروضی مطالعہ بڑی سادگی کے ساتھ یہ نتیجہ واضح کرتا ہے کہ فقہاء احناف دیگر دوسرے فقہاء کی طرح کتاب و سنت کے نصوص سے عدم تجاوز کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ اگر بظاہر کوئی چیز کسی نص کے خلاف نظر آتی ہے تو وہ اس وجہ سے کہ اس نص کے اندر نسخ یا تاویل یا ترجیح کی کوئی ایسی علت پائی جا رہی ہوتی ہے جو اس نص کو ترک کرنے کی متقاضی ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختلاف فقہاء کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی مذکورہ تشریح کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں: یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تمام ائمہ جنہیں امت کے اندر قبولیت عام حاصل ہے ان میں سے کوئی بھی دانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی چھوٹی بڑی حدیث کی مخالفت نہیں کرتا۔ وہ سب کے سب یقینی طور سے اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے اور ہر فرد بشر کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول واجب الاتباع ہے۔ اگر ان ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول ایسا ملتا ہے جو کسی صحیح حدیث کے معارض ہے تو یقینی بات ہے کہ انہیں اس حدیث کے ترک کرنے

---

[1] الفکر الاصولی: ۱۲۱-۱۲۳۔

Marfat.com

یں کوئی عذر ہوگا، اعذار تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) اس بات کا عدم اعتقاد کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی (۲) اس بات کا عدم اعتقاد کہ اس قول سے یہ مسئلہ مراد ہے،

(۳) اس بات کا اعتقاد کہ یہ حدیث منسوخ ہے[1]

(ب) امام قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے اپنی تصنیف "الفروق" میں قواعد کے درمیان فرقوں کو بیان کیا ہے جن کی تعداد مذکورہ تصنیف میں ۵۴۸ ہے، ہم چوتھی فصل (قواعد کے درمیان فرق) کے نمبر ۲ کے تحت اس تصنیف پر گفتگو کریں گے، سردست ان میں سے صرف بعض اصولی قواعد تفصیلی شرح سے گریز کرتے ہوئے ذکر کریں گے۔

(۱) فرض عین وہ ہے کہ جس کی تکرار سے اس کی مصلحت کی بھی تکرار ہوتی ہے اور فرض کفایہ وہ ہے جس کی تکرار سے اس کی مصلحت کی تکرار نہیں ہوتی ـــــ (ف ۱۳)

(۲) اللہ تعالیٰ کا حق اس کے اوامر و نواہی ہیں لیکن بندہ کا حق اس کے مصالح ہیں ـــــ (ف ۲۲)

(۳) جب بھی مقصد کا اعتبار ختم ہوگا تو وسیلہ کا بھی اعتبار ختم ہوجائے گا۔ ـــــ (ف ۵۸)

(۴) اجتہادی مسائل میں حاکم کا فیصلہ اختلاف کو ختم کردے گا۔ ـــــ (ف ۷۷)

(۵) جو شخص خلافت کا یا اس سے نیچے کسی بھی عہدہ حتیٰ کہ وصیت کا ذمہ دار بنایا جائے اس کے لئے کسی بھی تصرف کا جواز اسی صورت میں ہے کہ اس کے اندر جلب منفعت یا دفع مضرت ہو (ف ۲۲۳)

---

[1] رفع الملام عن الأئمة الاعلام، ملحق به الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف ج ۱۳ ص ۲۹۹-۳۰۰

Marfat.com

(ج) ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب "القواعد والأشباہ والنظائر" کی پانچویں قسم ان اصولی مسائل کے لئے مخصوص کی جن سے فقہی فروعات نکلتی ہیں، ان میں سے بعض قواعد درج ذیل ہیں۔

(۱) تکلیف (انسان کو کسی کام کا مکلف بنانا) کی غرض یہ ہے کہ ایسے کام کو لازم کیا جائے جس میں کلفت و مشقت ہو۔

(۲) کافر فروعات کا مکلف ہوتا ہے۔

(۳) "امر" اس بات کا مقتضی نہیں ہوتا کہ وہ کام فوراً انجام دیا جائے لیکن احناف کا اس سے اختلاف ہے۔

(۴) "امر" تکرار کا مقتضی نہیں ہوتا۔

(۵) کسی چیز کا حکم اس کی ضد سے ممانعت کے مترادف ہے۔

(۶) جس چیز میں دو متنافی چیزوں کی قید لگا دی گئی ہو وہ ان دونوں قیدوں سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور اس میں اطلاق پیدا ہو جاتا ہے۔

(۷) جب اصل کا حکم منسوخ ہو جائے تو فرع کا حکم بھی باقی نہیں رہتا۔

(۸) قول حکم پر زیادہ دلالت کرنے والا ہوتا ہے اور فعل صفت پر۔

(۹) کفارات کے اندر بھی قیاس جاری ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا اس سے اختلاف ہے۔

(۱۰) علت قاصرہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک معتبر اور درست ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے۔

ابن السبکی کی کتاب کی دوسری قسم جو عمومی قواعد کے ساتھ خاص تھی، اس میں بھی بعض اصولی قواعد آئے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں

(۱) دو امروں میں کا اعلیٰ خصوص کی بنا پر جو لازم کر دے ان کا ادنیٰ اپنے عموم سے ان کو لازم نہیں کرتا۔

(۲) خاص کے باطل ہونے کے باوجود عام باقی رہتا ہے۔

(۳) جن امور کے اندر تبعیض (اجزاء کر دینا) درست نہیں ہے ان کے کسی حصہ کا اختیار کرنا کل کا اختیار کرنا ہوگا، اسی طرح کسی حصہ کا ساقط کرنا کل کو ساقط کرنے کے معنی میں ہوگا۔

(۴) اختلاف سے نکلنا مستحب ہے۔

(۵) معاصی کے ساتھ شرعی سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں۔

(۶) جن امور کا ثبوت شرعاً ہو وہ ان پر مقدم ہوں گی جن کا شرط کی وجہ سے ثبوت ہو۔

(۷) کسی کلام کو بامعنی بنانا مہمل بنانے سے بہتر ہے۔

(۸) فرض نفل سے افضل ہے۔

(۹) واجب کسی دوسرے واجب ہی کی وجہ سے ترک کیا جا سکتا ہے۔

(د) زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) کی کتاب "المنثور فی القواعد" میں بھی بہت سے اصولی قواعد آئے ہیں بعض کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا حق جو منہیات کے قبیل سے ہو اس میں ناواقفیت اور بھول کا عذر قابل قبول ہو جاتا ہے لیکن جو مامورات کے قبیل سے ہے اس میں نہیں ہوتا۔

(۲) عمومی حاجت کا وہی حکم ہے جو انفرادی اضطرار کا حکم ہے۔

(۳) خصوصی حاجت ممنوع کو مباح کر دیتی ہے۔

(۴) جس چیز کی ادائیگی فوری طور پر لازم ہو وہ مؤخر نہیں ہوتی۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے حقوق مسامحت پر مبنی ہیں۔

(۶) غلطی گناہ کو ختم کر دیتی ہے۔

(ھ) سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی تالیف "الأشباہ والنظائر" کی کتاب ثانی میں جن چالیس کلی قواعد کو ذکر کیا ہے ان میں سے بعض اصولی بھی ہیں، مثلاً درج ذیل قواعد:

(۱) اجتہاد کسی دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا ______ (ق ۱) ______

(۲) امام کا رعایا پر تصرف کرنا مصلحت کے ساتھ مربوط ہے (ق ۵)

(۳) شریعت کی دی ہوئی سہولتیں شک کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی ہیں ______ (ق ۱۵)

(۴) نفل فرض سے زیادہ وسیع ہے ______ (ق ۲۱)

(۵) وسائل اور ذرائع کے اندر وہ چیزیں بھی نظر انداز کر لی جاتی ہیں جو مقاصد میں نہیں نظر انداز کی جاتیں۔ ______ ق ۲۰)

(د) اسی طرح ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے اپنی کتاب کے فن اول کی نوع ثانی میں بعض اصولی قواعد ذکر کیے ہیں جو تقریباً وہی ہیں جو اوپر سیوطی کے ذکر کیے ہوئے بیان ہوئے۔

(۶) ـــــ کلامی قواعد

ہمارے علم کے مطابق جن لوگوں نے ان کلامی قواعد کے سلسلہ میں اہتمام کیا ہے جن پر فقہی فروعات مبنی ہیں ان میں ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) منفرد ہیں، انھوں نے اپنی کتاب کی چوتھی قسم کو انہیں قواعد کے لیے مخصوص کیا ہے، بعض ان میں سے درج ذیل ہیں:

(۱) سعادت اور شقاوت بدلتی نہیں ہے (بالفاظ دیگر اعتبار آخری اعمال کا ہوتا ہے)

(۲) حلت وحرمت، پاکی وناپاکی اور دیگر تمام شرعی معانی اعیان کی صفات میں سے نہیں ہیں۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک ملت اپنے مدلول سے زمانی اعتبارات

Marfat.com

مقدم ہوتی ہے اور کچھ دوسرے لوگوں کے نزدیک علت و معلول کا زمانہ ایک ہوتا ہے
(۴) "انا" (میں) کے ذریعہ مخصوص جسمانی ڈھانچہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس سے مراد یہی بدن ہے جو روح کے ساتھ قائم ہے۔
(۵) حسن و قبیح شرعی ہوتے ہیں عقلی نہیں، معتزلہ عقلی مانتے ہیں۔

کلامی قاعدہ فقہی فروعات پر کتنا اثر انداز ہوتا ہے اسے واضح کرنے کے لئے ہم مذکورہ آخری قاعدہ کو لیتے ہیں اور اس سے متفرع ہونے والے مسائل کو بیان کرتے ہیں۔

حسن و قبح اس معنی میں کہ دنیا میں ان کی وجہ سے ممانعت اور مذمت مرتب ہو اور آخرت میں ثواب یا سزا کا فیصلہ ہو شرعی ہے، عقلی نہیں، معتزلہ اور ان کے موافقین دیگر فقہاء اسے تسلیم نہیں کرتے اس سلسلہ میں درج ذیل مسائل ہیں۔

دھوکہ دھوکہ دینے والے پر حرام ہے، خواہ یہ حرمت اس سلسلہ میں وارد شدہ کسی حدیث سے نہ معلوم ہو، ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں: یہ اس لئے کہ دھوکہ کا حرام ہونا عقل سے سمجھ میں آتا ہے۔

جس شخص تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اسے بھی قتل کرنے کی صورت میں دیت اور کفارہ لازم ہوگا البتہ اس کے قاتل پر صحیح یہ ہے کہ قصاص واجب نہیں ہوگا کیونکہ وہ مقتول مسلمان نہیں ہے۔

بچہ کا اسلام لانا ہمارے نزدیک صحیح قول کے اعتبار سے درست نہیں ہوتا ہے کیونکہ بچہ کے اسلام کی صحت اس بات پر متفرع ہوگی کہ ہم اس کے ذمہ اسلام کو لازم سمجھیں اور نابالغی کے ساتھ شرعاً کسی چیز کے لازم ہونے کا سوال نہیں، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بچہ کا اسلام قبول کرنا صحیح ہے اس لئے کہ عقل بچہ اور بالغ دونوں پر اسلام کو لازم کرتی ہے:

عید اور ایام تشریق کے روزہ کی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے لہذا ان دنوں میں روزہ رکھنے سے روزہ نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی ممانعت آئی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: روزہ رکھنے سے ہو جائے گا اس لئے کہ مطلق روزہ تو عبادت ہے اور عبادت ہونے کی وجہ سے وہ حسن ہے لہذا یہ تو محال ہے کہ روزہ کی ممانعت اس کے حسن کی وجہ سے ہو لہذا اس ممانعت کو اس کے علاوہ کسی اور سبب کی طرف پھیرنا ہوگا مثلاً یہ کہا جائے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی وجہ سے اس شخص نے اللہ کی دعوت کو مسترد کر دیا۔

ذمیوں میں سے بعض کی گواہی بعض کے خلاف مقبول نہیں ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں، قبول کی جائے گی اس لئے کہ قبولیت سے تہمت کذب مانع ہے اور جھوٹ کا قبیح ہونا عقلاً ثابت ہے اور کسی بھی دین کا ماننے والا اس سے گریز کرے گا۔

لغوی قواعد

اصول فقہ کی کتابوں میں لغوی قواعد کو ہمیشہ ایک نمایاں مقام حاصل رہا ہے، اس لئے کہ قرآن وحدیث کے نصوص کی تفسیر اور ان سے احکام کے استخراج میں لغوی قواعد کی بڑی اہمیت ہے۔

(الف) ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب "القواعد والاشباہ والنظائر" میں اصولی اور کلامی قواعد کے بعد ایک مستقل قسم لغوی قواعد کے لئے قائم کی ہے۔

مثلاً وہ قواعد جو و، ف، فی، ثم، إذا، إلا، بعد، بلی، حتی، کاد، کم، کیف، کذا، ل، لولا، اور من سے متعلق ہیں۔

اسی طرح مرکبات اور عربیت سے جو فقہی فروعات نکلتے ہیں مثلاً لفظ "کلام" کا کیا مقصود ہے، مضمرات کی بحثیں، ضمیر مسمی، موصول، مبتداء، حال، عدد، فعل کے صیغے اور ان کے معانی، مصدر کیا کام کرتے ہیں، جزم کے عوامل وغیرہ دیگر مباحث اور مختلف نصوص کی تفسیر میں ان قواعد کے اثرات پر بھی ابن السبکی نے بحث کی ہے۔

(ب) اسنوی (متوفی ۷۷۲ھ) نے تو ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الکوکب الدری فی تخریج الفروع الفقہیۃ علی المسائل النحویۃ"، ڈاکٹر عبدالرزاق سعدی نے اس کی تحقیق کی ہے اور کویت کی وزارت اوقاف نے اسے شائع کیا ہے۔

ابن فارس لغوی نے اپنی کتاب "الصاحبی" میں ایک باب قائم کیا ہے، اس کا عنوان ہے "القول فی حاجۃ أھل الفقہ والفتیا إلی معرفۃ اللغۃ العربیۃ" پھر لکھتے ہیں "لغت کا علم حاصل کرنا اہل علم پر واجب کے درجہ میں ہے تاکہ وہ اپنی تالیفات اور فتاوی میں علم لغت سے نابلد ہونے کی وجہ سے راہ اعتدال سے ہٹ نہ جائیں۔

ابن جنی "خصائص" میں لکھتے ہیں: ایسا اس لئے کہ اہل شریعت میں سے اکثر وہ لوگ جو شریعت کی راہِ اعتدال سے بھٹک گئے اور اس کے بہترین راستہ سے برگشتہ ہو گئے وہ اس معزز عربی زبان میں کمزور تھے جس میں پوری نوع انسانی کو خطاب کیا گیا تھا۔۔۔۔" پھر لکھتے ہیں: "اگر انھیں اس زبان و لغت سے پورا لگاؤ ہوتا اور اس پر قادر ہوتے یا اس کی مشق ہوتی تو یہ سعادت انھیں اس جگہ تک پہنچنے سے روک دیتی جہاں تک بدبختی نے انھیں پہنچا دیا۔"

فراء نحوی کہتے تھے کہ عربی لغت پر صحیح اور گہری نظر اکثر علوم کے فہم میں معاون ہوتی ہے۔

Marfat.com

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو عمر جرمی تیس سال تک سیبویہ کی کتاب سے لوگوں کو فقہی فتوی دیتے رہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا درس دیا کرتے تھے، جب انھوں نے سیبویہ کی کتاب پڑھی تو انھیں حدیث میں تفقہ حاصل ہوا کیونکہ سیبویہ کی کتاب سے انھوں نے غور و نظر اور تلاش و جستجو کا طریقہ سیکھا۔

امام ابن رشد قرطبی نے اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ایسے چھ اسباب بتائے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء کے مابین اختلاف ہو جاتا ہے وہ اسباب اختصاراً درج ذیل ہیں:

۱) لفظ کا الفاظ کی ان مختلف قسموں کے درمیان دائر ہونا جن سے احکام ماخوذ ہوتے ہیں۔

۲) الفاظ کے درمیان پایا جانے والا اشتراک۔

۳) اعراب کا اختلاف، اس لئے کہ اعراب ہی معانی میں فرق کرنے والا ہوتا ہے۔

۴) لفظ کے اندر اس بات کا احتمال کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے یا مجاز پر، حذف مانا جائے یا زیادتی، تقدیم مانی جائے یا تاخیر، اسی طرح لفظ کا حقیقت اور استعارہ کے درمیان دائر ہونا

۵) لفظ کا کبھی مطلق ہونا اور کبھی مقید ہونا۔

۶) الفاظ کے وہ تمام اصناف جن سے احکام اخذ کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی دو چیزوں کے درمیان تعارض، اسی طرح افعال یا قیاسات یا مختلف اقراروں میں تعارض۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہی فروعات کے احکام میں اختلاف کے زیادہ تر اسباب لغوی بنیاد پر ہیں یہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ انسان کے کسی تصرف پر حکم شرعی صادر کرنے کے لئے انسان کا ارادہ

جاننے کی غرض سے کلی طور پر لغت کی طرف رجوع کیا جائے۔

لغت کے علاوہ اور بھی دوسرے اسباب اختلاف ہیں مثلاً قیاس، اجماع، عرف، استحسان،

بعض فقہی فروعات ایسے بھی آئے ہیں جو قواعد لغت عربی کے مقتضیٰ کے مخالف ہیں یا ان میں سے مرجوح قواعد کے موافق راجح کے مخالف ہیں۔

اسنوی نے اپنی کتاب "الکوکب الدری" کے اندر تمام قسموں کی واضح مثالیں اور زندہ تصویر پیش کی ہے، چنانچہ انھوں نے کچھ فقہی فروعات ایسے ذکر کئے ہیں جو قواعد لغت کے مقتضیٰ کے موافق ہیں کتاب کے بیشتر فروع اس نوع کے ہیں، کچھ دوسرے ایسے فروعات ہیں جو مرجوح قواعد کے موافق ہیں اسی طرح کچھ ایسے فروعات بھی ذکر کئے ہیں جو قواعد کے مخالف ہیں اور ان کے احکام کی تخریج بھی لغت کے علاوہ استحسان اور عرف وغیرہ کی بنیاد پر کی گئی ہے[1]

۸ — فقہی قواعد

کلامی، اصولی اور لغوی قواعد کے علاوہ دیگر تمام قواعد قواعد فقہیہ کے ضمن میں داخل ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ قواعد ان احکام فرعیہ کے موضوع سے متعلق ہوتے ہیں جن کو وہ قواعد شامل ہوتے ہیں اور اس طرح یہ قسم قواعد کی ایک بڑی تعداد کو شامل ہوتی ہے جو فقہ کے ایک ایک باب کے ساتھ خاص ہوتے ہیں یا ایک قسم کے مختلف ابواب کے درمیان مشترک ہوتے ہیں، ان انواع کی بہت ساری مثالیں سابقہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہیں ان کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] اسنوی کی کتاب الکوکب الدری پر ڈاکٹر عبدالرزاق سعدی کا مقدمہ تحقیق ص ۱۰۹

چوتھی فصل

[illegible]

[illegible]

[illegible] الاشباہ والنظائر کی چوتھی قسم میں جمع کیا گیا ہے، یعنی ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے ایسے فروعی مسائل جو مختلف ابواب فقہیہ کے درمیان بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کرنا۔ اسی طرح انہوں نے کتاب کی پانچویں قسم کے اندر نظائر الابواب کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور نظائر الابواب سے ان کی مراد ایک ہی موضوع سے تعلق رکھنے والے وہ فروعی مسائل ہیں جو ایک ہی باب کے اندر آتے ہیں۔

آخری دونوں تعریفوں ہی کے مطابق ہم اس موضوع پر بحث کرنا

Marfat.com

چاہتے ہیں اس لئے کہ پہلی تعریف قواعد کے مفہوم میں آجاتی ہے جن پر بحث ہو چکی ہے۔

ا ـــــ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن السبکی نے اپنی کتاب "القواعد والاشباہ والنظائر" میں اس فن کا مطالعہ شامل نہیں کیا ہے لیکن سیوطی اور ابن نجیم جو بڑی حد تک ابن السبکی کی کتاب سے متاثر ہیں ان دونوں حضرات نے اپنی کتابوں میں اس فن کے بارے میں لکھا ہے، ابن السبکی سے پہلے جو کتابیں لکھی گئیں اور جن کی طرف ابن السبکی نے اپنی کتاب میں اشارہ بھی کیا ہے[1] ہمیں وہ کتابیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ اس لئے، ہم یہ تحقیق نہ کر سکے کہ ان کتابوں میں اس فن پر بحث موجود ہے یا نہیں، لیکن ابن السبکی نے اپنی کتاب میں جابجا یہ بات لکھی ہے کہ میں نے بعض امور کو اپنی کتاب سے دور کرنے کا قصد کیا اس لئے کہ یہ امور میری رائے میں قواعد کے ضمن میں نہیں آتے، ابن السبکی ایک جگہ لکھتے ہیں ان قواعد کے پس پشت کچھ ضوابط ہیں جنھیں فقہا، ذکر کرتے ہیں ان میں سے کچھ مطرد ہیں اور منعکس، ابن القاضی کی تلخیص اور ابو بکر خفاف کی کتاب الخصال، ابوالحسن کی الاعداد، شیخ ابو حامد کی الرونق، محاملی کی لباب، ابوالحسن معنا کی المناقضات، ابو حاتم قزوینی کی الحیل، اور ابن القطان کی المطارحات میں ان ضوابط کا احاطہ کیا گیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کا شمار قواعد کلیہ میں نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان کی حیثیت ایک موضوع کے جزئی ضوابط کی ہے، جن کا مقصد مبتدی کی مشق اور طلبا کی تمرین ہے، منتہیوں کی بحث و تحقیق اور راسخین فی العلم کے بحث و مطالعہ کے لئے وہ ضوابط نہیں ہیں۔۔۔۔

---

[1] مثلاً الاشباہ والنظائر: صدرالدین محمد بن عمر مرحل، الرونق: ابو حامد، اللباب: محاملی، فروقے: رویانی، المعایاۃ: جرجانی،

Marfat.com

میری رائے یہ ہے کہ ان ضوابط کو قواعد فقہیہ میں شامل کرنا راہِ تحقیق سے باہر قدم نکالنا ہے، اگر قواعد کا دائرہ اس طرح وسیع کر دیا جائے تو پوری فقہ اس کے اندر آجائے۔ اگر میں قواعد کے فن کو خوب وسیع کرنا چاہتا تو پورا فقہی ذخیرہ اس میں لے آتا اس کے پیش کرنے کا انداز اور ترتیب عام فقہی کتابوں سے مختلف ہوتی لیکن ایسا کرنے سے ذہن پریشان ہو جاتے اور افکار پراگندہ ہو جاتے اگر ایک چیز کو اس کے مماثل ضم کرنا پسندیدہ ہو تو ایک باب کے مسائل ایک دوسرے کے ساتھ ضم کئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں اور مسائل کو ابواب کی ترتیب ہی سے لانا درست وصواب ہے۔

کچھ لوگ قواعد کے اندر فقہی فروعات میں ہونیوالی تقسیمات کو بھی داخل کر دیتے ہیں ان تقسیمات کا ہمارے فقہا ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا قواعد فقہیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ ابو حامد نے الرونق سے ہیں اور ان کے پیروکاروں نے ان تقسیمات کو کثرت سے ذکر کیا ہے لیکن ان لوگوں کا مقصود قواعد فقہیہ کا بیان نہیں تھا، بلکہ یہی نوع ان کا موضوع تھی لہذا وہ حضرات قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ قابلِ ملامت وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں کو قواعد فقہیہ میں داخل کرتے ہیں...... اس کے بعد ابن السبکی نے ان تقسیمات کی چند مثالیں پیش کی ہیں مثلاً عقود کی اس اعتبار سے تقسیم کہ وہ تابید یا ترتیب کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اور طلاق کی واجب حرام، مکروہ و مستحب کی جانب تقسیم اور بیعوں کے اقسام وغیرہ۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو ان مآخذ اور علتوں کو قواعد فقہیہ میں داخل کرتے ہیں جن میں سارے احکام شریک ہیں، حالانکہ یہ چیزیں بھی سرے سے قواعدِ فقہیہ میں سے نہیں ہیں۔ ابن السبکی نے اس سلسلے میں بطور مثال شیخ ابو اسحٰق شیرازی کی کتاب مسائل الارتباط کا نام لیا ہے۔

کچھ لوگ قواعد فقہیہ کی بحث میں ان مباحث میں مشغول

ہو جاتے ہیں کہ صحابی کا مذہب اور استحسان حجتِ شرعیہ ہیں کہ نہیں۔

کچھ لوگ ان مسائل کے لئے فصل قائم کرتے ہیں جن میں قولِ قدیم پر فتوی دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کچھ لوگ معمے اور پہیلی والے مسائل کو قواعدِ فقہیہ میں داخل کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ابن السبکی کا اعتراض صرف یہ ہے کہ جو فنون قواعد فقہیہ میں داخل نہیں ہیں انھیں قواعد فقہیہ میں داخل کیا جا رہا ہے ابن السبکی نے کہیں بھی ان فنون کی اہمیت کم نہیں کی ہے اور انھیں اس بات پر اطمینان نہیں تھا۔ کہ ایک چیز کو اس کے مماثل کے ساتھ ضم کرنیکا معیار کیا ہوگا چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ ایک ہی باب کے مسائل باہم ضم کئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں اور ابواب کی ترتیب ہی درست ہے۔

۲ استاذ مصطفی احمد زرقا کی رائے بھی یہی ہے کہ ان بحثوں کو قواعد سے الگ رکھا جائے، انھوں نے ان بحثوں کو بنیادی فقہی نظریات کا نام دیا ہے، اور مثال میں پیش کیا ہے، ملکیت، عقد، اہلیت، نیابت، بطلان، فساد، توقف، تعلیق، تقیید (قید لگانا) اضافہ، ضمان اور عرف ۔۔۔۔۔۔ ہم قواعد فقہیہ کے بنیادی کاموں پر بحث کے وقت دوبارہ اس موضوع پر مناقشہ کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ نظریات اسی نوع تک محدود ہیں یا خود فقہی ابواب تک نظریات کا اقتدار ہوتا ہے۔

۳ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مباحث کا مزاج ان مباحث کے مزاج سے بالکل مختلف ہے جو قواعد کے ساتھ مخصوص ہیں جن کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں، اسی طرح ان مباحث کا مزاج فروق کے مخصوص مباحث سے بھی مختلف رہا ہے جن کا آئندہ بیان آئے گا، اس لئے کہ قواعد اور فروق کے مباحث میں یہ بات زیر بحث آتی ہے کہ وہ جزئی مسائل

Marfat.com

جو بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ نظر آتے ہیں ان میں کیا فرق ہے اور کیا مشابہت ہے، اگر ان مسائل جزئیہ کے احکام ایک ہیں تو انھیں قواعد کہتے ہیں اور اگر مختلف ہوں تو فروق کہلائیں گے۔ اس کے برعکس جمع کے مباحث میں یہ ہوتا ہے کہ ایک موضوع کے ساتھ مخصوص مسائل کے فقہی احکام ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں، ان مسائل کا تعلق فقہ کے کسی مخصوص باب سے نہیں ہوتا، اس کے قواعد مختلف ابواب میں بکھرے ہوئے رہتے ہیں۔

ان بکھرے ہوئے مسائل کو موسوعی انداز پر جمع کرنا واقعی ایک اہم کام ہے، کیونکہ یہ عمل ان احکام جزئیہ کے دوران مشترک موضوع پر ایک مکمل نظر ڈالنے کی ایک فطری تمہید ہے۔ کبھی کبھی اس کے نتیجہ میں ان موضوعات میں سے ہر موضوع سے تعلق رکھنے والے عمومی قواعد کا استخراج بھی ہوتا ہے اور اس طرح جمع کا یہ کام قواعد کے کام کا معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ب) ذیل میں ہم وہ مباحث ذکر کرتے ہیں جنھیں سیوطی اور ابن نجیم دونوں نے اس فن میں ذکر کیا ہے اور سیوطی نے اس کا عنوان قائم کیا ہے "وہ احکام جو کثرت سے پیش آتے ہیں اور جن سے ناواقفیت ایک فقیہ کے لئے عیب کی بات ہے"۔ ابن نجیم نے "فن جمع" کے تحت یہ عنوان قائم کیا ہے۔ ان دونوں نے درج ذیل مباحث اختیار کئے ہیں:

بھولنے والے کے احکام

ناواقف کے احکام

مکرہ (جس پر زبردستی کی گئی ہو) کے احکام (ابن نجیم نے لکھا ہے کہ انھوں نے "المنار" کے آخر میں اس پر بحث کی ہے)

سونے والے کے احکام

پاگل اور معتوہ کے احکام

بے ہوش کے احکام

Marfat.com

بدمست کے احکام

بچہ کے احکام

خنثیٰ کے احکام (ابن نجیم نے فن ثانی کے ضمن میں کتاب البیوع کے فوائد میں اس پر گفتگو کرنے کا حوالہ دیا ہے)

غلام کے احکام

مبعض کے احکام

عورت کے احکام

مخنث کے احکام

متحیرہ کے احکام (متحیرہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنی عادت کی مقدار اور وقت بھول گئی ہو اسے محیرہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے معاملہ سے فقیہ کو حیرت میں ڈال دیا ہے)

اندھے کے احکام

کافر اور ذمی کے احکام

جرم کرنے والے کے احکام

محارم کے احکام

اولاد کے احکام

وطی کے احکام

معاملہ کرنے کے احکام

معاملہ ختم کرنے کے احکام

صریح کے احکام

کنایہ کے احکام

تعریض کے احکام

کتابت کے احکام

اشارہ کے احکام

Marfat.com

ملکیت کے احکام
دین کے احکام
ثمن مثل کے احکام
اجرت مثل کے احکام
مہر مثل کے احکام
سونے چاندی کے احکام
رہنے کی جگہ کے احکام
خادم کے احکام
فقیہ کی کتابوں، فوجی کے اسلحوں اور کاریگر کے آلوں کے احکام
کھجور اور انگور کے احکام
شرط کے احکام
تعلیق (کسی چیز کے معلق کردینا) کے احکام
استثناء کے احکام
دور کے احکام
حصر کے احکام
اشاعت کے احکام
عدالت کے احکام
اداء، قضاء، اعادہ، تعجیل اور ادراک کے احکام
تحمل (گواہی دینے کی صلاحیت) کے احکام
تعبدیت کے احکام
موالاۃ کے احکام
فرض کفایہ اور سنت کفایہ کے احکام
سفر کے احکام
حرم کے احکام

Marfat.com

مسجدوں کے احکام

جمعہ کے دن کے احکام

احکام اربعہ

ان چیزوں کا بیان جن میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے لفظ کا نہیں اور ان چیزوں کا بیان جن میں لفظ کا اعتبار ہوتا ہے معنی کا نہیں۔

یہ بیان کہ نائب ان امور کا مالک ہوجاتا ہے جن کا اصل مالک نہیں ہوتا۔

یہ بیان کہ کون سے حقوق قابل اسقاط ہیں اور کون سے قابل اسقاط نہیں، اور اس بات کا بیان کہ ثابت شدہ حق دوبارہ نہیں لوٹتا۔

(ج) ان میں سے بعض مباحث تو دسیوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اس لئے صرف ایک مختصر مثال ذکر کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوسکے کہ یہ حضرات اس فن کے مسائل پر کس انداز سے بحث کرتے ہیں۔

اندھے کے احکام سیوطی نے چار صفحات میں ذکر کئے ہیں، ابن نجیم نے اس کا خلاصہ آدھے صفحہ میں ذکر کیا ہے، وہ درج ذیل ہے۔

اندھے کے احکام:

اندھے کے احکام وہی ہیں جو بینا لوگوں کے ہیں، چند مسائل میں فرق ہے۔

اندھے پر جہاد، جمعہ، جماعت اور حج کی فرضیت نہیں ہے خواہ اس کو رہنمائی کرنے والا کیوں نہ مل جائے۔

معتمد قول کے اعتبار سے وہ گواہی دینے کا اہل نہیں ہے، اسی طرح قضاء اور منصب خلافت کا بھی اہل نہیں ہے۔

اس کی آنکھ کو نقصان پہنچانے کی صورت میں دیت نہیں ہے بلکہ دو عادل شخص جتنے تاوان کا فیصلہ کریں وہ واجب ہے۔

نماز میں اس کی امامت مکروہ ہے، اِلّا یہ کہ موجودہ لوگوں میں وہی سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

کفارہ میں اس کو آزاد کرنا درست نہیں ہے۔

اس کا ذبح کرنا، شکار کرنا، پرورش کرنا، ان چیزوں کو دیکھنا جن کے وصف معلوم کر کے انھیں خریدا ہو، ان امور کے احکام مجھے نہیں ملے، ویسے اس کا ذبح کرنا مکروہ ہونا چاہیئے جہاں تک اس کے حق پرورش کا تعلق ہے تو اگر اس کے لئے بچہ کی حفاظت ممکن ہو تو وہ پرورش کا اہل ہوگا ورنہ نہیں۔

نابینا شخص اوقاف کا متولی یا وصی بن سکتا ہے۔

(د) علوم اسلامیہ کی قدیم کتابوں کا جائزہ لینے والے کو بہت سی ایسی کتابیں ملتی ہیں جو کسی ایسے متعین موضوع پر بحث کے لئے لکھی گئی ہیں جس کے احکام ابواب فقہیہ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں اور ان کتابوں میں اس موضوع پر ایسی تفصیلی بحثیں کی گئیں جو اس موضوع کے تمام اطراف کو محیط ہیں، مثال کے طور پر درج ذیل کتابیں:

(۱) کتاب احکام النساء : ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) حنبلی

(۲) أحکام أہل الذمۃ : ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ)

(۳) قاعدۃ العقود : ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)

(۴) تحریر الکلام فی مسائل الالتزام : حطاب مالکی (متوفی ۹۵۴ھ) مالکی

(۵) أحکام المرضی : احمد بن ابراہیم بن حنبل (متوفی [illegible])

(۶) أحکام الصبیان : صبوحی۔

حطاب نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان مستقل تصنیفات کا مقصد بھی وہی ہے جو اشباہ و نظائر کی کتابوں میں فن جمع کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اما بعد! امام مالک کے مذہب کے بارے میں حکم بالالتزام کا نظریہ مشہور ہو گیا ہے

Marfat.com

اختلاف و مباحثہ کے موقعوں پر اس کے متعلق خوب سوالات بھی ہوتے ہیں ، مالکی مذہب پر عمل کرنے والوں کی کتابوں میں اس کے بارے میں کوئی باب یا فصل نہیں تھی ، نہ ہی کسی مستقل کتاب میں اس کے احکام درج ہیں بلکہ اس کے مسائل کتابوں اور ابواب میں بے انتہا منتشر ہیں ، ان میں بڑا اضطراب ہے اور حکم بالالتزام کا نظریہ بھی علی الاطلاق درست نہیں ہے۔

پھر میں نے حسب امکان اس کے مسائل جمع کرنے ، اس کی قسموں کو منضبط کرنے ، مشکل مقامات کی وضاحت اور اس کے احکام تحریر کرنے کے سلسلہ میں استخارہ کیا ، مجھے یہ معلوم تھا کہ مقررہ ابواب اور مشہور مسائل پر تصنیف کرنے والوں سے بھی متعدد مسائل اور کئی کئی توجیہات و دلائل میں غلطی ہوجاتی ہے تو ایک ایسے باب پر تصنیف کرنے کی کیا حالت ہو گی جس کے مسائل کسی تصنیف کی شکل میں جمع نہیں کئے گئے ہیں ، لیکن پھر بھی میں نے اس کام کا ارادہ کرلیا . . . . ہوسکتا ہے کوئی شخص میری تصنیف کے صحیح و غلط کو واضح کرے اور اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے مسائل کا اضافہ بھی کرے ، اور اس طرح لوگوں کا استفادہ عام ہوجائے اور انھیں صحیح مسائل کی رہنمائی مل سکے[1]۔

(ھ) جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا کہ ایک متعین موضوع کے احکام موسوعی انداز پر جمع کرنے سے یہ فائدہ ہو گا کہ اس موضوع کے مخصوص قواعد کا استخراج آسانی سے ہو گا۔ ہم ایک مثال ذکر کرتے ہیں جسے سیوطیؒ نے عقود کے موضوع پر بحث کے دوران عقود سے متعلق قواعد وضوابط کی صورت میں ذکر کیا ہے[2]:

---

[1] تحریر الکلام فی مسائل الالتزام : امام حطاب ص ۵۴، ۵۵

[2] الأشباہ والنظائر : سیوطی ص ۲۹۹ - ۳۱۲

ضوابط: (۱) عقود لازمہ میں ایسے عقود نہیں ہیں جو معقود علیہ کے استقرار کے محتاج ہوں سوائے بیع سلم، اجارہ، مسابقہ، مہر، بدل خلع کے۔

(۲) ایک ہی شخص ایجاب اور قبول دونوں کرنے والا ہو یہ ممنوع ہے لیکن چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں

(۳) نکاح اور بیع سلم کے علاوہ کوئی ایسا عقد نہیں ہے جو کسی صیغہ کے ساتھ مخصوص ہو۔

(۴) ہر وہ ایجاب جو قبول کا محتاج ہو، ایجاب کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا قبول کرنا مفید نہ ہوگا سوائے وصیت کے، اور ہر وہ شخص جس کی قبولیت کا ثبوت ہو چکا ہو اس کی موت سے وہ قبول ختم ہو جائے گا سوائے اس شخص کے جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو وہ اگر مرجائے گا تو اس کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا۔

(۵) ایک ہی شخص قبضہ کرنے والا اور قبضہ دلانے والا دونوں نہیں ہو سکتا۔ چند صورتیں اس سے بھی مستثنیٰ ہیں۔

(۶) کوئی ایسا عقد نہیں ہے جس میں مؤکل کی درخواست کے بغیر گواہی دینا واجب ہو سوائے نکاح کے، رجعت کے بارے میں بھی ایک قول یہی ہے، اور ایک توجیہ کی بنا پر عقد خلافت کا بھی یہی حکم ہے۔

(۷) ہر وہ عقد فاسد جس میں معاوضہ کی تعیین کر دی گئی ہو اس میں متعین کیا ہوا معاوضہ ساقط ہو جاتا ہے سوائے ایک مسئلہ کے . . . .

قواعد:

(۱) ہر وہ عقد جو صحیح ہونے کی صورت میں ضمان کا متقاضی ہو فاسد

ہونے کی صورت میں بھی اس میں ضمان لازم ہوگا، اور جو عقد صحیح ہونے کی صورت میں ضمان کا متقاضی نہیں ہے وہ فاسد ہونے کی صورت میں بھی ضمان کا متقاضی نہیں ہوگا۔

(۲) ہر وہ تصرف جو اپنے مقصود کو وجود میں لانے سے عاجز ہو باطل ہوتا ہے۔

(۳) ہمارے نزدیک چند مسائل کے علاوہ میں باطل اور فاسد مترادف ہیں

(۴) فاسد عقود کا باہم کرنا حرام ہے۔

(۵) پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ سیوطی نے جس طرح اپنی کتاب کی چوتھی قسم مختلف ابواب میں بکھرے ہوئے مسائل کو یکجا کرنے کے لئے خاص کر دی اسی طرح انھوں نے پانچویں قسم نظائر الابواب کو جمع کرنے کے لئے مخصوص کر دی ہے نظائر سے مراد وہ مسائل ہیں جو ایک ہی باب کے اندر ایک موضوع سے متعلق ہوں، ذیل میں ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں اور اس سے نکلنے والے قواعد وضوابط کو بیان کرتے ہیں جو باب اجارہ سے متعلق ہیں[1]

قاعدہ: واجب پر اجرت لینا جائز نہیں ہے سوائے چند صورتوں کے، وہ استثنائی صورتیں یہ ہیں:

(۱) دودھ پلانا (۲) مضطر کو کھانا کھلانا (۳) قرآن کی تعلیم دینا (۴) عمل قضاء پر تنخواہ دینا جبکہ وہ شخص محتاج ہو اور تنہا وہی شخص قضاء والا کام کر سکتا ہو (۵) صنعت وحرفت پر اجرت دینا جہاں وہی شخص وہ کام انجام دے سکتا ہو (۶) جو شہادت کسی کے ذمہ متعین ہو اسے تحمل کی دعوت دینے کی صورت میں اس صورت کے برخلاف جبکہ تحمل شہادت

---

[1] سیوطی ص ۲۹۷۔

Marfat.com

والا شخص اس کے پاس آ گیا ہو، اسی طرح ادا، شہادت کے برخلاف اس لئے کہ ادا، شہادت تو اس کے ذمہ فرض ہے، اور ادا، شہادت بھی معمولی کلام ہے، جتنے پر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا ہاں اس کے سواری پر سوار ہونے کی اجرت لینا جائز ہے۔

فرائض کفایہ پر اجرت لینا جائز ہے سوائے جہاد اور نماز جنازہ کے،

ضابطہ: بلقینی لکھتے ہیں کہ اعضاء انسان سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز اختیاری حالت میں قابل معاوضہ نہیں ہے سوائے تین صورتوں کے (۱) آزاد کے جسم کی منفعت (۲) عورت کا دودھ (۳) عورت کی شرمگاہ۔

پانچویں فصل

فروق

ہم یہاں فروق کی دو قسموں پر بحث کریں گے اور دونوں قسموں کا باہم امتیاز واضح کریں گے۔

(۱) مسائل فقہیہ کے درمیان پائے جانے والے فرق

(۲) فقہی قواعد کے درمیان پائے جانے والے فرق

۱۔ مسائل فقہیہ کے درمیان پائے جانے والے فرق۔

(الف) فن فروق ان دقیق فرقوں اور مؤثر معانی کی وضاحت کا نام ہے جن کی وجہ سے بظاہر یکساں مسائل کے احکام میں اختلاف ہوتا ہے، اور قیاس و استحسان کے مسائل مثالوں سے بے نیاز ہیں[۱] سلف کے اکثر مناظرے اسی فن کی بنیاد پر برپا ہوئے حتیٰ کہ بعض فقہاء نے لکھا کہ فقہ فرق اور جمع کا نام ہے[۲]۔

زرکشی لکھتے ہیں "دو مسئلوں کے درمیان پایا جانے والا ہر فرق مؤثر ہوتا ہے جب تک کہ اس بات کا ظن غالب نہ ہو کہ ان دونوں

---

(۲۰۱) ڈاکٹر طموم: محقق کتاب الفروق: کرابیسی ص۶ ۔

مسئلوں کو جمع کرنے والا پہلو زیادہ غالب ہے"۔

امام الحرمین لکھتے ہیں، کہ فروق میں محض خیالات پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اگر دو مسئلوں میں جامعیت کا پہلو دونوں میں فرق کے پہلو پر غالب ہو تو ان دونوں پر یکساں حکم جاری کرنا واجب ہے اگرچہ ان دونوں میں بعض غیر مؤثر پہلوؤں کے اعتبار سے کچھ فرق ہو۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کیوں کہ یہ دین کے قواعد میں سے ہے"[1]

(ب) ① فقہ اسلامی میں فروق کے موضوع پر سب سے پہلی تصنیف امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی ہے ان کی کتاب "الجامع الکبیر" میں مسائل فقہیہ کے درمیان فرق بہت واضح انداز میں ملتا ہے۔ انھوں نے مسائل کو پیش کرنے کا جو انداز اپنایا ہے اور اپنی اس کتاب میں جو اسلوب و نہج اختیار کیا ہے ان سب سے دو متشابہ مسئلوں کے درمیان فرق اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کسی شک اور التباس کی گنجائش باقی نہیں رہتی[2]

② ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ (متوفی ۲۸۵ھ) نے فن فروق کے موضوع پر کتاب الفروق تصنیف کی[3]

③ اس کے بعد محمد بن صالح کرابیسی سمرقندی حنفی (متوفی ۳۲۲ھ) نے فروق کے موضوع پر ایک کتاب لکھی[4]

④ امام الحرمین کے والد ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن عبد اللہ بن یوسف

---

(۱) زرکشی المنثور فی القواعد ج ۱ ص ۶۹

(۲،۳،۴) ڈاکٹر طموم ص ۱۳۰۸، مخطوطہ دار الکتب المصریہ ۱۹۱۲ فقہ حنفی اور مکتبہ الاوقاف بغداد ۳۵۲۲ نیز مکتبہ الازھر ۲۰۰۶۔

Marfat.com

محمد بن حیتویہ طائی سبنسی جوینی متوفی ۴۳۸ھ) نے کتاب الجمع والفرق تصنیف کی، اس کتاب کا دوسرا نام "الوسائل فی فروق المسائل" ہے موصوف نے اس کتاب میں مسائل کا ذکر کر کے ہر ہر مسئلہ کا فرق واضح کیا اور مسائل کو فقہی ابواب پر ترتیب دے کر ایک عنوان کے تحت آنے والے مسائل کے مجموعے کو اس عنوان کے تحت شامل کیا۔

ان کا طرز یہ ہے کہ ربیع یا مزنی کی روایت میں امام شافعیؒ کے جو الفاظ ہیں انہیں ذکر کرتے ہیں اور مختلف روایات میں جو اختلافات ہیں ان کا تذکرہ کرتے اور متشابہ مسائل کا فرق بڑی گہرائی اور باریک بینی سے واضح کرتے ہیں۔[1]

(۵) ابوالعباس احمد بن محمد ناطفی طبری حنفیؒ (متوفی ۴۴۶ھ) نے الاجناس والفروق" کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی۔[2]

(۶) فن فروق ہی کے موضوع پر ابو محمد عبدالحق بن محمد بن ہارون سہمی قرشی صقلی (متوفی ۴۶۶ھ) کی ایک کتاب "النکت والفروق لمسائل المدونۃ" کے نام سے ہے۔[3]

(۷) ابوالخیر سلامہ بن اسمٰعیل بن جماعہ المقدسی (متوفی ۴۸۰ھ) کی ایک کتاب "الوسائل فی فرق المسائل" کے نام سے ہے، یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہے اور نادر ہے۔[4]

---

[1] اس کتاب کا ایک مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں ہے نمبر ۸۰ فقہ شافعی، ڈاکٹر طموم ص ۱۱، ۱۲۔

[2] مفتاح السعادۃ: طاش کبریٰ زادہ ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰، معجم المولفین: کحالہ ج ۲ ص ۱۳۰۔

[3] ڈاکٹر طموم: ص ۱۲، ۱۳، معجم المُولفین: کحالہ ج ۵ ص ۹۴۔

[4] ڈاکٹر طموم: ص ۱۳، زرکشی ج ۱ ص ۶۹۔

Marfat.com

(۸) ابوالعباس احمد بن محمد جرجانی شافعیؒ متوفی ۴۸۲ھ نے المعایاۃ فی العقل کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، یہ کتاب کتاب الفروق للجرجانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں فقہی ابواب کی ترتیب سے مسائل مرتب کئے گئے ہیں عناوین بھی فقہی کتابوں کی طرح ہیں۔ پوری کتاب ایک نہج پر نہیں ہے، کہیں پر دو متشابہ مسئلوں میں فرق کا اظہار کیا گیا ہے اور کہیں حکم کی تفصیل و وضاحت کی گئی ہے اور کہیں سوال و جواب کا انداز اپنایا گیا ہے[1]۔ السبکیؒ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں بار بار اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

(۹) اسعد بن محمد بن حسین نیساپوری کرابیسی حنفیؒ (متوفی ۵۷۰ھ) نے کتاب الفروق تصنیف کی، ڈاکٹر محمد طموم نے اس کتاب کو ایڈٹ کیا اور کویت کی وزارت اوقاف نے شائع کیا۔

ہم تھوڑی دیر کے بعد اس کتاب کا کچھ تفصیلی جائزہ لیں گے۔

(۱۰) ابوعبداللہ نصیر الدین محمد بن عبداللہ بن حسین حنبلیؒ متوفی ۶۱۶ھ جو ابن سنینہ کے نام سے مشہور ہیں ان کی بھی ایک کتاب کتاب الفروق کے نام سے ہے[2]۔

(۱۱) احمد بن عبیداللہ محبوبی حنفیؒ متوفی ۶۳۰ھ نے فتاوی الجمع المقول فی الفروق کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اس کتاب کا مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے[3]۔

---

[1] اس کتاب کا ایک مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں ہے جس کا نمبر ۹۱۵ فقہ شافعی ہے۔ ڈاکٹر طموم نے صفحا[...] پر للمعات کو اس کی عبارت بیستان کے مثل ہے۔

[2] شذرات الذهب: ابن عماد ج ۵ ص [...]، ڈاکٹر طموم ص ۱۲

[3] اس کتاب کا نمبر ۹۱۲ فقہ حنفی ہے۔

(۱۲) نجم الدین ابو العباس احمد بن محمد خلف بن راجح مقدسی حنبلی متوفی ۶۳۸ھ نے "الفصول والفروق" کے نام سے ایک کتاب لکھی[1]۔

(۱۳) ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ نے اپنی مشہور کتاب "اعلام الموقعین" میں احکام شریعت میں حکمت وعلت اور قیاس کی نفی کرنے والوں کی اس بات کے جواب میں کہ شریعت دو متشابہ مسائل کے احکام میں فرق کر دیتی ہے اور دو مختلف مسائل پر یکساں حکم جاری کر دیتی ہے ان دقیق فرقوں کی وضاحت کی ہے جن کا ادراک حکمت وقیاس کے مخالفین احکام شریعت میں نہیں کر سکے[2]۔

(۱۴) جمال الدین ابو محمد عبد الرحیم بن حسن بن علی بن عمر بن ابراہیم اموی اسنوی مصری متوفی ۷۷۲ھ نے "مطالع الدقائق فی تحریر الجوامع والفوارق" کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کتاب کے مقدمے میں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اکثر وبیشتر دو مسئلوں کے درمیان جامع وصف کو اس کے واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا اور بسا اوقات دو مسئلوں کو حکم میں یکساں کرنا حق ہوتا ہے نہ کہ فرق کرنا کیونکہ فرق کرنے والی چیز کمزور ہوتی ہے لہٰذا میں اس پر تنبیہ کرتا ہوں[3]۔

ہم اس مجمل تاریخی جائزے پر اکتفا کرتے ہیں اور تجزیہ کے نقطۂ نگاہ سے صرف کرابیسی کے "الفروق" اور سیوطی نیز ابن نجیم کی کتابوں کے وہ اجزاء جو فروق کے ساتھ مخصوص ہیں اور حکمت وعلت وقیاس کی نفی کرنے والوں

---

[1] معجم المؤلفین: کحالہ ج ۲ ص ۹۹، ڈاکٹر طموم ج ۱ ص ۱۲ (مقدمہ تحقیق الکرابیسی)

[2] ابن قیم: اعلام الموقعین طبع دار الکتب الحدیثہ ج ۲ ص ۳۲-۱۵۳ -

[3] ڈاکٹر طموم: مقدمہ تحقیق الکرابیسی ج ۱ ص ۱۲ -

Marfat.com

کے شبہات پر بحث کرتے ہوئے ابن قیمؒ نے جو کچھ لکھا ہے اسی کو پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

(ج) کرابیسیؒ متوفی ۲۴۸ھ کی کتاب "کتاب الفروق" جسے ڈاکٹر طموم نے ایڈٹ کیا اور کویت کی وزارت اوقاف نے شائع کیا سات سو انیاسی بحثوں پر مشتمل ہے۔ ہر بحث اکثر و بیشتر دو مسائل پر مشتمل ہے بعض بحثوں میں دو سے زائد مسائل ہیں، مصنف نے ہر دو مسئلوں یا چند مسئلوں میں فرق واضح کیا، بعض اوقات ایک ہی بحث میں ایک سے زیادہ فرق بیان کئے ہیں۔ انھوں نے کتاب کے مسائل کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہم جنس مسائل کو فقہی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کے تحت یکجا کیا ہے۔ مثلاً کتاب الطہارت، کتاب الصلوۃ، کتاب النکاح وغیرہ۔

مصنف نے یہ مسائل فقہی کتابوں سے لئے ہیں اور بعض اوقات ان کتابوں کا نام بھی ذکر کیا ہے جن سے مسائل منقول ہیں۔ یا جس امام کا قول ہوتا ہے اس کا نام ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ فرق کسی سے منقول ہوتا ہے تو اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کتاب میں درج کئے گئے اکثر فروق مصنف نے امام قاضی ابوالاعلی ساعد بن محمد سے سنے ہیں لیکن یہ فروق الگ مرتب نہیں کئے گئے تھے بلکہ مسائل فقہیہ میں بکھرے ہوئے تھے کرابیسیؒ نے ان فروق کو علیحدہ مرتب کیا اور کچھ فروق کا اضافہ کیا اس طرح یہ کتاب تیار ہوئی[۱]۔

ہم ذیل میں کرابیسی کے ذکر کردہ فروق کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق باب الشفعۃ سے اور دوسری کا باب الاجارات سے ہے۔

---

[۱] ڈاکٹر طموم: مقدمہ تحقیق الکرابیسی ج اص ۱۲، ۱۳

باب الشفعہ کی مثال:-

فرق نمبر ۵۴۵ : جس شخص کو جائداد کی بیع کا وکیل بنایا گیا تھا اسے یہ اختیار نہیں کہ اپنی بیچی ہوئی جائداد شفعہ کی بنیاد پر لے سکے اور جس شخص کو جائداد خریدنے کا وکیل بنایا گیا اسے یہ اختیار ہے کہ اپنی خریدی ہوئی جائداد اپنے لئے شفعہ کی بنیاد پر لے لے، دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کو بیع کا وکیل بنایا گیا اس نے اس بات کا التزام کیا کہ خریدار کے لئے فروخت شدہ چیز محفوظ اور سالم رہے گی، لہذا جب اس وکیل نے شفعہ کی بنیاد پر یہ جائداد لینی چاہی تو اس نے اپنے عقد کے ذریعہ جس چیز کا التزام کیا تھا اسی کی خلاف ورزی کر رہا ہے لہذا اس کو یہ اختیار نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف جس شخص کو خریداری کا وکیل بنایا گیا ہے اس کی صورتِ حال یہ نہیں ہے کہ خریداری کے معاملے کے ذریعہ اس نے اپنے لئے حق حاصل کیا ہے اور شفعہ کی وجہ سے وہ جائداد لے لینے کی صورت میں اس کا مالک ہو جائے گا، اس نے کسی ایسی چیز کی خلاف ورزی نہیں کی جس کا التزام کیا ہو اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ خریدار اپنی خریدی ہوئی چیز شفعہ کے ذریعہ لے سکتا ہے اور بیچنے والا بیچی ہوئی چیز شفعہ کے ذریعہ نہیں لے سکتا۔[۱]

باب اجارہ کی مثال:

فرق نمبر ۵۶۵ :

اگر ایک شخص نے کوئی مکان کچھ دراہم کے بدلے کرائے پر لیا اور یہ صراحت نہیں کی کہ اس مکان میں کون شخص رہے گا تو یہ کرایہ داری جائز ہے۔ اور اگر زمین کرایہ پر لی اور یہ وضاحت نہیں کی کہ اس میں کس چیز کی کاشت کرے گا تو یہ کرایہ داری درست نہیں ان دونوں مسئلوں میں فرق

---

[۱] الفروق: الکرابیسی ج ۲ ص ۱۲۰۔

Marfat.com

کی وجہ یہ ہے کہ گھر سے نفع اٹھانے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کا عرف اور عادت متعین ہے چنانچہ اگر وہ گھر ویران ہو تو اس میں چوپائے باندھے جاتے ہیں اور اگر وہ گھر صاف ستھرا اور اچھی حالت میں ہو تو اس میں رہائش اختیار کی جاتی ہے جانور نہیں باندھے جاتے لہذا عرف کے ذریعہ سے کیفیت انتفاع کی تعیین وہی حکم رکھتی ہے جو شرط کے ذریعہ تعیین کا ہوتا ہے۔ اگر کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت یہ شرط لگا دی جاتی کہ کرایہ دار اس میں جانور باندھے گا تو یہ معاملہ درست ہوتا اسی طرح شرط کے بجائے عرف کے ذریعہ تعیین میں بھی کرایہ داری کا معاملہ درست ہوگا۔ اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں ایک ہی سکہ رائج ہو تو تعیین کے بغیر تمام معاملات میں وہی سکہ مراد ہوتا ہے اور عرف کے ذریعہ سکہ کی تعیین اسی طرح درست ہوتی ہے جس طرح شرط کے ذریعہ تعیین درست ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف زمینوں سے انتفاع اور اس میں کاشت کرنے کے سلسلہ میں لوگوں میں کوئی خاص عرف و عادت نہیں بعض لوگ ایسی کاشت کرتے ہیں جس سے زمین خراب ہو جاتی ہے اور بعض ایسی کاشت کرتے ہیں کہ زمین سنور جاتی ہے لہذا جب کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت انتفاع کا طریقہ متعین نہیں کیا گیا تو منفعت نہ تو عرف سے متعین ہوئی اور نہ شرط سے نتیجہ یہ ہوا کہ کرایہ دار جس طرح بھی اس زمین سے نفع اٹھائے زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے طور پر منتفع ہونے کے لئے کہے۔ اس کشاکش میں کرایہ دار منتفع ہی نہیں ہو سکتے لہذا یہ کرایہ داری جائز نہیں۔[1]

(د) ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ نے اعلام الموقعین میں احکام شرائط میں

---

[1] الفروق، القرافی ج ۴ ص ۱۲۰

حکمت وعلت وقیاس کی نفی کرنے والوں کے شبہات کا جواب دیا ہے ان لوگوں کے شبہات کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے دو یکساں مسائل کے حکم میں فرق کر دیا ہے، اور دو مختلف مسائل پر ایک ہی حکم جاری کیا ہے. مثال کے طور پر وہ لوگ ان مسائل کو پیش کرتے ہیں۔

شریعت نے بچی کا پیشاب لگ جانے کی صورت میں کپڑا دھونے کو واجب کیا ہے اور لڑکے کا پیشاب لگ جانے کی صورت میں محض پانی چھڑکنے کو کہا ہے حالانکہ دونوں مسائل یکساں ہیں۔

چار رکعت والی فرض نماز مسافر کے لئے دو رکعت کر دی ہے اور تین اور دو رکعت والی فرض نمازوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

حائضہ عورتوں کے لئے روزوں کی قضا لازم کی، نماز کی نہیں. حالانکہ نماز کی پابندی روزوں سے زیادہ اہم ہے۔

جو شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے حد قذف واجب کیا اور کفر کا الزام لگانے والے کے لئے اس طرح کی کوئی سزا لازم نہیں کی؛ حالانکہ الزام کفر الزام زنا سے بدتر ہے۔

قتل کے مقدمے میں دو گواہوں کی گواہی کافی قرار دی ہے اور زنا کے مقدمے میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے حالانکہ قتل زنا سے بڑا جرم ہے۔

موت اور طلاق دونوں کی عدتوں میں فرق رکھا ہے حالانکہ عورت ان دونوں صورتوں میں یکساں طور پر قابل رحم ہوتی ہے۔

مرد کے لئے چار عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا اور عورت کے لئے ایک ہی مرد سے شادی کی اجازت دی ہے حالانکہ مرد، عورت دونوں میں شہوت اور نکاح کا داعیہ یکساں ہے۔

خوشحال مسافر کے لئے سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اس کے برخلاف پریشان حال مقیم جو روزے کی وجہ سے انتہائی مشقت

میں مبتلا ہوتا ہے اس کو اجازت نہیں دی۔

شریعت نے بدنی و مالی عبادات وضو، غسل، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں اور سزاؤں میں مرد اور عورت کا حکم یکساں رکھا ہے اور دیت، شہادت، میراث، عقیقہ میں عورت کو مرد کے نصف کے مساوی قرار دیا ہے ......

اس طرح کی پچاس مثالیں ابن قیم نے اہل ظاہر کی طرف سے پیش کی ہیں، پھر ہر ایک پر تفصیلی بحث کی ہے، ہم یہاں ابن قیم کا اجمالی جواب ذکر کریں گے اس کے بعد ایک مسئلہ کے بارے میں ان کا مفصل جواب درج کریں گے

اجمالی جواب یہ ہے: آپ حضرات نے اوپر جو مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ مثالیں اور اس طرح کی بیشمار مثالیں اسلامی شریعت کی عظمت جلالت شان اور موافق عقل و فطرت ہونے کی روشن دلیلیں ہیں کیونکہ شریعت نے مذکورہ بالا صورتوں کے احکام میں ان صفات کے فرق کی وجہ سے فرق کیا ہے جو صفات احکام میں فرق کرنے کا تقاضا کرتی ہیں اگر شریعت نے ان پر یکساں احکام جاری کئے ہوتے تو اعتراض وارد ہوتا اور اس کا جواب دینا دشوار ہوتا۔ جن کو یہ اعتراض کرنے کا موقع ملتا کہ شریعت نے مختلف قسم کے مسائل میں ایک ہی حکم جاری کیا اور ایک چیز اس سے بے جوڑ چیز کے ساتھ حکم میں جوڑ دی۔ شریعت نے مذکورہ مسائل میں ہر مسئلہ پر جو الگ حکم لگایا اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر مسئلہ میں ایسی علت اور صفت تھی جو الگ حکم کا تقاضا کرتی تھی۔ شریعت نے دو مسائل پر اگر ایک حکم جاری کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں علت مشترک ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے ان دونوں مسئلوں میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ دو مسئلوں میں یکساں حکم جاری کرنے یا الگ الگ حکم جاری کرنے کی بنیاد وہ مقاصد اور علتیں ہوتی ہیں جن پر ان احکام کا دارومدار ہوتا ہے[1]۔

---

[1] ابن القیم ج ۲ ص ۲۶۱

حائضہ عورت پر روزوں کی قضا لازم کرنے اور نماز کی قضا لازم نہ کرنے کا یہ جواب دیا ہے کہ اس تفریق سے شریعت کے محاسن اور حکمتوں کی تکمیل ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت مکلف انسانوں کے مصالح کی کس قدر رعایت کرتی ہے۔ حیض کی حالت چونکہ عبادت کے منافی ہے اس لئے حالتِ حیض میں عبادت مشروع نہیں کی گئی، طہر کے زمانے کی نمازیں حیض کے زمانے کی نمازوں سے بے نیاز کر دیتی ہیں کیونکہ زمانہ طہر میں ہر روز بار بار نماز ادا کرنے سے نماز کی منفعت اور مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ روزے کی یہ صورت حال نہیں ہے۔ روزہ سال میں صرف ایک مہینہ فرض ہوتا ہے، لہذا اگر روزہ بھی حائضہ عورت کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا تو اس کا تدارک نہ ہو پاتا اور روزہ سے شریعت کی جو مصلحت ہے اس سے وہ عورت محروم رہ جاتی اس لئے شریعت نے واجب قرار دیا کہ وہ عورت طہر کے زمانہ میں روزے مکمل کرے تاکہ روزہ کی وہ منفعت و مصلحت حاصل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت واحسان کی تکمیل ہے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے[1]۔

(ھ) ابن السبکی نے فنِ فرق کے موضوع پر اپنی کتاب میں کچھ نہیں لکھا۔

سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے الأشباہ والنظائر کی چھٹی کتاب متشابہ ابواب اور ان کے فرق پر بحث کرنے کے لئے مخصوص کی ہے۔ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں[2]

---

[1] ابن القیم ج ۲ ص ۴۴ ۔

[2] سیوطی ص ۵۵۳،۵۵۴ ۔

اجارہ اور مساقاۃ کا فرق

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پھل کے علاوہ دراہم وغیرہ کا معاملہ طے کرنا جائز نہیں، اجارہ میں جائز ہے، نووی نے یہی فرق لکھا ہے۔

اجارہ اور جعالہ کا فرق

اجارہ اور جعالہ میں دو چیزوں میں فرق ہے (۱) اجارہ میں عامل کی تعیین معتبر ہے جعالہ میں نہیں (۲) عمل کی مقدار کا علم اجارہ میں معتبر ہے جعالہ میں نہیں۔

اجارہ اور بیع کا فرق

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اجارہ تمام احکام میں بیع کی طرح ہے صرف ان باتوں میں دونوں میں فرق ہے (۱) اجارہ میں مدت اجارہ کی تعیین ضروری ہے بیع میں اس کی ضرورت نہیں (۲) اجارہ پر لی گئی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد . . . . اگر کرایہ دار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جاتا ہے بیع میں ایسا نہیں ہوتا (۳) اجارہ میں منفعت پر عقد ہوتا ہے بیع میں اصل مال پر عقد ہوتا ہے (۴) بیع میں قبضہ کے بعد ثمن پر پائیدار ملکیت ثابت ہوتی ہے، اجارہ میں مدت اجارہ گزرنے کے بعد ہی پائیدار ملکیت منافع پر ثابت ہوتی ہے (۵) زیادہ صحیح قول کے اعتبار سے اجارہ میں خیار حاصل نہیں ہوتا، بیع میں خیار حاصل ہوتا ہے۔

(۹) ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے الاشباہ والنظائر کے فن سوم کی قسم دوم فروق کے لئے مخصوص کی ہے چھٹا فن بھی فروق کے لئے وقف کر دیا ہے لیکن اس میں صفحات کی تعداد چار سے زیادہ نہیں۔

ابن نجیم نے اجارہ اور بیع کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

له ابن نجیم ص ۲۰۱۔

بیع کے لئے کوئی مدت معین کرنا بیع کو فاسد کر دیتا ہے اس کے برخلاف مدت معین کرنے سے اجارہ درست ہوتا ہے۔

بیع میں عقد بیع ہوتے ہی بیچنے والا عوض کا مالک ہوجاتا ہے، اس کے برخلاف اجارہ میں عوض پر ملکیت چار اسباب میں سے کسی ایک کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

اجارہ اعذار کی بنا پر فسخ ہوجاتا ہے بیع فسخ نہیں ہوتی۔

عقد اجارہ کے بعد اجارہ پر لی ہوئی چیز میں عیب پیدا ہونے سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے، بیع فسخ نہیں کی جاسکتی۔

اجارہ کرنے والے فریقین میں سے کسی ایک کے انتقال سے اجارہ فسخ ہوجاتا ہے بشرطیکہ مرنے والے نے اپنے لئے عقد اجارہ کیا ہو، بیع فریقین میں سے کسی کی موت سے فسخ نہیں ہوتی۔

قبضہ سے پہلے ثمن (قیمت) ہلاک ہونے سے بیع باطل نہیں ہوتی اور اگر متعین اجرت قبضہ سے پہلے ہلاک ہوجائے تو اجارہ فسخ ہوجاتا ہے۔

۲۔ قواعد کے فروق

(الف) جو جزئی مسائل بظاہر یکساں اور احکام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان میں فروق کی بحث کے لئے متعدد کتابیں وجود میں آئیں لیکن قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) سے پہلے کسی نے قواعد کے درمیان پائے جانے والے فروق پر بحث نہیں کی۔ قرافی اس بحث میں منفرد ہیں، ان سے پہلے کسی شخص نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔

قرافی نے "کتاب الذخیرۃ" میں بہت سے فقہی قواعد کلیہ وضع کئے، یہ قواعد مختلف ابواب میں بکھرے ہوئے ہیں، انھوں نے ارادہ کیا کہ ان بکھرے ہوئے قواعد کو ایک کتاب میں جمع کر دیں

اور اس طرح کے دوسرے قواعد بھی شامل کر دیں حتیٰ کہ قواعد کی تعداد الفروق میں ۵۴۸ ہو گئی، ان قواعد کو انھوں نے ۲۷۴ فروق میں تقسیم کیا۔

قرافی کی کتاب الفروق کی بحثوں کو پڑھنے سے استنباط کا ملکہ ترقی کرتا ہے، اجتہاد کی مشق ہوتی ہے، تفقہ کا ملکہ پروان چڑھتا ہے۔

(ب) قرافی کے وضع کردہ تمام قواعد متفقہ نہیں، ابن الشاط قاسم بن عبداللہ انصاری سبتی (متوفی ۷۲۳ھ) نے الفروق پر اپنے حاشیہ "ادرار الشروق علی انوار الفروق" میں بعض قواعد کے بارے میں قرافی پر تعقبات کیے ہیں حتیٰ کہ "نیل الابتہاج بتطریز الدیباج المذہب لابن فرحون" کے مصنف احمد بابا تنبکتی نے یہاں تک لکھ دیا: قرافی کی الفروق کا ضرور مطالعہ کرو لیکن انہیں قواعد اور فرقوں کو قبول کرو جنھیں ابن الشاط نے قبول کیا ہے" امیر نے ضوء الشموع میں یہ قول نقل کیا ہے۔

ابن الشاط نے تعقبات میں قرافی کے بارے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ قرافی مجتہد فی المذہب امام ہیں، انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر بعض مسائل کے احکام بیان کئے ہیں، ان بیان کئے ہوئے یہ اجتہادی احکام ان کے مماثل احکام کے ساتھ کسی قاعدہ کے تحت داخل ہو گئے ہیں لہذا اس قاعدہ کا اعتبار کر لیا گیا۔ ابن الشاط کے نقطہ نظر سے قرافی سے جہاں جہاں غلطی ہوئی ہے یہ وہی مسائل ہیں جن کے احکام کے بارے میں قرافی نے اجتہاد سے کام لیا ہے اور ابن الشاط کا اجتہاد وہاں شاطبی کے اجتہاد سے مختلف ہے۔ دونوں حضرات میں اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ فقہ میں دونوں کا طریقہ مختلف

ہونے کی وجہ سے دونوں کا منہج استنباط ایک دوسرے سے مختلف ہے [1]

(ج) ذیل میں ہم قرافی کے بیان کردہ فروق کی اجمالی مثالیں درج کرتے ہیں، آخر میں ایک فرق تفصیل کے ساتھ نقل کریں گے۔

فرق ۱۴ عبادت ساقط کرنے والی مشقت اور عبادت ساقط نہ کرنے والی مشقت دونوں کے قاعدے کا فرق۔

فرق ۲۴ وہ تصرفات جن میں جہالت اور غرر مؤثر ہے اور وہ تصرفات جن میں جہالت اور غرر مؤثر نہیں۔

دونوں کے قواعد کا فرق۔

فرق ۹۳ بھول عبادت میں قادح نہیں ہوتی اور ناواقفیت قادح ہوتی ہے حالانکہ دونوں صورتوں میں اقدام کرنے والا اپنے اقدام کے اثرات سے ناواقف ہوتا ہے ان دونوں کے قواعد میں فرق۔

فرق ۱۷۰ حضانت (بچوں کی پرورش) میں عورتوں کو مردوں پر مقدم کیا جاتا ہے دوسرے تمام اختیارات میں مردوں کو عورتوں پر مقدم کیا جاتا ہے دونوں کے قواعد کا فرق۔

فرق ۲۱۶ وہ معاملات جن میں وکیل بنانا جائز ہے اور وہ معاملات جن میں وکیل بنانا جائز نہیں دونوں کے قواعد کا فرق۔

فرق ۲۱۶ کی تفصیل

انسانی افعال کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ افعال وہ ہیں جن کی منفعت کرنے والے ہی کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا ان میں کسی کو نائب بنانا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ وکیل بنانے سے منفعت ہی فوت ہو جائے گی مثلاً عبادت۔ عبادت کا مقصد و فائدہ اللہ کے سامنے جھکنا اور اسکے لئے بندگی کا اظہار ہے اور وکیل کے جھکنے سے مؤکل کا جھکنا اور

[1] مقدمہ عبدالوہاب عبداللطیف، اور عبدالسمیع احمد امام: ذخیرة ج ۱ ص ۱۵۰)

Marfat.com

اظہار بندگی لازم نہیں لہذا وکیل بنانے سے عبادت کی مصلحت فوت ہو جائے گی۔

وطی کا مقصد پاک دامنی کا حصول اور وطی کرنے والے کے لئے اولاد کا حصول ہے، وکیل کے کرنے سے مؤکل کو یہ دونوں فائدے حاصل نہ ہوں گے۔ عقد نکاح کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کا مقصد عورت کے مباح ہونے کا سبب وجود میں آنا ہے اور وکیل کے نکاح کرنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح گواہیوں کا مقصد گواہ کی عدالت کا یقین حاصل کرنا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے اصل گواہ کی طرف سے گواہی دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

معاصی کے بارے میں مقصود انہیں ختم کرنا ہے، لہذا ان میں وکیل بنانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ معاصی میں وکالت مشروع ہونے کا مطلب ان معاصی کو شرعاً ثابت کرنا ہے۔

فرق کا ضابطہ یہ ہے کہ جس فعل کا مقصود مؤکل کی طرح وکیل (نائب) کے کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا کرنا جائز ہو اس میں وکالت جائز ہوگی، اس کے علاوہ میں نہیں[1]

(د) قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) کے بعد کسی نے قواعد کے درمیان فروق کے موضوع پر مستقلاً قلم نہیں اٹھایا قرافی کے بعد اس سلسلے کی صرف دو کوششیں قابل ذکر ہیں۔

اسماعیل بن معلی مخلی شافعی نے "اللیث العابس فی صدمات المجالس"[2]

[1] الفروق: ج ۲ ص ۲۰۶
[2] مصنف [illegible]ھ میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے

Marfat.com

کے نام سے کتاب لکھی، اس کتاب میں انھوں نے صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۲۱ تک اصول کے فروق پر روشنی ڈالی، ان صفحات کے آغاز میں انھوں نے فروق الاصول نام رکھنے کی وجہ بیان کی اور مزید لکھا: میں نے عبارت انتہائی مختصر رکھی ہے تاکہ اسے یاد کرنا مشکل نہ ہو، معلوم ہوتا ہے کہ فروق الاصول مختصراً بعض قواعد کا فرق واضح کرنے کے لئے چھوٹا سا رسالہ ہے ایک فرق شرط لازم اور شرط غیر لازم کے درمیان ہے، ایک فرق شرط و سبب، سبب و علت، علت و دلیل، علت وحجت، حسی علتوں اور شرعی علتوں کے درمیان ہے اس کے علاوہ دوسرے فروق بھی ہیں۔ یہ رسالہ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود مفید ہے (اس کا ایک مخطوطہ دار الکتب میں اس نمبر کے تحت ہے ۱۲۶ اصول، طلعت)

محلی کے مذکورہ بالا رسالہ کی طرح فروق کے موضوع پر بلقینی کا ایک رسالہ ہے جس میں الحکم بالصحۃ اور الحکم بالموجب کے درمیان چھ فرق بیان کئے گئے ہیں (اس کا بھی ایک مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں ہے مخطوطہ کا نمبر ہے ۲۵۵۹، صفحات ۱۷)[1]

---

[1] مقدمہ ڈاکٹر طموم تحقیق فروق الکرابیسی ج ۱ ص ۱۲۔

چھٹی فصل

اختلافِ فقہاء، فروع کی اصول سے تخریج

۱۔ اختلافِ فقہاء

(الف) مختلف فقہی مذاہب خواہ وہ اہل سنت کے چاروں مذاہب ہوں یا دوسرے فقہی مذاہب مثلاً جعفری، زیدی، اباضی، ظاہری، ان میں مضبوط گہرا رشتہ ناقابل انکار ہے، یہ حقیقت جاننے کے لیے ہر فقہی مذہب کی بنیادی کتابوں کی ورق گردانی کافی ہے۔ ان تمام فقہی مذاہب کی کتابوں کی ترتیب اور مسائل پیش کرنے کے طریقوں میں یکسانیت اور مشابہت بہت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مذاہب کے اختلافات محض فرعی مسائل میں محدود ہیں اور ان کا حلِ مسائل کا طریقہ اپنی بنیادوں میں بالکل یکساں ہے، واقعہ یہ ہے کہ مختلف فقہی مذاہب میں حکم شرعی کا تصور اور حکم شرعی پر استدلال کا انداز بلکہ فقہی اصطلاحات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور بعض مسائل میں یہ اختلافات اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔ جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا اور یہی اختلافات ہر مذہب کو الگ تشخص اور امتیاز فراہم کرتے ہیں۔

مختلف مذاہب فقہیہ بلکہ ایک ہی فقہی مذہب کے فقہاء کے درمیان

پائے جانے والے اختلافات کا مطالعہ بالکل ابتدائی دور میں شروع ہو گیا تھا، علم اختلاف یا اختلافِ فقہاء کے نام سے مختلف فقہی مذاہب اور فقہاء کے درمیان اختلافات کا موازنہ کیا جاتا تھا۔

اگرچہ بیشتر فقہی مذاہب علم اصولِ فقہ کے نکھرنے سے پہلے نشو ونما پا چکے تھے مگر اس علم کے اصول ومبادی مذاہب فقہیہ کے موسسین کے ذہنوں میں موجود تھے، علم اصول فقہ کے نام سے بحث واستنباط کا جو منہج قائم ہوا اس کا آغاز خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہو چکا تھا۔ آپؐ نے اس منہج کو برتا اور اس کی جانب صحابہ کرامؓ کو رہنمائی فرمائی۔

(ب) علم اختلافِ فقہاء کی نشو ونما اور ارتقاء کو ہم چند مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱)— اس فن میں سب سے قدیم تصنیف امام ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) کی ہے انھوں نے اختلاف الصحابہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔

(۲)— اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابویوسفؒ (متوفی ۱۸۲ھ) نے اس فن میں دو کتابیں لکھیں جسے ابن الندیمؒ نے الفہرست میں ذکر کیا ہے

(۱) اختلاف ابی حنیفۃؒ وابن ابی لیلیٰؒ (۲) کتاب الجوامع۔

(۳)— امام محمدؒ بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) نے کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ تصنیف کی جس میں انھوں نے فقہاء کی آراء کا موازنہ کیا خصوصًا امام مالکؒ کی فقہی آراء کا اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کی فقہی آراء سے موازنہ کیا[1]

(۴)— امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی مشہور تصنیف کتاب الام، اختلاف فقہاء کے موضوع پر متعدد کتابوں پر مشتمل ہے مثلاً اختلاف ابی حنیفۃ والاوزاعی

---

[1] مقدمہ ابوالوفاء افغانی: اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ طبع ۱۳۵۷ھ

اختلاف الشافعیؒ و محمد بن الحسنؒ، اختلاف الشافعیؒ مع مالکؒ۔

⑤ — ابو عبداللہ محمد بن شجاع ثلجی (متوفی ۲۵۶ھ) نے، اختلاف یعقوب وزفر تصنیف کی جس میں انھوں نے امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کی فقہی آراء کا ذکر کیا۔

⑥ — محمد بن نصرؒ مروزی (متوفی ۲۹۴ھ) نے اختلاف الفقہاء کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں انھوں نے ان مسائل کا ذکر کیا جنہیں امام ابو حنیفہؒ کی آراء، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ سے مختلف ہیں۔

⑦ — زکریا ساجی (متوفی ۳۰۷ھ) نے بھی اختلاف الفقہاء کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔

⑧ — ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے کتاب اختلاف الفقہاء تصنیف فرمائی۔

⑨ — احمد بن حسین اشروسنی حنفی معتزلی (۳۱۶ھ) نے اختلاف فقہاء کے موضوع پر کتاب مسائل الخلاف تالیف کی۔

⑩ — ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر شافعی (متوفی ۳۱۹ھ) نے حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں، (۱) الاوسط فی السنن والاجماع (۲) اختلاف العلماء (۳) الاشراف علی مذاہب اہل العلم۔

⑪ — ابو جعفر طحاوی حنفی (متوفی ۳۲۰ھ) نے کتاب اختلاف الفقہاء اور شرح معانی الآثار تصنیف فرمائیں۔ ان میں دوسری کتاب چھپی ہوئی ہے اور دستیاب ہے۔

⑫ — ابن الوراق ابو بکر محمد بن احمد بن محمد مروزی (متوفی ۲۲۹ھ) نے مسائل الخلاف تصنیف کی ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فقہ مالکی میں پچاس کتابیں لکھیں۔

(۱۳) — ابو علیؒ طبری (متوفی ۳۵۰ھ) نے المحرر تالیف فرمائی۔ اختلافِ مجرد کے
موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔

(۱۴) — ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی (متوفی ۳۷۳ھ)
نے مسائل الخلاف کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے
امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اختلافات کا ذکر کیا۔

(۱۵) — قاضی عبدالجبار احمد ہمدانی معتزلی (متوفی ۴۱۵ھ) کی ایک کتاب
الاختلاف فی اصول الفقہ ہے ممکن ہے کہ یہ ان کی مشہور کتاب، کتاب العمد
کا دوسرا نام ہو۔

(۱۶) — احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بن ہمدان ابوالحسین قدوری حنفی (متوفی
۴۲۸ھ) نے کتاب التجرید تصنیف فرمائی، یہ کتاب سات اجزا میں ہے اس
کتاب میں انھوں نے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں
کے فقہی اختلافات قلم بند کئے۔

(۱۷) — ابوزید عبداللہ بن عمر بن عیسیٰؒ بخاری دبوسی حنفی (متوفی ۴۳۰ھ) کی کتاب
تأسیس النظر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے
اور متداول ہے۔

(۱۸) — قاضی ابویعلیٰ فرّاء (متوفی ۴۵۰ھ) نے کتاب الخلاف الکبیر کے
نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

(۱۹) — ابن حزم ظاہری (متوفی ۴۵۶ھ) کی کتاب المحلیٰ میں مختلف فقہی
مذاہب کے درمیان موازنہ اور ترجیح موجود ہے۔

(۲۰) — حافظ بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) کی ایک کتاب، کتاب الخلافیات
ہے جس کے بارے میں سبکی لکھتے ہیں کہ یہ اپنی نوعیت کی منفرد
کتاب ہے، اس کے مثل کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔
اس کتاب میں مصنف نے ایک نیا طریقہ اپنایا ہے جس پر حدیث کا

رنگ غالب ہے ایسی کتاب وہی شخص لکھ سکتا ہے جسے فقہ وحدیث دونوں میں کمال حاصل ہو، اور قرآن وسنت کے نصوص سے بخوبی آگاہ ہو۔

(۲۱) شیعہ امامیہ کے علماء میں سے اختلاف فقہاء کے موضوع پر بظاہر پہلے مصنف شیخ ابوجعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) ہیں، جو شیخ الطائفہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ موصوف نے الخلاف فی الفقہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فقہ شیعہ کی آراء کا موازنہ دوسرے فقہاء کی آراء سے کیا اور اکثر وبیشتر وجہ استدلال کی طرف بھی اشارہ کیا۔[1]

(۲۲) ابواسحق شیرازی فیروزآبادی (متوفی ۴۷۶ھ) نے التبصرۃ فی اصول الفقہ کے نام سے ایک کتاب لکھی اس کتاب میں اصول فقہ کے بارے میں ائمہ کے اختلافات مذکور ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن ہیتو کی تحقیق کے ساتھ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

(۲۳) امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) نے ایک ضخیم کتاب الکافیہ فی الجدل کے نام سے تصنیف کی جس میں علم اختلاف فقہاء کے وسائل کا ذکر ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر فوقیہ حسین محمود کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ اختلاف فقہاء کے مسائل پر امام الحرمین کی چار کتابیں ہیں (۱) الاسالیب فی الخلافیات (۲) العمد (۳) غنیۃ المسترشدین فی الخلاف (۴) الدرۃ المضیئۃ فی ما وقع فیہ الخلاف بین الشافعیہ والحنفیہ۔ آخری کتاب ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۲۴) ابن جماعۃ شافعی (متوفی ۴۸۰ھ) کی ایک کتاب الوسائل فی فروق المسائل کے نام سے ہے۔

(۲۵) ابومظفر سمعانی (متوفی ۴۸۹ھ) کی ایک کتاب البرہان فی الخلاف

---

[1] المطہری ج ۲ ص ۹۰

Marfat.com

کے نام سے ہے جس میں ایک ہزار اختلافی مسائل پر بحث ہے۔ ابوالمظفر سمعانی پہلے اپنے باپ کی طرح حنفی تھے پھر انھوں نے مذہب شافعی اختیار کیا اور جس طریقہ پر تیس سال سے زیادہ تک مناظرہ کرتے رہے، اسے ترک کر دیا۔

(۲۶)___ امام ابوحامد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے خلافیات اور جدل کے موضوع پر چار کتابیں تصنیف کیں (۱) مأخذ الخلاف (۲) لباب النظر (۳) تحصین المآخذ (۴) المبادی والغایات، اس چوتھی کتاب کے بارے میں انھوں نے خود لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنی ترتیب اور شرائط میں نظرِ عقلی کے منہاج پر ہونیوالی بحث کا انتہائے مقصود ہے، اگرچہ اس کے مقدمات نظرِ عقلی کے منہاج سے مختلف ہیں۔

(۲۷)___ ابوبکر محمد بن احمد قفال شاشی مستظہری شافعی (متوفی ۵۰۷ھ) کی ایک کتاب حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ہے، اس کتاب کا صرف عبادات والا حصہ ڈاکٹر یسین دارد کہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

(۲۸)___ امام نسفی حنفی (متوفی ۵۳۸ھ) نے کتاب الخلافیات تصنیف کی۔

(۲۹) قاضی ابوبکر بن العربی اشبیلی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) نے بیس اجزاء میں ایک کتاب الانصاف فی مسائل الخلاف کے نام سے لکھی۔

(۳۰)___ رضی الدین سرخسی حنفی (متوفی ۵۴۴ھ) نے (الطریقۃ الرضویۃ) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

(۳۱)___ علاء الدین سمرقندی حنفی (متوفی ۵۵۲ھ) کی ایک کتاب مختلف الروایہ ہے۔

(۳۲)___ وزیر ابن ہبیرہ حنبلی (متوفی ۵۶۰ھ) نے اختلاف ائمۃ العلماء کے نام سے ایک کتاب لکھی اس کتاب کو کبھی کبھی الافصاح اور الایضاح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب دراصل ان کی مشہور کتاب الافصاح عن معانی

الصحاح کا ایک حصہ ہے۔ ان کی ایک دوسری کتاب "الاشراف علی مذاہب الاشراف کے نام سے ہے۔

(۳۳)— کاسانی حنفی (متوفی ۵۸۷ھ) نے بدائع الصنائع تصنیف کی۔ یہ کتاب اصلاً فقہ حنفی میں ہے لیکن اس میں فقہ حنفی کا فقہ شافعی کے ساتھ موازنہ بھی ہے۔

(۳۴)— ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) کی کتاب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد بھی اختلاف فقہاء کے موضوع پر ہے۔

(۳۵)— ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) کی کتاب المغنی، فقہ حنبلی اور فقہ مقارن کے موضوع پر ہے۔

(۳۶)— ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن یوسف بن جزی بن سعید کلبی جو اہل غرناطہ میں سے ہیں انہوں نے کتاب "القوانین الفقہیۃ فی تلخیص المذہب المالکیۃ والتنبیہ علی مذہب الشافعیۃ والحنفیۃ والحنابلۃ" تصنیف فرمائی۔ ان کی وفات ۷۴۱ھ میں یا ۷۵۸ھ میں ہوئی۔ یہ کتاب بہت عمدہ ہے۔ مصنف اس کتاب میں مسائل کے فقہاء کی آراء کی وضاحت کرتے ہیں موصوف کا شمار فقہ مقارن کے فقہاء میں سے ہے۔

(۳۷)— ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کی چوتھی قسم میں اختلاف فقہاء کے مسائل پر بحث و گفتگو کی ہے۔

(۳۸)— ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعی (متوفی ۷۸۰ھ) نے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ کے نام سے کتاب تصنیف کی۔

(۳۹)— ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے اپنی کتاب القواعد کا تتمہ مسائل اختلاف کی وضاحت کے لئے مخصوص کیا ہے جس میں انہوں نے مذہب حنبلی کے اکیس مشہور اختلافی مسائل ذکر کئے۔

Marfat.com

(۴۰) — اختلافِ فقہاء ہی کے موضوع پر شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی (متوفی ۹۷۳ھ) کی کتاب المیزان الکبریٰ ہے۔ یہ کتاب شائع اور معروف ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب نے امام الحرمین کی کتاب الدرۃ المضیئۃ کے مقدمۂ تحقیق میں اختلافِ فقہا کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا استقصاء کیا تو ان کتابوں کی تعداد اسّی سے زیادہ تک پہونچ گئی۔ اس سے پہلے جرمنی مستشرق "کرن" نے ابن جریر طبری کی اختلاف الفقہاء کے مقدمۂ تحقیق میں اختلافِ فقہا کے موضوع پر کتابوں کا استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ اس بارے میں مزید تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ ان دونوں کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

(ج) (۱) اس علم میں ابتدائی مرحلہ میں جو تصنیفات سامنے آئیں ان میں دفاعی رنگ غالب تھا۔ ہر فقیہ اپنے مسلک کی آراء کا دفاع کرنے میں اس علم کو استعمال کرتا اور دوسرے مذاہب کی آراء صرف تردید کرنے کے لئے بیان کرتا۔ لہٰذا اس مرحلہ کی تصنیفات کو عصر حاضر کی مروج اصطلاح کے اعتبار سے مقارنہ (غیر جانب دارانہ موازنہ) نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مقارنہ میں کسی نہ کسی حد تک معروضی مطالعہ فیصلے میں غیر جانب داری اور تلاشِ حقیقت کا جذبہ ضروری ہوتا ہے اور یہ تمام باتیں دفاعی انداز میں مفقود تھیں۔

(۲) — اس علم کی تاریخ کے دوسرے مرحلہ میں ایسی کتابیں سامنے آئیں جن میں مقارنہ (غیر جانب دارانہ موازنہ) کا رنگ پایا جاتا ہے جن میں فقیہ اپنا کوئی موقف اختیار کئے بغیر فقہا کی مختلف آراء کو معروضی انداز میں پیش کرتا ہے اگرچہ اس پیش کرنے اور مناقشہ کی سلوٹوں سے کبھی کبھی اس کے رجحان کا پتہ چل جاتا ہے۔

طبری (متوفی ۳۱۰ھ) پہلے شخص ہیں جنھوں نے مقارنہ اور معروضی مطالعہ کا طریقہ اپنی کتاب "اختلاف الفقہاء" میں برتا۔ ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) نے

Marfat.com

بھی اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" میں اسی روش کی پیروی کی۔ ابن رشد اس بات میں کامیاب ہیں کہ انھوں نے مختلف مذاہب کے احکام کا موازنہ کرنے کے دوران فقہا کے طرز استدلال کا پتہ لگایا ہے، ہر مسئلہ میں مختلف آراء کا موازنہ کرنے سے فقہا مجتہدین کے درمیان اختلاف کے اسباب کا یقینی علم ہو جاتا ہے۔

دو شافعی فقیہوں نے بھی اسی معروضی انداز کی پیروی کی ہے ان میں ایک دمشقی (متوفی ۷۸۰ھ) ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ" میں بہت سے اختلافی اور اتفاقی مسائل دلیل اور علت بیان کئے بغیر ذکر کئے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اختلاف پر اکتفا کرنے کے بجائے دوسرے ائمہ مجتہدین کے اختلافات کو بھی انتہائی سہل اسلوب میں پیش کیا ہے۔ دوسرے شافعی فقیہ شعرانی (متوفی ۹۷۳ھ) ہیں انھوں نے اپنی المیزان الکبریٰ میں فقہا کی مختلف آراء کو دو پلڑوں میں رکھا ہے۔ جن آراء میں شدت ہے انھیں ایک پلڑے میں رکھا اور جن آراء میں آسانی و سہولت ہے انھیں دوسرے پلڑے میں رکھا۔ اسی لئے اپنی کتاب کا نام المیزان الکبریٰ رکھا۔ بعض وہ حضرات جو تقابلی مطالعہ کے قائل نہیں انھوں نے شعرانی کے ان موازنوں کو بنیاد بنا کر ان کے طریقہ تصنیف پر نقد کیا ہے۔

(۳) — علم اختلاف فقہاء کا تیسرا مرحلہ اس طرح نمودار ہوتا ہے کہ ایک معین مذہب کے نقطۂ نظر سے فقہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے دوسرے مذاہب کی طرف اشارہ تک نہیں کیا جاتا۔ الا یہ کہ دوسرے مذہب کی رائے کے اہم ہونے یا کسی خصوصیت کی بنا پر اپنے مذہب کی رائے واضح کرنے کے لئے اس کی سخت ضرورت ہو۔ اس طریقہ کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس کے اندر ہر مسئلہ میں خواہ کتنا ہی چھوٹا مسئلہ ہو فقہی مذاہب کی آراء کا موازنہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) نے المختصر میں اس طریقہ کو استعمال کیا ہے۔ فقہ حنفی کی جامع ترین کتاب

بدائع الصنائع میں یہی طریقہ اپنایا گیا، لیکن فقہ شافعی کے ساتھ موازنہ بھی اس کتاب میں پایا جاتا ہے۔

معروضی انداز مطالعہ کا بہترین نمونہ ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) کی المغنی ہے۔ ابن قدامہ نے اس کتاب میں بڑے کمال اور مہارت کے ساتھ تقابلی مطالعہ کے طریقہ کو برتا ہے۔ المغنی میں مصنف اگرچہ اصلاً خرقی (متوفی ۳۳۴ھ) کی کتاب کی شرح کرتے ہوئے فقہ حنبلی کو پیش کرتے ہیں لیکن جہاں ضرورت ہوتی ہے اور ائمہ میں اختلاف اصولی اور بنیادی ہوتا ہے وہاں ابن قدامہ مختلف فقہی مذاہب کی آراء، نیز ان مذاہب کی نشوونما سے پہلے کی فقہی آراء کو بھی بہت سلیقے سے پیش کرتے ہیں۔ مخالف رائے کا تذکرہ ضرورت اور حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے کبھی اس سلسلہ میں محض ایک لفظ پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی پورا صفحہ اس کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ابن قدامہ اس بات کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ جن مسائل میں مختلف مذاہب فقہیہ میں اتفاق ہے ان کی بھی وضاحت کریں۔ اس طرح ان کے تقابلی مطالعہ میں اختلاف کے وجوہ اور اتفاق کے وجوہ دونوں اجاگر ہو جاتے ہیں۔

المغنی سے پہلے ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) نے المحلی کے اندر اس طریقہ کو برتا ہے لیکن مخالفین کی آراء پر بحث کرتے ہوئے ان کا لہجہ بہت تیز و تند ہو جاتا ہے۔

اس طریقہ تصنیف کا استعمال ابن قدامہ کے بعد بھی جاری رہا چنانچہ سیاغی (متوفی ۱۲۲۱ھ) نے الروض النظیر شرح مجموع الفقہ الکبیر" میں (جو فقہ زیدی کی اہم ترین کتاب ہے) اس طریقہ کو استعمال کیا ہے۔ فقہ اباضی کی اہم ترین کتاب شرح النیل وشفاء العلیل میں بھی ہمیں یہی طریقہ تصنیف نظر آتا ہے اس کتاب کے مصنف محمد بن یوسف عطفیش ہیں۔

(۴) — جب عالم اسلام کے مختلف ممالک میں مختلف فقہی مذاہب پھیل گئے (ترکی اور ہندوستان میں حنفی مذہب کا رواج ہوا۔ افریقہ کے شمالی حصہ میں فقہ مالکی کو قبولیت حاصل ہوئی، انڈونیشیا میں شافعی مذہب

Marfat.com

پھیلا، جزیرۃ العرب میں حنبلی مذہب مقبول ہوا) اور اجتہاد کا عمل موقوف ہوگیا تو نویں صدی ہجری سے فقہا کی توجہ اپنے مخصوص مذاہب کے مطالعہ، ایک مذہب کے اندر اختلاف کے وجوہ کی بحث پر ہوگئی۔ خواہ یہ اختلاف مذہب کے مؤسس اور ان کے شاگردوں کے درمیان ہو یا مختلف شاگردوں کے درمیان ہو۔ اس بحث نے ترقی کر کے ایک ہی مذہب کے اندر قواعد ترجیح وضع کرنے کی شکل اختیار کر لی تاکہ ہر مسئلہ میں راجح رائے متعین کی جاسکے اور اس کی بنیاد پر فتوے دیئے جائیں اور فیصلے کیے جائیں، مثلاً دولت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں مذہب حنفی کے راجح قول کی طرف رجوع کرنے کا معمول ہوگیا اور اس سلسلہ میں ابن عابدین کی رد المحتار کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس رجحان کے بڑھنے سے ہر ملک میں وہاں پر رائج مذہب کے سلسلے میں فقہی بحث و مطالعہ پر خصوصی توجہ کی جانے لگی۔

(د) ایک ہی مذہب کے اندر اختلافی مسائل کے پیش کرنے کا کیا طریقہ تھا اس کا ایک نمونہ ہم دبوسی کی کتاب تاسیس النظر سے پیش کرتے ہیں۔ اس مثال میں امام ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ذمیوں کا جو عقیدہ اور جو مذہبی حکم ہو اس پر انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک انہیں احکام اور معاملات کے بارے میں آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس اختلاف پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

ذمی نے اگر ذمی عورت سے دوسرے شوہر کی مدت کے اندر شادی کر لی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

ذمی مرد نے اگر کسی ایسی عورت سے شادی کر لی جس سے نکاح

Marfat.com

کرنا اسلامی شریعت میں حرام ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب تک وہ دونوں مرد اور عورت مسلمان حاکم کے پاس خود مقدمہ لے کر نہ آئیں ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر دونوں میں سے ایک نے بھی مسلمان حاکم کے یہاں مقدمہ دائر کیا تو تفریق کر دی جائے گی۔

اگر ایک مجوسی نے اپنی ماں سے نکاح کیا اور وطی بھی کی پھر اسلام قبول کر لیا اس کے بعد کسی انسان نے اس پر زنا کا الزام لگایا۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک الزام لگانے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک مجوسی مرد اور اس کی ماں اسی نکاح کی حالت میں باقی رکھے گئے تھے، لہٰذا ماں سے وطی کرنا اس کے لئے زنا نہیں ہوا، اس لئے اسے زانی کہنے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک حد نہیں جاری کی جائے گی۔

مجوسی نے اگر کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے اس کا نکاح کرنا اسلامی شریعت میں حرام ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک مجوسی مرد کے ذمہ اس عورت کا نفقہ لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں اسی نکاح پر برقرار رکھے جائینگے اور صاحبینؒ کے نزدیک مجوسی مرد کے ذمہ نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کا عقدِ نکاح باقی نہیں رکھا جائے گا۔

اگر ایک ذمی نے ذمی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ عورت کو کوئی مہر نہیں دے گا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ نکاح درست ہے اور عورت مہر کی مستحق نہیں ہوگی، اگرچہ دونوں اسلام لے آئے ہوں اور صاحبینؒ کے نزدیک اسلام لانے کے بعد اس عورت کے لئے مرد کے ذمہ مہرِ مثل واجب ہوگا، اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو تو متعہ ہوگا۔[1]

---

[1] تاسیس النظر: دبوسی ص ١٩، ٢٠

(۵) ہم ایک دوسری مثال ابن رشد کی کتاب "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" سے پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ بعد کے مرحلہ میں اختلافِ فقہا پیش کرنے کا کیا انداز تھا۔ یہ نمونہ باب الہبۃ سے لیا گیا ہے:

باب ہبہ کے مشہور مسائل میں سے ہبہ سے رجوع کرنے کے جواز کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں امام مالکؒ اور مدینہ کے تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ باپ نے بیٹے کو جو کچھ ہبہ کیا ہے اس سے رجوع کر سکتا ہے بشرطیکہ بیٹے نے نہ نکاح کیا ہو اور نہ کسی نئے دَین کا معاملہ کیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس پر غیر کا کوئی حق مرتب نہ ہوا ہو اور ماں کو بھی اختیار ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کر لے بشرطیکہ باپ زندہ ہو۔ امام مالکؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ماں رجوع نہیں کر سکتی۔

امام احمد اور ظاہریہ کا مسلک ہے کہ کوئی شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ ہر شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کر سکتا ہے الا یہ کہ اس نے اپنے کسی قریبی عزیز کو ہبہ کیا ہو۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ جس ہبہ میں صدقہ کی نیت ہو اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ میں ائمہ کے اختلافات کا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں متعارض آثار وارد ہیں۔

جن لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا بالکل جائز نہیں انھوں نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے ہبہ سے رجوع کرنے والے کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو دوبارہ چاٹتا ہے۔"

لہ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ج ۲، ص ۳۲۱-۳۲۲، طبع مصر

جن لوگوں نے ماں باپ کا استثنا کیا ہے اور ان دونوں کے لئے ہبہ سے رجوع کرنا جائز کہا ہے ان کی دلیل طاؤس سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی ہبہ کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے ہبہ سے رجوع کرے سوائے والد کے" اور انھوں نے ماں کو باپ پر قیاس کیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر طاؤس کی حدیث متصل ہوتی تو میں اسے اختیار کر لیتا، بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسین المعلم کی سند سے متصل ہے، اور حسین المعلم ثقہ ہیں۔

جن لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ قریبی عزیزوں کے علاوہ دوسروں کو دیتے ہوئے ہبہ سے رجوع کرنا جائز ہے انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جو شخص صلہ رحمی کے لئے یا بطورِ صدقہ ہبہ کرے وہ رجوع نہیں کر سکتا اور جو شخص محض ثواب کے لئے کوئی ہبہ کرے وہ اپنے ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے"۔

یہ لوگ دلیل میں یہ بات بھی پیش کرتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی معاوضہ لئے بغیر کوئی چیز ہبہ کی، اس کے ذمہ یہ ہبہ لازم نہیں ہوتا جیسے اگر اس سے وعدہ کیا جاتا تو اس میں لزوم پیدا ہوتا ہے لیکن بطور صدقہ جو ہبہ کیا جائے اس کے لازم ہونے پر اتفاق ہے۔

مدینہ کے جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس شخص نے بیٹے پر صدقہ کیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ تو صدقہ کرنے والا ہی اس کا وارث ہوگا۔ مالکؒ کی مرسل روایات میں ہے کہ خزرج کے ایک انصاری شخص نے اپنے والدین پر ایک صدقہ کیا پھر والدین کا انتقال ہوگیا۔ تو بیٹا ہی اس مال کا وارث ہوا، وہ مال کھجور کا درخت تھا اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "تمھیں صدقہ کا ثواب مل گیا۔

Marfat.com

یہ ہے کہ امام مسلم نے روایت کی ہے عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت
کی ہے، عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں: یہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا
کہ میں نے اپنی ماں کو ایک باندی ہبہ کی تھی، وہ اب فوت ہو گئی ہیں اور
میراث میں وہ باندی چھوڑی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا
اجر ثابت ہو گیا اور وہ باندی تمہیں میراث میں واپس مل گئی۔

علماء یہ کہتے ہیں کہ ہبہ سے رجوع کرنا مکروہ ہے کیونکہ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے اس گھوڑے کے بارے میں
جو انہوں نے ہبہ کیا تھا فرمایا: کہ اسے مت خریدو کیونکہ اپنے ہبہ سے رجوع
کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے۔ اس حدیث کی صحت
پر اتفاق ہے۔

قاضی ابن رشد کہتے ہیں کہ ہبہ سے رجوع کرنا محاسن اخلاق میں نہیں
آتا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محاسن اخلاق کی تکمیل ہی کے لئے مبعوث
کیے گئے۔ اس سلسلے میں اتنا کافی ہے۔

۲ — اصول پر فروع کی تخریج

(الف) ۱ — علم اختلاف فقہا کا مقصد اس سوال کا جواب دینا ہے کہ ایک
متعین فرعی مسئلہ کے حکم میں فقہا میں اختلاف کیوں ہوتا ہے نیز ان اصولوں
کا پتہ لگانا ہے جن پر اختلافی مسائل میں فقہی آراء کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس کے
بالمقابل تخریج الفروع علی الاصول (اصول پر فروع کی تخریج) کا مقصد اس
سوال کا جواب دینا ہے کہ فرعی مسائل پر اصول کا کیا اثر پڑتا ہے۔
۲ — تھوڑا غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں علوم

کا حاصل ایک ہی ہے یعنی اصول و فروع کے درمیان جمع کرنا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اصول کے فروع پر اثرات کیا ہیں۔

۳ــــ ان دونوں علوم میں جو عمل ہوتا ہے وہ اصول کو نظریاتی بحث سے نکال کر عملی میدان میں لے آتا ہے۔

۴ــــ یہ عمل اصولِ فقہ کی ان کتابوں کے مطالعہ میں مفید و معاون ہوتا ہے جو متکلمین کے انداز میں لکھی گئی ہیں کیونکہ متکلمین کے انداز پر اصولِ فقہ کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں وہ خالص عقلی انداز میں اصولی قواعد کے بارے میں بحث کرتی ہیں ان کے ثبوت و عدم ثبوت کے اعتبار سے اور ان کے صحیح یا باطل ہونے کے اعتبار سے، ان کتابوں میں اس بات کا جائزہ نہیں ہوتا کہ فقہی فروعات پر ان اصولوں کے اثرات کیا ہیں یہ کتابیں اپنے بیشتر مسائل اور مباحث میں فقہی مادہ سے خالی ہوتی ہیں: اس لئے ان کتابوں کا مطالعہ کرنے والے کو تخریج الفروع علی الاصول کے فن میں تصنیف کردہ کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ ہر اصولی قاعدہ کا فروع پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔

متکلمین کے طرز پر تصنیف شدہ اصول فقہ کی کتابوں میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اصول و مباحث کی وضاحت کے لئے فقہی مثالوں کو بھی ذکر کیا جائے، امام غزالی کی کتاب شفاء العلیل اور ابن السبکیؒ کی کتابوں "رفع الحاجب عن ابن الحاجب" اور "الابہاج لشرح المنہاج" میں یہی انداز ملتا ہے۔

۵ــــ جو کتابیں متکلمین کے طرز پر لکھی گئیں اور ان میں جا بجا فقہی فروعات کا ذکر کیا گیا۔ ان میں اور ان کتابوں میں جو فقہاء کے طرز پر لکھی گئیں ان میں بھی جا بجا فقہی فروع کا ذکر آیا فرق یہ ہے کہ پہلی قسم کی کتابوں میں فروع کا تذکرہ محض اصولی قاعدہ کے اثرات کی وضاحت کے لئے ہوتا ہے

اصولوں کی صحت پر استدلال کے واسطے نہیں ہوتا اور دوسری قسم کی کتابوں میں اصولی قاعدہ کے ثابت کرنے یا اس کی صحت پر استدلال کرنے کیلئے فقہی فروع کا ذکر ہوتا ہے۔

٦ ــــ یہ دوسری قسم کی کتابیں یعنی جو فقہاء کے طرز پر لکھی گئیں ان اولین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں جن میں فروع پر اصول کے اثرات کے موضوع کو چھیڑا گیا ہے۔

(ب) ١ ــــ اس سلسلے میں سب سے پہلی کتاب جو ہمیں متوجہ کرتی ہے دبوسی حنفی (متوفی ۴۳۰ھ) کی "تاسیس النظر" ہے دبوسی نے اگرچہ یہ کتاب ان اصولوں کی وضاحت کے لئے تصنیف کی جو مذہب حنفی کے درمیان اختلافات اور حنفی فقہا اور امام مالک وامام شافعی کے درمیان اختلافات کی بنیاد ہیں۔ دبوسی کا مقصد خاص طریقہ پر یہ نہیں تھا کہ فروع پر اصول کے اثرات کا جائزہ لیں پھر بھی یہ کتاب کچھ ایسے اصولی قواعد سے خالی نہیں جن کی طرف اختلاف کی صورت میں رجوع کیا جاتا ہے۔

٢ ــــ دوسری کتاب زنجانی (متوفی ۶۵۶ھ) کی "تخریج الفروع علی الاصول" ہے اس کتاب کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فروع پر اصول کے اثرات کے سلسلے میں یہ سب سے پہلی فنی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں صرف احناف اور شوافع کے اصول اور ان اصولوں پر مبنی فروع کو بیان کیا گیا ہے دوسرے فقہی مذاہب کے اصولوں سے تعرض نہیں کیا گیا ہے ہم تھوڑی دیر بعد اس کتاب کا کچھ مفصل جائزہ لیں گے۔

٣ ــــ اس کے بعد تیسری کتاب امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی تلمسانی (متوفی [illegible]) کی "مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول" ہے اس کتاب میں مصنف نے ان اصولی مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن کے

Marfat.com

بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس کے بعد فقہ حنفی فقہ مالکی اور فقہ شافعی پر ان اصولوں کے اثرات کی وضاحت کی ہے یہ کتاب اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن بابصیرت محقق کے لئے اس کتاب میں غیر معمولی فوائد ہیں اس کتاب کا یہ خاص امتیاز ہے کہ اس میں تینوں ائمہ کی فقہ پر اصولی قواعد کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۴ــــ ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب "القواعد والاشباہ والنظائر" کی چوتھی اور پانچویں قسم ان کلامی اصولی اور نحوی مسائل کے لئے مخصوص کی جن پر فقہی فروعات مبنی ہیں گذشتہ مباحث میں ہم اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

۵ــــ اسنوی (متوفی ۷۷۲ھ) نے اپنی دو کتابیں تخریج الفروع علی الاصول کے علم کے لئے مخصوص کر دی ہیں (۱) "التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول" (۲) "الکوکب الدری فی تخریج الفروع الفقہیۃ علی المسائل النحویۃ" اس کتاب پر ہم گذشتہ بحث میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

۶ــــ ایک گمنام شیعہ مصنف کی کتاب کشف الفوائد من تمہید القواعد کا مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اسنوی کے انداز پر یہ کتاب لکھی ہے کتاب کے آخر میں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں فقہی ابواب کی ترتیب سے کتاب میں مذکور مسائل کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ مصنف نے ۹۶۱ھ میں یہ کتاب مکمل کی[1]

۷ــــ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی (متوفی ۱۰۰۴ھ) کی کتاب الوصول الی قواعد الاصول ہے۔ یہ کتاب مخطوطہ ہے مصنف نے کتاب کے

---

[1] ڈاکٹر ادیب ص ۲۱۰۲۰-

مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس طرز کی پیروی کی ہے جو اسنوی نے التمہید میں اختیار کیا ہے۔[1]

۸۔ معاصر مصنفین میں سے ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن نے اس موضوع پر بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیۃ فی اختلاف الفقہاء"۔

ج ا۔ زنجانی کی کتاب تخریج الفروع علی الاصول اس موضوع پر کامیاب کوشش اور بہترین نمونہ ہے اس کتاب میں مصنف نے بڑی خوبصورتی سے فقہی احکام کے جزئیات و فروع کا رشتہ فقہی اصول و ضوابط قواعد و کلیات سے واضح کیا ہے لیکن مصنف کی یہ کوشش مذہب شافعی اور مذہب حنفی کے اختلافات کی حد تک محدود تھی۔ ان دونوں مذاہب میں جن فقہی مسائل میں اختلاف ہے۔ ان اختلافات کے اصولوں کی وضاحت اچھی طرح کتاب میں آ گئی ہے۔

اس کتاب میں فقہ کے تمام اختلافی جزئیات کا احاطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اکثر جزئیات کو لیا گیا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اکثر فقہی ابواب کا استیعاب اس کتاب میں موجود ہے مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ "میں نے اس اصولی مسئلہ سے آغاز کیا ہے جس کی طرف ہر قاعدہ میں فروع لوٹتے ہیں اور اس سلسلہ میں دونوں مذاہب کی جو بنیادی اور بڑی دلیل ہے اس کو درج کیا ہے پھر اس سے پیدا ہونے والے جزئیات کو اس اصولی مسئلہ کی طرف لوٹایا ہے اس طرح یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود اصول کے قواعد کی ماؤں اور فروع کے قوانین کی جامع ہو گئی ہے اور میں نے اختصار کی خاطر

۱؎ ڈاکٹر ادیب ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

انھیں مسائل کو ذکر کیا ہے جن کے اختلافات کی وضاحت کتاب میں شامل ہے اور اس کتاب میں مذکور مسائل غیر مذکور مسائل کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسائل متفرع کرنے پر قدرت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ فرعی احکام اور ان کے ادلہ کے درمیان وجہ ارتباط کی واقفیت ہو، جو شخص فروع اور اس کے ادلہ (یعنی فقہ کے چاروں اصول) کے درمیان وجہ ارتباط کی واقفیت نہیں رکھتا اس کے لئے مسائل متفرع کرنا ممکن نہیں۔

مصنف کے سامنے چونکہ مذکورہ بالا مقصد تھا اس لئے یہ بات بھی بالکل فطری تھی کہ نہ وہ ایسی کتاب لکھیں جس میں اصول فقہ یا قواعد فقہیہ کا بیان ہو اور نہ ایسی کتاب لکھیں جس میں صرف فقہی فروعات ہوں، اس لئے انھوں نے ایسی کتاب لکھنی چاہی جو واضح طریقہ پر اصول وفروع کے درمیان جامع ہو۔ زنجانی سے پہلے کسی نے اس طرز پر کتاب نہیں لکھی تھی۔ ان کا مقصد اس راستہ کی رہنمائی تھی جس سے احکام کے اصول پر فروع کے مبنی ہونے کی معرفت حاصل ہو جائے اور جزئیات کو کلیات کی طرف لوٹایا جا سکے تاکہ احکام متفرع کرنا اور نت نئے واقعات وحوادث کا شرعی حل تلاش کرنا ممکن ہو۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں احناف اور شوافع کے مذہب پر اکتفا کیا ہے صرف طلاق کے باب میں امام مالکؒ کا ایک مسئلہ نقل کیا ہے۔ (ص ۱۲)

زنجانی نے اصولِ فقہ کے مسائل پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ قواعد فقہیہ سے بھی تعارض کیا ہے حتی کہ بعض اوقات اصول کا لفظ مجازاً اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس کے اندر اصولِ فقہ کے ساتھ فقہی قواعد بھی آ گئے ہیں۔

۲ ــــ یہاں ہم زنجانی کی کتاب سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں موصوف مسائل اجارہ کے تحت لکھتے ہیں: "امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ منافع ایسی شیئت ہیں جو محل کے ساتھ قائم ہیں، منافع کو اجارہ یا اعیان کی حیثیت دیدی گئی ہے، اس نظریہ کی بنا پر امام شافعیؒ نے منافع کے لئے اعیان کے احکام ثابت کئے ہیں۔ امام شافعیؒ کے مشہور الفاظ میں سے یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: اجارہ بیع ہی کی ایک قسم ہے پھر امام شافعی نے فرمایا کہ اجارہ میں جن منافع پر عقد ہوتا ہے وہ منافع عقد اجارہ ہوتے ہی اجرت پر لینے والے کی ملکیت ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان منافع کی وصولی رفتہ رفتہ ہوتی ہے امام شافعیؒ نے اپنے اس نظریہ پر دو باتوں سے استدلال کیا ہے پہلی بات عقد اجارہ کا جائز ہونا دوسری بات معدوم کی بیع کا ناجائز ہونا۔

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کا مسلک یہ ہے کہ جن منافع پر عقد اجارہ طے پاتا ہے وہ تمام منافع عقد اجارہ ہوتے ہی اجارہ پر لینے والے کی ملکیت نہیں ہو جاتے بلکہ جوں جوں انکا وجود ہوتا ہے وہ ملکیت میں آتے جاتے ہیں۔

اس نظریہ پر ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ عقد اجارہ ہوتے وقت منافع معدوم ہیں لہذا خود گھر کا مالک ان منافع کے وجود سے پہلے ان کا مالک نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ بات محال ہے کہ جو شخص خود مالک نہ ہو وہ دوسرے کو مالک بنا دے۔

احناف نے مزید کہا کہ یہ صورت حال قیاس کے اعتبار سے اس بات کی متقاضی تھی کہ اجارہ سرے سے باطل ہوتا کیونکہ عقد کے لئے کوئی ایسا محل ضروری ہے جو ملکیت میں ہو اس کی حوالگی ممکن ہو اور وہ معین ہو یہ تینوں اوصاف عقد میں ہونے ضروری ہیں لیکن یہاں ان تینوں اوصاف

کی شرط ایک نائب کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے اور وہ نائب جوان تینوں اوصاف کے قائم مقام ہے یہی گھر ہے جس کی جوانگی ممکن ہے گھر کے نائب ہونے کی وجہ اس طرح بیان کی ہے کہ گھر منافع کا سبب ہے اور یہی اس کے وجود کا سبب ہے، اور احکام کبھی معانی کے اسباب سے مربوط ہوتے ہیں تو اس صورت میں ان اسباب کو ان معانی کے اعیان کا درجہ دیدیا جاتا ہے۔

اسی لئے کفر اور اسلام کا حکم زبان سے بولے ہوئے کلموں سے مربوط ہے دل میں پوشیدہ عقیدہ سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

نماز میں قصر اور روزہ نہ رکھنے کی گنجائش، سفر سے مربوط ہے۔ مشقت سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ عدت وطی سے مربوط ہے خواہ استقرارِ حمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

مکلّف ہونا اسلام اور بلوغ سے مربوط ہے اس بات سے قطع نظر کہ اس شخص کو ہدایت ملی ہو یا نہ ملی ہو ملکیت پر شہادت، قبضہ اور تصرف سے مربوط ہے، اس طرح کی اور بیشمار مثالیں ہیں۔

ان تمام مسائل کی وجہ یہ ہے کہ معانی کی پیروی دشوار ہے لہذا احکام کو ان معانی کے ظاہری اسباب سے جوڑ دیا گیا اور ان خفی معانی ومقاصد کا اعتبار ختم کر دیا گیا۔ اگرچہ وہی معانی ہی مطلوب تھے۔

اسی طرح منافع میں قدرت اور ملکیت کا اعتبار عرض ہے کیونکہ یہ منافع دو زمانوں تک باقی نہیں رہتے جو منفعت وجود میں آچکی وہ باقی نہیں رہتی کہ اس پر عقد اجارہ کیا جائے اور جو منفعت ابھی وجود میں نہیں آئی وہ معدوم ہے اس میں ان شرطوں کا اعتبار ناقابل تصور ہے، لہذا اس گھر کو جو منافع کے وجود میں آنے کا سبب ہے منافع کے قائم مقام مان لیا گیا اور ان شرائط کو اسی گھر کے ساتھ مربوط کر دیا گیا تاکہ عقدِ اجارہ صحیح ہو سکے۔

اس اصولی اختلاف سے مختلف مسائل متفرع ہوتے ہیں :
(۱) ہمارے نزدیک مطلق اجارہ میں عقد اجارہ ہوتے ہی اجرت مالک مکان کی ملکیت ہو جاتی ہے جس طرح سامانوں کی فروختگی میں قیمت فروخت کرنے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے اور احناف کے نزدیک اجرت پر مالک مکان کی ملکیت تھوڑی تھوڑی ہر ہر دن یا ہر ہر گھڑی ثابت ہو گی منافع کے وجود میں آنے کے اعتبار سے ۔
(۲) ہمارے نزدیک مشترک چیز کو اجارہ پر دینا جائز ہے جس طرح مشترک چیز میں سے اپنے حصّہ کی بیع تقسیم سے پہلے جائز ہوتی ہے اور احناف کے نزدیک مشترک چیز کو اجارہ پر دینا جائز نہیں اس لئے کہ منافع پر قبضہ کرنا فعل کے بغیر ممکن نہیں اور شائع منفعت کا وصول کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ رہائش اور پہننا ایسے افعال ہیں جن کے حصّے ٹکڑے نہیں ہو سکتے مشترک چیز کی بیع میں یہ صورت حال نہیں ہے ۔
(۳) اجرت پر لینے والے کی موت سے ہمارے نزدیک اجارہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ عقد اجارہ ہوتے ہی اجارہ پر لینے والا کامل طور پر منافع کا مالک ہو گیا ۔ لہذا منافع کی ملکیت مرنے والے کے ورثاء کو میراث میں ملے گی اور احناف کے نزدیک اجرت پر لینے والے کی موت سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ منافع پر ملکیت منافع کے وجود میں آنے پر مرتب ہوتی ہے اور اس صورت میں مالک بننے سے پہلے ہی اجرت پر لینے والے کا انتقال ہو گیا ۔ احناف کا یہ استدلال اس مسئلہ سے باطل ہو جاتا ہے کہ جو شخص شکار کے واسطے جال پھیلائے اس جال میں کوئی شکار جال پھیلانے والے کی موت کے بعد پھنس جائے تو اس کا وارث اس شکار کا مالک ہو جاتا ہے کیونکہ شکار کا سبب شکاری کی زندگی ہی میں پایا گیا تھا ۔ اسی طرح یہاں پر بھی چونکہ عقد اجارہ جو منافع کی ملکیت کا

Marfat.com

سبب سے اس شخص کی زندگی ہی میں وجود میں آگیا تھا اس لئے میراث جاری ہونی چاہیئے۔

(۴) اجرت پر دینے والے کا اگر انتقال ہو جائے تو ہمارے نزدیک عقدِ اجارہ فسخ نہیں ہوتا کیونکہ منافع پر سے اس کی ملکیت ختم ہونے کے بعد اس شخص کا انتقال ہوا ہے، لہٰذا اس کی موت سے وہ منافع اجرت پر دینے والے شخص کے ورثاء کی ملک میں نہیں آئیں گے۔ احناف کے نزدیک اجارہ فسخ ہو جائے گا اس لئے کہ یہ ایسا عقد ہے جس میں ملکیت تدریجاً منافع کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ ثابت ہوتی ہے لہٰذا اجرت پر دینے والے کی موت کے بعد جو منافع وجود میں آرہے ہیں۔ وہ مرنے والے کے زمانہ ملک میں وجود پذیر نہیں ہو رہے ہیں۔ لہٰذا مورث کا کیا ہوا عقدِ اجارہ اس کی موت کے بعد وجود میں آنے والے منافع کو شامل نہ ہوگا۔

(۵) اجارہ کو اگلے سال کی طرف منسوب کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ جن منافع پر عقد ہو رہا ہے ان کی حوالگی دشوار ہے، اور احناف کے نزدیک صحیح ہوتا ہے کیونکہ ان کے مسلک کے اعتبار سے منافع جس طرح تھوڑے تھوڑے وجود میں آرہے ہیں اسی طرح عقدِ اجارہ بھی تدریجاً وجود میں آتا ہے، احناف کہتے ہیں کہ جب اجارہ اصلاً اسی طرح منعقد ہوتا ہے تو عقد کرتے وقت اس کی صراحت کر دینا اجارہ کی صحت میں مخل نہ ہوگا۔

(۶) مالک مکان نے جس شخص کے لئے مکان میں رہائش کی وصیت کر دی تھی، اگر اس کا انتقال ہو جائے تو ہمارے نزدیک یہ حقِ رہائش بطور میراث اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا اور احناف کے نزدیک اوپر ذکر کردہ دونوں اصولوں کی بنیاد پر اس میں میراث جاری نہیں ہوگی[1]

[1] زنجانی ص ۱۱۳-۱۱۷۔

Marfat.com

۴ــــ شاید یہاں یہ بات مفید ہو کہ زنجانی نے تخریج الفروع علی الأصول میں اور دبوسی نے تاسیس النظر میں جو طریقہ اپنایا ہے ان دونوں کے طریقوں کے اہم فرقوں کی طرف یہاں اشارہ کر دیا جائے۔

(۱) دبوسی کا اصل مقصود ان اصولوں کی وضاحت تھی جو علمائے فقہاء کے درمیان اختلاف کی بنیاد بنتے ہیں انھوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا تھا کہ تمام فقہی ابواب کا استقصاء کر کے ہر باب کے اصول پر فروع کی تخریج کریں۔ دبوسی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس اصل کا ذکر کرتے ہیں جو مدار اختلاف ہوتا ہے پھر اس سے متفرع ہونے والے مسائل کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ وہ مسائل فقہ کے کسی متعین باب کے ہوں، کبھی وہ مسائل ایک ہی باب کے ہوتے ہیں اور کبھی مختلف ابواب کے۔ اس کے برخلاف زنجانی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ابواب فقہیہ کا جائزہ لے کر ہر باب کے اصول پر فروع کی تخریج کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ کام فقہ شافعی اور فقہ حنفی کے دائرے میں ہے۔

دبوسی کے نزدیک اہم چیز یہ ہے کہ وہ فقہ کے مختلف ابواب میں بکھرے ہوتے مسائل کو اس اصل کی طرف منسوب کریں جس سے وہ مسائل متفرع ہیں۔ اس کے برخلاف زنجانی کا منہج یہ ہے کہ وہ ہر فقہی باب اور کتاب کی فروعات کو فقہی اصول و قواعد کے ساتھ منضبط کرنا چاہتے ہیں کہ تمام فروع ایک لڑی میں پرو دیئے جائیں تاکہ ان فروع کو اس خاص کتاب یا باب کے تحت درج کیا جانا مناسب معلوم ہو۔ اسی غرض سے کبھی وہ ایک فقہی باب میں چند ضوابط درج کر کے اس باب کی جزئیات کو ان ضوابط میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب کی سب جزئیات عام حالات میں اس باب سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس طرح ہمارے سامنے ایک طرف مذہب شافعی اور مذہب حنفی

کے فقہی فروعات کو منضبط کرنے کی ایک کوشش آتی ہے دوسری طرف اس بات کی پابندی بھی باقی رہتی ہے کہ فقہاء کی معروف تقسیمات کے پہلو بپہلو فروع کو منضبط کرنے کا عمل ہو۔ زنجانی کی کتاب کے مشتملات ہمارے اس دعوی کی روشن دلیلیں ہیں۔

(۲) زنجانی نے اصولِ فقہ کے مسائل بکثرت ذکر کئے ہیں، جبکہ دبوسی کے یہاں یہ مسائل بہت محدود تعداد میں ہیں۔

(۳) دبوسی اصولی مسئلہ یا فقہی قاعدہ کو اس انداز سے نہیں لکھتے کہ اس کیلئے دلائل قائم کریں اور اس اصل اور قاعدہ کی بنیاد جس حکمت اور مصلحت پر ہے اس کی توضیح و تائید کریں۔ بلکہ عموماً ان اصولی مسائل اور فقہی قواعد کو اس طرح ذکر کرتے ہیں گویا انھیں مسلمات میں سے سمجھتے ہیں۔ زنجانی کا طریقہ اس کے بالکل برعکس ہے[۱]۔

(د) اس علم میں تصنیف کے مختلف طریقے رائج ہوئے:

۱ــــ دبوسی (متوفی ۴۳۰ھ) نے فقہی ابواب کا التزام نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنی کتاب کو اصول میں اختلاف کرنے والے فقہاء کے اعتبار سے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا۔

پہلی قسم امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے اصولی اختلافات کے بیان میں۔

دوسری قسم ان اصولوں کے بیان میں جن کے بارے میں شیخین (امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

تیسری قسم ان اصولوں کے بیان میں جن میں طرفین (امام ابوحنیفہؒ امام محمدؒ) اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

---

[۱] تخریج الفروع علی الاصول: زنجانی: مقدمہ ڈاکٹر محمد ادیب صالح، ڈاکٹر محمد سلام مدکور ص ۱۳-۴۳۔

Marfat.com

چوتھی قسم ان اصولوں کے بیان میں جن کے بارے میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

پانچویں قسم ان اصولوں کے بیان میں جنھیں امام محمد، حسن بن زیادؒ اور امام زفرؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

چھٹی قسم ان اصولوں کے بیان میں جن کے بارے میں ائمہ احناف اور امام مالکؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

ساتویں قسم ان اصولوں کے بیان میں جن کے بارے میں امام محمد، امام حسن بن زیاد، امام زفر اور امام ابن ابی لیلیٰؒ کے درمیان اختلاف ہے

آٹھویں قسم ان اصولوں کے بیان میں جن میں امام محمد، امام حسن بن زیاد، امام زفر اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

۲ ـــ زنجانی (متوفی سنہ ۶۵۶ھ) نے اپنی کتاب فقہی ابواب کی ترتیب پر لکھی۔

۳ ـــ اس کے بعد تلمسانی مالکیؒ (متوفی سنہ ۷۷۱ھ) اور اسنوی شافعی (متوفی سنہ ۷۷۲ھ) کا دور آتا ہے۔ ان دونوں حضرات نے اپنی کتابیں اصول کے مباحث کے اعتبار سے تصنیف کیں، کیونکہ ان دونوں حضرات نے علم اصول فقہ کی ترتیب پر اصولی قواعد کا تتبع کیا۔ اور ان اصولوں کے بارے میں ائمہ کے اختلافات کی وضاحت کر کے فرعی احکام پر پڑنے والے اثرات کو اجاگر کیا۔

۵) ذیل میں ہم اسنوی کی کتاب کا قدرے تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۱ ـــ اسنوی کی کتاب "التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول" "تخریج الفروع علی الاصول" کے موضوع پر اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے کوئی اصولی قاعدہ اپنی کتاب میں چھوڑا نہیں ہے بلکہ ہر قاعدہ کو ذکر کر کے اس کی کوئی فقہی فرع درج کرنے کی بھی کوشش

Marfat.com

کی ہے لیکن اس کتاب کی اہمیت بڑی حد تک اس لئے کم ہوجاتی ہے کہ انھوں نے صرف انھیں اصولی قواعد کا احاطہ کیا ہے جو شوافع کے یہاں مختلف فیہ ہیں. دوسرے فقہی مذاہب سے تعارض نہیں کیا ہے، اس کے برخلاف زنجانی "تخریج الفروع علی الاصول" میں اصولی قواعد کے سلسلے میں فقہ شافعی اور فقہ حنفی دونوں کے اختلافات کا جائزہ لیتے ہیں۔ "مفتاح الوصول" میں ابن التلمسانی کا بھی یہی طرز ہے انھوں نے اپنے جائزہ میں مذہب شافعی اور مذہب حنفی کے ساتھ امام مالکؒ کے مذہب کو بھی شامل کرلیا ہے، اسی لئے زنجانی اور ابن التلمسانی کی کتابوں میں فقہی فروع میں اصولی قواعد کے اثرات اسنوی کی کتاب کے مقابلہ میں زیادہ واضح محسوس ہوتے ہیں. کیونکہ اسنوی نے اپنی بحث کو فقہ شافعی تک محدود رکھا ہے۔

۲ — اسنوی کی التمہید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصولی قواعد کے اثرات کی وضاحت کے لئے انھوں نے جن فقہی جزئیات کا ذکر کیا ہے ان میں سے بیشتر طلاق اور الفاظ طلاق سے متعلق ہیں. اسنوی کی ذکر کردہ جزئیات کا اسّی فیصد حصہ طلاق ہی سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے ان کی کتاب سے فقہ اسلامی کے دوسرے ابواب پر اصولی اختلافات کے اثرات کا علم حاصل نہیں ہوتا حالانکہ تمام فقہی ابواب اصولی قواعد سے متفرع اور ان پر مبنی ہیں.

اس کے برخلاف زنجانی اختلافات کی وضاحت کے لئے جن فقہی جزئیات کا ذکر کرتے ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق معاملات سے ہے کچھ کا عبادات سے اور کچھ کا مناکحات اور دوسرے ابواب سے اس کی وجہ سے زنجانی کی کتاب زیادہ بارونق ہے. اور ان کی کتاب میں قواعد کے اثرات زیادہ واضح محسوس ہوتے ہیں بلکہ زنجانی نے تو اپنی کتاب فقہی ابواب پر مرتب کی ہے تاکہ تمام فقہی ابواب میں اصول کے اثرات نمایاں ہوسکیں.

Marfat.com

زنجانی کا یہ غیر معمولی کارنامہ اور بڑی منفعت بخش محنت ہے اس بارے میں کسی کو زنجانی پر سبقت حاصل نہیں۔ اس کے بعد ابن التلمسانی نے بھی زنجانی سے ملتا جلتا انداز اختیار کیا۔ انھوں نے بھی فقہ کے مختلف ابواب کی جزئیات مثالوں میں ذکر کیں لیکن ان کی کتاب کی ترتیب اصولی قواعد کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔

اسنوی کی کتاب کو ایڈٹ کرنے والے ڈاکٹر محمد حسن ہیتو نے اسنوی کے زیادہ تر الفاظ طلاق پر انحصار کرنے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ائمہ شافعی کا اگرچہ قواعد کے بارے میں بھی اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف بہت شاذ و نادر ہے۔ فقہاء شافعیہ کا اکثر باہمی اختلاف قواعد کی شرطوں کے بارے میں ہے نہ کہ اصل قواعد میں۔ اور ان شرطوں میں اختلاف کے باوجود سب کے یہاں فقہی فروعات کا بالکل ایک ہی نہج ہے۔ ان اختلافات کا اثر فقہی فروعات پر نہیں پڑا ہے اس لئے اسنوی کو قواعد کے اثرات کی وضاحت میں تکلف سے کام لینا پڑا ہے۔ طلاق، یمین، نذر وغیرہ کے الفاظ میں اثرات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اختلاف اصل قاعدہ میں ہوتا تو اس کے اثرات مسائل فرعیہ میں بہت واضح [illegible] ہوتے۔ مثلاً اس بارے میں اختلاف ہوتا کہ صحابی کا قول حجت ہے یا نہیں کیونکہ اس قاعدہ پر سیکڑوں فقہی فروعات مبنی ہیں۔ اسی طرح اگر حدیث مرسل، استصحاب، استحسان وغیرہ کے بارے میں ائمہ شافعیہ میں اختلاف ہوتا تو فقہی جزئیات پر اس کے دوررس اثرات ہوتے۔[1]

۲ ـــــ اسنوی نے اپنے منہج کی وضاحت مقدمہ کتاب میں کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] ..... مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو کتاب التمہید پر ڈاکٹر ہیتو کا مقدمہ تحقیق

میں پہلے اصولی مسئلہ، اس کے تمام گوشوں کے ساتھ منقح، مہذب اور ملخص انداز میں لکھوں گا پھر اس اصولی مسئلہ سے متفرع ہونے والے کچھ مسائل کو ذکر کروں گا۔ تاکہ غیر مذکور مسائل کے لئے نمونہ کا کام کریں میرے ذکر کردہ اصول چند طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن کے بارے میں ہمارے فقہا کا جواب اصولی قاعدہ کے موافق ہے اور کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں فقہا کا جواب قاعدہ کے مخالف ہے اور کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں مجھے کوئی منقول چیز نہیں ملی تو وہاں پر میں وہ چیز ذکر کرتا ہوں جو ہمارے اصولی قاعدہ کا تقاضہ ہے اور مذہبی قاعدے اور فرعی نظائر کو بھی مدنظر رکھتا ہوں۔

اس طرح ان بحثوں کا مطالعہ کرنے والا ہمارے فقہا کے منصوص مسائل کا ماخذ قائم کردہ اصول اور ان کی اجمالی اور تفصیلی بحثوں سے واقف ہوجاتا ہے، اور جن مسائل کا جواب ہمارے فقہا کے یہاں موجود نہیں ہے ان کے بارے میں حکم شرعی کے طریقہ استخراج سے آگاہ ہوجاتا ہے اور یہ بحثیں اہل افتاء کے لئے ہتھیار کا اور مدرسین کے لئے اساس کا کام دیتی ہیں۔ خصوصًا وہ مدرسین جن کے ذمہ فقہ اور اصول فقہ دونوں کا درس ہوتا ہے۔ کیونکہ ہماری کتاب میں مذکور بحثیں اصول وفروع دونوں کو جامع ہیں۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ جن فروعات کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے وہ بڑی اہم اور بحث ونظر کا موضوع ہیں ان میں سے بہت سے فروع وہ ہیں جو مجھے نایاب کتابوں میں یا غیر محل میں دستیاب ہوئی ہیں، یا میں نے خود ان کا استخراج اور تصویر کشی کی ہے، یہ تمام چیزیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس کتاب میں واضح انداز میں پائیں گے۔

میں نے اس کتاب کے ذریعہ ہر مذہب والے کے لئے تخریج مسائل کا راستہ ہموار کیا اور تفریع کا دروازہ کھولا ہے لہذا مختلف مذاہب کے علماء کو اس کتاب میں مندرج اصولی قواعد اور تفریعات کو مستحضر کرلینا چاہیئے

Marfat.com

پھر میرے ہموار کئے ہوئے اسی راستہ پر چلنا چاہیئے، ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ تمام مذاہب والوں کو دلائل کو منقح کرنے کی مشق ہو جائے گی اور قوی اور ضعیف مسائل کے ماخذ واضح کرنے کی اہلیت ہو جائے گی۔ اور جو لوگ اس کتاب کو پابندی سے بار بار پڑھیں گے۔ ان میں سے اکثر کی مراد پوری ہو گی یعنی انھیں اصولی قواعد سے فروع کے استخراج کا مقام حاصل ہو جائے گا اور اصحاب تخریج میں ان کا شمار ہونے لگے گا...[1]

۴ --- ہم ذیل میں اسنوی کی کتاب سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں[2]۔

کیا کفار شریعت کے فرعی احکام کے مکلف ہیں؟

اس مسئلہ میں چند مذاہب ہیں:

سب سے صحیح مذہب یہ ہے کہ اس سوال کا ہاں میں جواب دیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ کفار فروع شریعت کے بھی مکلف ہیں، امام الحرمین نے البرہان میں لکھا ہے کہ یہی امام شافعی کا ظاہری مذہب ہے لہٰذا کافر واجب کو ادا کرنے، حرام کو ترک کرنے اور مستحب، مکروہ اور مباح کو مستحب مکروہ اور مباح سمجھنے کا مکلف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کفار فروعِ شریعت کے مکلف نہیں ہیں۔ اس مذہب کو ابو اسحٰق اسفرائینی نے اختیار کیا ہے۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ کفار نواہی کے مکلف ہیں، اوامر کے مکلف نہیں۔

چوتھا مسلک یہ ہے کہ مرتد مکلف ہے اور کافر اصلی مکلف نہیں ہے، عراقی نے یہ مذاہب قاضی عبدالوہاب کی کتاب الملخص سے نقل کئے ہیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں جن کا نام اب مجھے مستحضر نہیں انہوں نے یہ قول دیکھا ہے کہ کفار جہاد کے سوا تمام فرعی احکام کے مکلف ہیں صرف جہاد کے مکلف نہیں کیونکہ ان کا اپنی ذات سے قتال کرنا محال ہے۔

[1] ص ۳۶-۳۷ [2] ص ۱۲۶-۱۳۲

Marfat.com

یہ مسئلہ اس قاعدہ کی مثال ہے کہ شرعی شرط کا حاصل ہونا تکلیف کی صحت کیلئے شرط ہے یا نہیں۔ آمدی اور ابن الحاجب وغیرہ نے اس قاعدۂ اصلیہ کو بیان کیا ہے۔

اس اصولی قاعدہ میں اختلاف کا علم ہونیکے بعد یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلہ کی بہت سی جزئیات ہیں۔

۱ــــ اگر کسی ذمی نے زنا کا ارتکاب کیا تو اس پر حدِ زنا واجب ہو گی یا نہیں اس کے بارے میں دو قول ہیں دونوں اقوال دارمی نے الاستذکار میں نقل کئے ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ حدِ زنا واجب ہو گی، الروضۃ میں یہی قول جزم کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ابن المنذر سے منقول ہے کہ امام شافعیؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ حدِ زنا واجب ہو گی اور اسلام لانے سے یہ حد ساقط ہو جائے گی۔ عقدِ جزیہ کی بحث سے پہلے انھوں نے یہ بات ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کے برخلاف کفارۂ ظہار، کفارۂ قتل، کفارۂ یمین وغیرہ صحیح قول کے اعتبار سے اسلام قبول کرنے سے ساقط نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق یہی ہے کہ پہلے مسئلہ میں انسان کا حق متعلق نہیں ہوا تھا اور دوسرے مسائل میں انسان کا حق متعلق ہو گیا۔

۲ــــ اگر ذمی نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے کرنے سے مسلمان پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے تو ذمی پر بھی کفارہ واجب ہو جائے گا۔ مثلاً کسی حق کے سلسلے میں ذمی نے قاضی کے سامنے حلف اٹھایا پھر ذمی کے خلاف اس معاملہ میں بینہ قائم ہو گیا تو ذمی کے ذمہ کفارہ لازم ہو گا، الروضۃ میں جزم کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کی جانب پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۳ــــ اگر ذمی نے کسی چیز کی نذر مانی تو اس کے لئے اس چیز کو انجام دینا لازم نہیں ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد لازم ہو گا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مالی نذر واجب ہو چا ہے اس نے اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو کیونکہ عبادت مالی میں نیت واجب نہیں ہوتی۔ اسی لئے ذمی کی طرف

سے آزاد کرنا صدقہ کرنا، وقف وغیرہ کرنا صحیح ہوگا۔

۴ ـــ ذمی اگر کمر جھکا کر مسلمان کی تعظیم کرتا ہے تو کیا اسے ایسا کرنے سے روکا جائے گا جس طرح مسلمان کو تعظیم کرنے میں کمر جھکانے سے روکا جاتا ہے اس سلسلے میں رافعیؒ نے لکھا ہے اسے نہیں روکا جائے گا۔ نوویؒ نے رافعیؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ رافعیؒ کے قول سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا نوویؒ نے مزید کوئی بات نہیں لکھی۔ رافعیؒ کے قول کی وہی بنیاد ہے جو ہم نے اس بحث کے شروع میں ذکر کی تھی۔

۵ ـــ اگر ذمی اسلام لے آئے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ جو مسلمان اس کے زمانۂ کفر میں وفات پا گئے ہیں ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھے۔ جبکہ ہم اس قول کو اختیار کریں کہ قبر پر وہی شخص نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے جو اہلِ فرض میں سے ہو۔ الذخائر کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اس اصل پر مبنی ہے کہ کفار فروع کے مکلف ہیں یا نہیں ابن الرفعہ نے الکفایہ میں صاحب ذخائر کی پیروی کی ہے اور امام کہتے ہیں کہ میری رائے میں وہ ذمی نماز جنازہ پڑھے گا۔ کیونکہ وہ اسلام لانے پر قادر تھا لہذا اس کا حکم اس شخص کی طرح ہوگیا جو حدث کی حالت میں ہے۔ متولی فرماتے ہیں کہ ذمی اسلام لانے کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھے گا۔ اس اختلاف کی بنیاد اوپر ذکر کردہ اصولی مسئلہ ہے۔

ہاں اگر کسی نے اس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی ہو مثلاً یہی ذمی مرنے والے کی واحد اولاد ہو اور کوئی دوسرا مسلمان وہاں موجود نہ ہو چنانچہ اس ذمی نے اپنے باپ کو غسل دیکر دفن کر دیا تو اس صورت میں اسلام لانے کے بعد قبر پر نماز جنازہ کا وجود یقینی ہو جاتا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ بچہ بالغ ہوگیا ہو۔

۶ ـــ ذمی کو جہاد کے لئے اجیر رکھنا درست ہے یا نہیں صحیح قول یہ ہے کہ

اسے اجیر رکھنا جائز ہے۔

۷۔۔۔۔ مسلمان کا کسی ایسے کام میں ذمی کی اعانت کرنا جو ہمارے نزدیک حلال نہیں مثلاً ضیافت وغیرہ کر کے رمضان کے دن میں اس کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام کرنا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ کافر، فروع شریعت کا مکلف نہیں ہے تو مسلمان کے لئے ایسا کرنا حرام نہیں ہوگا، اور اگر یہ کہیں کہ کافر فروعِ شریعت کا مکلف ہے تو مسلمان کے لئے ایسا کرنا حرام ہوگا۔ اس صورت میں مسئلہ کی تخریج اس دوسرے اختلافی مسئلہ پر ہوگی کہ اگر شوہر کے لئے بیوی سے وطی کرنا حرام ہو (مثلاً شوہر حالتِ احرام میں ہے یا فرض روزہ رکھے ہوئے ہے) اور شوہر نے بیوی سے وطی کرنا چاہا تو کیا عورت کیلئے شوہر کو قابو دینا جائز ہوگا، اس مسئلہ میں دو اقوال ہیں۔ رافعیؒ نے کتاب الایلاء میں لکھا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ عورت کے لئے قابو دینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ فعل حرام میں اعانت ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی کے لئے قابو دینا جائز اور واجب ہے۔

اسی طرح اگر اذانِ جمعہ کے بعد ایسا شخص جس کے ذمہ جمعہ فرض نہیں ہے ایسے شخص سے بیع وشرا کرنا چاہے جس پر جمعہ واجب ہے تو یہ دوسرا شخص کیا کرے۔ اس میں دونوں قول ہیں۔ رافعیؒ نے اس مسئلہ میں بھی حرام ہونے کو واضح قرار دیا ہے۔

۸۔۔۔۔ اگر حربی نے مسلمان کو قتل کر دیا اس کا مال ضائع کر دیا پھر اسلام لے آیا تو حربی کے ذمہ ضمان لازم نہیں ہوگا۔ رافعیؒ نے ابو اسحٰق اسفرائینیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں حربی پر ضمان واجب ہوگا۔ جب کہ ہم کہیں کہ کفار فروع کے مکلف ہیں۔ ابوالحسن عبادیؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول "المنثور" میں مزنی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عبادیؒ نے یہ قول استاذ ابو اسحٰق اسفرائینیؒ سے

Marfat.com

اس صورت میں نقل کیا ہے جب کہ وہ حربی ذمی ہو گیا ہو۔ اور مزنی نے المنثور میں لکھا ہے کہ اگر وہ حربی شخص ذمی نہ ہوا ہو لیکن اس کا مال بطور مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہو تو بھی مسلمان کے دَین کو مقدم کیا جائے گا، پھر مزنی نے لکھا ہے کہ اگر حربی نے وہ مال ضائع کر دیا پھر اسلام لے آیا تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں ہو گا، اس لئے کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

یہ عبادی کا کلام ہے، اور رافعی اور صاحب الروضۃ کی نقل کے اعتبار سے خلاف ہے ہو سکتا ہے کہ یہ خلل ابوالحسن سے اپنے والد عاصم سے نقل کرنے میں واقع ہوا ہو، اس کا بھی امکان ہے کہ رافعی کے ابوالحسن سے نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہو۔

۹ـــــ اگر کافر حج یا عمرہ کی نیت سے میقات کو عبور کر گیا۔ میقات کے اندر جا کر اس نے اسلام قبول کیا اور وہیں احرام باندھا تو اس کے ذمہ دم واجب ہو گا، لیکن مزنی کا اس بارے میں اختلاف ہے نووی نے شرح المہذب میں اسی طرح لکھا ہے۔

۱۰ـــــ اگر دو ذمیوں نے ایک ایسے مسلمان کی موجودگی میں شراب کی خرید و فروخت کی جس کے بیچنے والے ذمی کے ذمہ دَین لازم ہے، اور اس ذمی نے شراب کی قیمت لے کر اس مسلمان کا دَین ادا کرنا چاہا تو زیادہ صحیح قول کے اعتبار سے مسلمان کو وہ قیمت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ قبول کرنا اس کے لئے جائز ہی نہیں۔ رافعی نے عقد الذمۃ میں یہی بات لکھی ہے۔

۱۱ـــــ اگر کافر نے عرب میں شکار قتل کیا تو معروف قول یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہو گا، المہذب میں لکھا ہے کہ کفارہ واجب نہ ہونے کا بھی احتمال ہے۔ البیان میں اس کو بھی ایک قول قرار دیا ہے اور شیخ کے تلمیذ فارقی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

۱۲ــــ اگر کسی ذمی نے دوسرے ذمی کی شراب غصب کی تو صحیح قول کے اعتبار سے اسے واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور واپس کرنے میں نقل و حمل کا جو خرچ آئیگا وہ بھی غاصب کے ذمہ لازم ہوگا۔

۱۳ــــ رافعیؒ نے کتاب الطہارت میں لکھا ہے کہ جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ایسے اموال اگر دو یا چند آدمیوں کے ملا دیئے جائیں تو زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو اگر مسلمان اور ذمی نے اپنی بکریاں ساجھے میں کرلیں جن میں سے بیس مسلمان کی ہیں تو قیاس یہ ہے کہ مسلمان پر زکوٰۃ میں آدھی بکری واجب ہوگی۔ اس لئے کہ زکوٰۃ دونوں کے ذمہ واجب ہوئی لیکن زکوٰۃ نکالنے کی شرط مسلمان میں پائی گئی کافر میں نہیں پائی گئی اس لئے ہم مسلمان کو زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیں گے، اس کے برخلاف مکاتب کے شریک پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۱۴ــــ کیا ذمی مالدار ہونے کے باوجود باندی سے نکاح کرسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے حتیٰ کہ اگر وہ ذمی تنگ دست ہوگیا پھر میاں اور بیوی دونوں اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح برقرار رکھا جائے گا۔

۱۵ اگر غیر مسلم جنابت کی حالت میں ہے تو اسے مسجد میں ٹھہرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

۱۶ــــ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ غیر مسلم کو ریشم پہننے سے بھی نہیں روکا جائیگا۔ اگر ذمی کا انتقال ہوا اور اس کے مسلمان عزیز نے اسے ریشم کے کپڑے کا کفن پہنانا چاہا تو کیا مسلمان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ زندگی میں تو ذمی کے لئے ریشم پہننا جائز تھا۔ اس بارے میں بحث ہے۔

۱۷ــــ فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار کے نکاح صحیح ہیں یا فاسد، تین اقوال ملتے ہیں۔ سب سے صحیح قول یہ ہے کہ کفار کے نکاح صحیح

ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فاسد ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نکاح کی شرطیں پائی جاتی ہیں تو صحیح ہیں ورنہ فاسد، اس اختلاف کی تخریج مذکورہ بالا قاعدہ پر ہو سکتی ہے اور کفار کے کئے ہوئے تمام عقود میں اس کو جاری کرنا مناسب ہے۔

(د) اس فن میں تصنیف کے جو منہج رائج ہوئے ان کی تصویر کشی مکمل کرنے کے لئے ہم تلمسانی کی کتاب کا بھی ایک نمونہ ذکر کرتے ہیں[1]۔ تاکہ ان کے منہج کی وضاحت ہو سکے:

کسی چیز کا حکم دیا جانا کیا اس بات کا متقاضی ہے کہ اسے فوراً کیا جائے؟

"اس مسئلہ میں اہل اصول میں اختلاف ہے اور اسی اصل کی بنیاد پر بعض فرعی مسائل میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اس بارے میں اختلاف کہ شرائط وجوب پائے جانے کی صورت میں کیا حج فوری طور سے واجب ہے، کہ ادائے گی پر قادر ہونے کے باوجود حج کو موخر کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا (یہی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے) یا فوری طور پر حج فرض نہیں ہوگا۔ لہذا ادائے گی پر قادر ہونے کے باوجود حج کو موخر کرنے سے انسان گنہگار نہیں ہوگا۔ (یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے)

مذہب مالکی میں اس بارے میں دو قول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا اس بات کا متقاضی تھا کہ حج مامور بہ ہے۔

اسی طرح کفارہ کے وجوب میں اختلاف ہے کہ کیا وجوب فوری طور پر ہوتا ہے یا اس کی ادائے گی میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اگر سال گذرنے اور زکوٰۃ کی ادائے گی پر قادر ہونیکے بعد

---

[1] ص ۲۶۔۲۵۔

Marfat.com

نصاب ہلاک ہوگیا تو کیا یہ شخص زکوٰۃ کا ضامن ہوگا یا اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ شخص زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک زکوٰۃ کا حکم فوری ادائے گی پر محمول ہوتا ہے لہذا تاخیر کرنے سے وہ شخص گنہگار ہوگا۔ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ شخص نصاب ہلاک ہونے کے بعد زکوٰۃ کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ زکوٰۃ کے حکم کی ادائے گی فوری طور پر لازم نہیں ہوتی ہے لہذا ادائے گی میں تاخیر کرنے سے وہ شخص امر کی موافقت کرنے والا نہیں مانا جائے گا۔

میرا خیال یہ ہے کہ شافعی اور حنفی دونوں نے اس مسئلہ میں اپنے اصل کی خلاف ورزی کی ہے اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ محقق اہل اصول کی رائے یہ ہے کہ امر مطلق نہ تو فوری ادائیگی کا مقتضی ہے اور نہ ہی تاخیر کا کیونکہ امر کبھی فور کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ مثلاً مالک اپنے غلام سے کہے کہ ابھی سفر کر، تو یہ امر فوری ادائے گی کا مقتضی ہے اور کبھی امر تراخی کے ساتھ مقید ہوتا ہے مثلاً آقا نے غلام سے کہا کہ اگلے مہینے کے شروع میں سفر کرو" تو یہ امر تاخیر کا مقتضی ہے' اور جب اس نے مطلقاً حکم دیا ہو نہ فوری ادائے گی کی قید لگائی ہو اور نہ ہی تراخی کی تو اس امر میں دونوں چیزوں کا احتمال ہوگا، اور جس چیز میں دو چیزوں کا امکان ہو وہ چیز ان میں سے کسی ایک کا متعین طور پر تقاضہ نہیں کرتیں۔

ساتویں فصل

بدعات اور حیلے

۱ــــ بدعات

علامہ شاطبیؒ (متوفی سنہ ۷۹۰ھ) نے بدعات کے موضوع پر توجہ دی ہے انھوں نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو مکمل نہ ہو سکی۔ اس کتاب کا نام الاعتصام ہے۔ اس کتاب میں علامہ شاطبیؒ نے ان موضوعات پر تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ بدعات کے احکام، قسمیں، درجات، امور عادیہ کا بدعت میں داخل ہونا، بدعات اور مصالح مرسلہ نیز استحسان میں فرق، بدعات کی نشوونما کے طریقے۔

یہ موضوع اپنی مختلف ابحاث کی وجہ سے علم اصول فقہ میں اجتہاد کے مباحث سے قریبی تعلق رکھتا ہے لیکن ہماری معلومات کی حد تک کسی نے امام شاطبی کی طرح اس موضوع پر کماحقہ توجہ نہیں دی ہے۔

۲ــــ حیلے

الف۔ فقہاء حیلوں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ حیلہ دینی حادثہ میں مبتلا شخص کے لئے رستگاری کے شرعی طریقہ کا نام ہے۔ بعض فقہاء حیلہ کو مخرج بھی کہتے ہیں۔

شیخ محمد الطاہر بن عاشور نے حیلہ کی اس طرح تعریف کی ہے: ممنوع عمل کو جائز عمل کی صورت میں پیش کرنا یا غیر معتبر عمل کو عمل معتبر کی صورت

Marfat.com

میں پیش کرنا . . . جو عمل شرعاً جائز ہے اسے اس کی مخصوص صورت کے بجائے کسی دوسری شکل میں کرنے کی کوشش یا اس کے وسائل مہیا کرنے کی کوشش حیلہ نہیں ہے بلکہ اس کا نام تدبیر یا ورع ہے[1]۔

اب) حیلوں کے موضوع پر اولین تصانیف میں سے یہ کتابیں ہیں:

(۱) کتاب المخارج فی الحیل۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (متوفی ۱۸۹ھ) مشہور مستشرق یوسف شناخت نے ۱۹۲۰ء میں یہ کتاب شائع کی، سرخسیؒ کی المبسوط سے کتاب الحیل علی ظاہر الروایۃ للامام محمد بن الحسن الشیبانی کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا۔

(۲) امام بخاریؒ (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب الجامع الصحیح کے آخر میں ایک الگ کتاب لکتاب التسعین کے نام سے شامل کی، جس میں انھوں نے ان حیلوں کا ذکر کیا جو شارع کے مقاصد، احکام اور حکمتوں کو باطل کر دیتے ہیں، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے پندرہ ابواب قائم کر کے وہ احادیث نبویہ پیش کیں جو مختلف تصرفات اور معاملات میں حیلوں کو ترک کرنے کے بارے میں وارد ہیں۔ امام بخاریؒ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو حیلوں کے قائل ہیں اور واضح فرمایا کہ بہ کثرت احادیث بڑی وضاحت سے حیلوں کی تردید کرتی ہیں اور حیلوں کی پیروی کرنے والا اہل ایمان کی راہ سے جدا ہے اگرچہ وہ اپنے کو نیکوکار سمجھتا ہو۔

(۳) کتاب الحیل والمخارج۔ احمد بن عمر بن مہیر الخصافؒ (متوفی ۲۶۱ھ) یہ کتاب ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے آغاز ہی میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام شعبیؒ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص

---

[1] ابن عاشور: مقاصد الشریعۃ ص ۱۱۵

Marfat.com

کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو حیلوں کا قائل ہو؟ امام شعبی نے جواب دیا: حلال اور جائز دائرے میں حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، حیلوں کے ذریعہ انسان گناہوں اور حرام سے رستگاری حاصل کرکے حلال کی طرف آتا ہے۔ اس طرح کے حیلوں میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ مگر وہ حیلے ہیں جن کے ذریعہ انسان دوسرے انسان کا حق باطل کرنے کی تدبیر کرتا ہے یا باطل پر ملمع سازی کے لئے حیلہ کرتا ہے یا کسی چیز میں اس طرح حیلہ کرتا ہے کہ وہ چیز مشتبہ ہو جاتی ہے...." اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب دراصل امام بخاری کی طرف سے حیلوں پر شدید حملے کا جواب ہے۔

④ ابو بکر محمد بن عبداللہ میرفی (متوفی ۳۳۰ھ) کا رسالہ۔

⑤ ابوالحسن محمد بن یحییٰ بن سراقہ عیری کا رسالہ ان کی وفات ۴۱۰ھ سے پہلے ہوئی۔

⑥ اس کے بعد امام ابو حاتم محمود بن الحسن قزوینی شافعی کی کتاب الحیل فی الفقہ منظر عام پر آئی۔ مصنف نے اس کتاب میں حیلہ کے موضوع پر قدیم تحریروں اور حیلوں کی مختلف صورتوں کا جائزہ لیا اور اس بحث کو ایک نیا رخ دیا۔ آغاز کتاب میں مصنف نے لکھا حیلوں کی تین قسمیں ہیں (۱) ممنوعہ (۲) مکروہ (۳) جائز۔ فقیہ کو چاہئے کہ نا جائز حیلے عوام کو نہ بتائے۔ فقہاء کو ان حیلوں سے واقف رہنا چاہئے کیونکہ ان حیلوں کا فقہ سے تعلق ہے اور فقہاء کو ان حیلوں کے بارے میں بعض اوقات جواب دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ مکروہ حیلے عوام کو بتانا مکروہ ہے۔ مباح حیلے پوچھے جانے پر بتانا لازم ہے۔ ان سے باخبر رہنا فقیہ کے لئے واجب ہے۔

Marfat.com

یں ان تینوں اقسام میں سے ہر قسم کی طرف اشارہ کر رہا ہوں تاکہ اس کا طریقہ معلوم ہو اور ان حیلوں کے مقامات اور جنسوں کی طرف رہنمائی ہو جائے آغاز ہی میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔

(۷) جب اسلامی معاشرے میں بے راہ روی اور بے دینی کے اسباب کو فروغ ہوا، دینی جذبہ کمزور پڑ گیا حق و باطل، حلال و حرام کی تمیز ختم ہونے لگی تو شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) اپنے فتاویٰ میں حیلوں کی فیصلہ کن تردید کرنے لگے۔ انھوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی "اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل" کے نام سے لکھا۔[۱]

(۸) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تلمیذ رشید علامہ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن قیمؒ الجوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) بھی اپنے استاذ کے نقش قدم پر چلے۔

انھوں نے حیلہ کے مسائل پر بحث کی، باطل حیلوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جائز اور مقبول حیلوں کو باطل حیلوں سے جدا کیا، مسائل حیل کی انھوں نے تشریح و وضاحت کی، ان کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ ابن قیمؒ کا یہ کام ان کی دو کتابوں اعلام الموقعین[۱] اور اغاثۃ اللہفان من مکائد الشیطان میں بہت نمایاں ہے۔

(۹) اسی دور میں امام ابو اسحاق شاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ) نے اپنی مشہور ترین کتاب الموافقات میں حیل اور مخارج کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کی، حیلوں کا جائزہ لیا اور ان کی ضابطہ بندی اور قواعد سازی کی۔[۲]

---

[۱] جلد ۳ ص ۱۲۳-۲۱۵، ج ۴ ص ۱-۱۱۶-

[۲] جلد دوم ص ۳۷۸-۳۹۱-

Marfat.com

(۱۰) ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) نے الاشباہ والنظائر کے فن خامس کو حیلوں پر بحث کے لئے مخصوص کیا۔

(۱۱) شیخ عبداللہ دراز (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے حیل کے موضوع پر ایک اہم رسالہ لکھا۔

(۱۲) اس کے بعد شیخ الاسلام علامہ محمد الطاہر ابن عاشور (متوفی ۱۳۹۳ھ) نے اپنی کتاب مقاصد الشریعۃ میں حیلوں کے بارے میں ایک جامع فصل لکھی۔ اس فصل میں موصوف نے ان حیلوں پر بحث کی جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے جائز معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے ذریعہ شریعت کے مقاصدِ تشریع پورے نہیں ہوتے۔ علامہ ابن عاشور نے حیلوں کے مختلف انواع واقسام کی تشریح اور وضاحت کی ہے، ان اقسام کا باہمی فرق واضح کیا ہے اور احکام کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔

(۱۳) حیل کے موضوع پر معاصر شرعی تحقیقات میں سے استاذ شیخ محمد عبدالوہاب بحیری کی کتاب "الحیل فی الشریعۃ الاسلامیۃ" بھی ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام "کشف النقاب عن مواقع الحیل من الکتاب والسنۃ" ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت حاوی اور جامع ہے اس کی بحثوں میں گہرائی اور گیرائی ہے۔ اس بحث پر مصنف کو جامعۃ الازہر کی کلیۃ اصول الدین نے ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔

(۱۴) اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد بن ابراہیم کی کتاب "الحیل الفقہیۃ فی المعاملات المالیۃ" منظرِ عام پر آئی۔ ۱۹۸۳ء میں الدار العربیۃ للکتاب سے یہ کتاب شائع ہوئی۔

ا‍‍دس ۲۰۶-۲۱۶-

Marfat.com

اس سلسلے میں عصر حاضر میں لکھی گئی دوسری کتابوں اور بحثوں کو بھلایا نہیں جا سکتا جن میں حیلوں پر شرعی اور قانونی دونوں پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر کتابیں ہیں۔

(۱۵) الحیل المحظور منہا والمشروع۔ ڈاکٹر عبدالسلام ذہنی
یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں مصر سے شائع ہوئی۔

(۱۶) الصوریۃ فی الشریعۃ والقانون۔ پروفیسر شیخ حماانی مارالعینین
علم اصول فقہ میں حیل کی بحث کا محل "حکم شرعی" کے مباحث کے ذیل میں ہے اور شریعت کے عمومی نظریہ میں اس کا محل "حکم شرعی کی تطبیق" کے مباحث ہیں۔

حیلوں کی مشہور مثالوں میں سے بیع عینہ (جو سود کے لئے حیلہ ہے) اور حلالہ کرنے والے کا نکاح ہے۔

Marfat.com

آٹھویں فصل

علومِ اسلامیہ کی کتابوں میں فقہی نظریہ سازی کے کام پر عمومی نظر

فقہی نظریات سے تعلق رکھنے والے اسلامی علوم کا تجزیاتی اور تاریخی جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تھوڑا ٹھہر کر یہ اندازہ لگائیں کہ فقہ کی نظریہ سازی کے میدان میں اسلامی علوم کس مرحلے تک پہونچے اور اس موضوع پر ان علوم میں کی گئی کوششوں کی صحیح قدروقیمت کیا ہے۔

ابتداءً ہم ایک اجمالی نظر ڈال کر گذشتہ مباحث میں پیش کردہ تفصیلات کا خلاصہ پیش کریں گے اور فقہی نظریہ سازی کی بعض خصوصیات پر زور دیں گے۔

(الف) ان علوم کے بعض مصنفین نے اپنی کتابیں کسی ایک علم کے لئے مخصوص کر دی ہیں[۱] بعض نے ان میں سے کئی علوم کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے خواہ باہم خلط ملط کر کے یا علیحدہ علیحدہ، اور بعض مصنفین نے ان علوم کے ساتھ چند دوسرے علوم یا فرعی مسائل اور فوائد کو بھی شامل کر لیا ہے۔

۱ — پہلی قسم کی کتابوں میں کرخی اور دبوسی کی کتابیں اختلاف فقہاء کے موضوع پر ہیں۔ کرابیسی اور قرافی کی کتابیں فروق کے موضوع پر ہیں۔

Marfat.com

زنجانیؒ اور اسنویؒ کی کتابیں تخریج الاُصول علی الفروع کے موضوع پر ہیں،
عزالدین بن عبدالسلام اور شاطبی کی کتابیں مقاصدِ شریعت کے
موضوع پر ہیں۔
زرکشیؒ کی کتاب قواعدِ فقہیہ کے بیان میں ہے۔

۲ —— دوسری قسم کی کتابوں میں سے ابن رجب اور ابن السبکیؒ کی کتابیں ہیں۔

۳ —— تیسری قسم کی کتابوں میں سے سیوطیؒ اور ابن نجیمؒ کی کتابیں ہیں۔

(ب) ایک قابل توجہ چیز وہ غیر معمولی فرق ہے جو قواعد کی تعداد کے بارے میں کم قواعد بیان کرنے والوں اور زیادہ قواعد بیان کرنے والوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ عزالدین بن عبدالسلام نے تمام احکام کو ایک قاعدہ کی طرف لوٹایا ہے۔ مروزیؒ نے قواعد فقہیہ کو چار میں محصور کر دیا ہے، ابن علی سویدان نے پانچویں قاعدہ کا اضافہ کیا ہے، دباس کے یہاں قواعد کی تعداد سترہ[۱۷] ہے کرخیؒ کے یہاں انتالیس[۳۹] دبوسی کے یہاں چھیاسی[۸۶] سیوطیؒ کے یہاں پینسٹھ[۶۵]، خادمیؒ کے یہاں ایک سو چون[۱۵۴]۔ ابن رجبؒ کے یہاں ایک سو ساٹھ[۱۶۰] ہے مجلۃ الأحکام العدلیہ میں ننانوے[۹۹] قواعد بیان کئے گئے ہیں۔

جو لوگ بکثرت قواعد بیان کرتے ہیں ان میں ابن نجیمؒ کے یہاں قواعد کی تعداد پچیس[۲۵] اور ضوابط کی تعداد پانچ سو[۵۰۰] ہے، قرافیؒ کے یہاں پانچسو اڑتالیس[۵۴۸] قواعد ہیں، بکری کے یہاں قواعد کی تعداد چھ سو[۶۰۰]، اور مقریؒ کے یہاں بارہ سو[۱۲۰۰] ہے۔

قواعد کی تعداد میں یہ غیر معمولی فرق اس وجہ سے ہے کہ قاعدہ کی تعریف اور اُسے اختیار کرنے کے معیار میں ان حضرات کے یہاں بڑا فرق ہے۔ جن لوگوں کے یہاں قاعدہ کی تعریف میں جس قدر تجریدیت ہے ان کے یہاں قواعد کی تعداد اتنی ہی کم ہے۔ اور جس کے یہاں جس قدر تجریدیت کم ہے اس کے یہاں قواعد کی تعداد اسی قدر زیادہ ہے۔

(ج) جن لوگوں نے قواعد فقہیہ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے ان کے یہاں قواعد کی ترتیب، اور تقسیم کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

زرکشی نے قواعد کی ترتیب میں حروف تہجی کے طریقہ کی پیروی کی ہے۔

سیوطی نے متفق علیہ قواعد کو مختلف فیہ قواعد سے الگ بیان کیا ہے۔

زنجانی اور مقری کے یہاں قواعد کی ترتیب فقہی ابواب کے اعتبار سے ہے۔

ابن السبکی نے ترتیب میں تجرید اور قاعدہ کے موضوع کا لحاظ کیا ہے۔ یہی انداز سیوطی اور ابن نجیم کا بھی ہے لیکن ان تینوں کے درمیان تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔

آئندہ ہم بتائیں گے کہ قواعد کی ترتیب کے لئے دوسرے معیار بھی ہو سکتے ہیں مثلاً قواعد سے انجام پانے والے کام یا لزوم کے اعتبار سے ان کا درجہ یا عموم کے اعتبار سے ان کا درجہ یا اس کے علاوہ دوسرے معیار۔

(د) بعض فقہا مثلاً زرکشی، سیوطی اور ابن نجیم نے قواعد اور ضوابط کے درمیان فرق کیا ہے۔

ا۔ ابن نجیم نے دونوں کے درمیان فرق کے معیار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قواعد وہ ہیں جو مختلف ابواب کی فروعات کو یکجا کریں۔ اور ضوابط وہ ہیں جو ایک باب کی فروع کو یکجا کریں۔[1]

ابن نجیم نے ضوابط کے نام سے جن چیزوں کو درج کیا ہے ان کا مطالعہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر فرعی احکام ہی ہیں

لہ الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۹۲

Marfat.com

قانونی الفاظ میں ڈھال دیا گیا ہے ان میں سے شاذ و نادر ایسے ضوابط ہیں جو ایک باب کی چند فروعات کے جامع ہوں۔

۲ ــــ ابن نجیم نے فن ثانی کے بارے میں عملی فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ دوسرا فن فوائد کے بیان میں ہے فوائد سے مراد ضوابط اور ضوابط میں داخل ہونے والے اور ان سے خارج ہونے والے افراد ہیں۔ یہ ضوابط مدرس مفتی اور قاضی کے لئے سب سے زیادہ نافع قسم ہے" ابن نجیم کی اس عبارت سے اس بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کے یہاں قواعد اور ضوابط میں فرق کا معیار کیا ہے۔

ابن نجیم کی مذکورہ بالا بات کی تائید ابن السبکیؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے ان ضوابط کو اپنی کتاب میں ذکر نہ کرنے کے سلسلے میں تحریر کیا ہے۔ ابن السبکیؒ فرماتے ہیں:

"ان قواعد کی پشت پر کچھ ضوابط ہیں جنھیں فقہاء بیان کرتے ہیں، ان میں سے کچھ مطرد ہیں اور کچھ منعکس ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضوابط قواعدِ کلیہ میں شامل ہونے کے لائق نہیں بلکہ یہ جزئی ضوابط ہیں جو مبتدی کی مشق کے لئے وضع کئے گئے ہیں منتہی افراد کے لئے نہیں ہیں۔ یہ ضوابط طلبہ کی تمرین کے لئے ہیں راسخین کی تحقیق کے لئے نہیں۔۔ اور میرے نزدیک ان ضوابط کو قواعد میں داخل کرنا راہِ تحقیق سے باہر قدم رکھنا ہے۔۔"

۳ ــــ زرکشیؒ اور سیوطیؒ نے قاعدہ اور ضابطہ کے درمیان وجہ فرق کی وضاحت نہیں کی ہے[۵]

۴ ــــ ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ ضابطہ ایک قاعدہ کے اندر بکھری ہوئی فروعات کو یکجا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ قاعدہ کی بیشتر فروعات

۵۔۔۔

Marfat.com

کو شامل ہوتا ہے اور ان کے مستثنیات کی وضاحت کرتا ہے اور قاعدہ وہاں ہوتا ہے جہاں مستثنیات بہت کم ہوں یا بالکل نہ ہوں لیکن قواعد فقہیہ کے مصنفین کی کتبوں کا مطالعہ کرنے سے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ضوابط اور قواعد میں فرق کرنے کا یہ معیار بھی ہر جگہ صادق نہیں آتا۔ بعض ضوابط ایسے ہیں جن میں کوئی استثناء نہیں اور بعض قواعد میں فقہاء نے بکثرت مستثنیات بیان کئے ہیں جیسا کہ زرکشی کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۵ ـــ مذکورہ بالا بات ذہن میں رکھنے کے باوجود ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر ہم قاعدہ کی کوئی علمی تحدید کرنا چاہیں تو اس میں عموم قلت استثناء کی صفت ملحوظ رکھنا مناسب ہے اور ضابطہ کی تعبیر وہاں پر استعمال کی جانی چاہیئے۔ جہاں بکثرت مستثنیات پائے جانے کی وجہ سے لفظ قاعدہ کا اطلاق زبردستی اور تکلف محسوس ہوتا ہو۔ اس تحفظ کے ساتھ ابن السبکی اور ابن نجیم کے بیان کئے ہوئے عملی فوائد کے لئے ضابطہ کا لفظ استعمال کیا جانا مناسب ہے۔

(ہ) ضوابط کے اسی عملی فائدہ سے ملتا جلتا علم الجمع کا فائدہ ہے جس میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے احکام کو احاطہ و استیعاب کے ساتھ جمع کر دیا جاتا ہے اس انداز سے جمع کیا جانا ان احکام سے تعلق رکھنے والے قواعد وضوابط کے استخراج میں مددگار ہوتا ہے اس لحاظ سے علم الجمع ایک پورے موضوع کو احاطہ کرنے والی فقہی نظریہ سازی کی طرف دوسرا قدم ہے۔ جب کہ قواعد کے اندر نظریہ سازی ایک قاعدہ میں محدود رہتی ہے۔

(و) بعض قواعد تمام فقہی مذاہب کے درمیان یا ایک مذہب کے فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہوتے ہیں۔ ہاں ان قواعد کے تحت بعض مسائل کو داخل کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہوتا ہے جہاں تک اصل قاعدہ کا تعلق ہے وہ متفق علیہ ہوتا ہے ـــ بعض فقہاء نے اسی طرح کے قواعد کو اپنی تصنیفات کا موضوع بنایا۔ مثلاً ندوی۔

Marfat.com

تمام قواعد فقہاء کے درمیان اتفاقی نہیں ہیں اسی لئے علم اختلاف فقہاء اور علم تخریج الفروع علی الاصول کی اہمیت ہوتی ہے فقہاء نے مختلف فیہ قواعد ہی کو اپنی کتابوں کا موضوع بنایا ہے، مثلاً دبوسیؒ نے یہی کیا ہے، قرافیؒ نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ قواعد فقہیہ کے درمیان پائے جانے والے فروع کی وضاحت کریں۔ قواعد اور اسباب اختلاف کی وضاحت کے لئے یہ تمام کوششیں انتہائی نفع بخش ہیں۔

کسی قاعدہ میں اختلاف پائے جانے سے اس کے قاعدہ ہونے میں خلل نہیں پڑتا کیونکہ جو فقہاء اس قاعدہ کے قائل ہیں ان کے یہاں اس میں عموم اور اطراد پایا جاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر دوسرے فقہاء کا اختلاف قاعدہ میں عموم واطراد کے علاوہ دوسرے اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

(ز) فقہاء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قواعد کے احکام اکثری ہوتے ہیں کلی نہیں ہوتے اور قواعد کے بعض جزئیات پر قواعد کے احکام کا جاری نہ ہونا ان کے عموم میں خلل انداز نہیں ہوتا۔

امام شاطبیؒ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چونکہ شارع کا مقصد یہ ہے کہ مخلوقات کو عمومی قواعد کے ذریعہ منضبط کیا جائے اور عادات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ عادات اکثری ہوتی ہیں بالکل عام نہیں ہوتیں اور شریعت اسی وضع کے تقاضے کے اعتبار سے بنائی گئی ہے، اس لئے مقصود یہ ہے کہ شرعی قواعد کا اجراء بھی عموم عادی کے اصول پر ہو اس مکمل عموم کلی کے اصول پر نہ ہو جس سے کسی ایک فرد کا بھی تخلف نہیں ہوتا۔

شریعت کے قواعد کا اکثری ہونا حسب ذیل مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

بلوغ کی علامت جس سے عقل کے وجود کا ظن غالب ہوتا ہے اُسے تکلیف (مکلف ہونا) کا مدار قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ بلوغ کے ساتھ عام حالات میں عقل پائی جاتی ہے لیکن

Marfat.com

یہ بات بالکل عام بات نہیں ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ بلوغ کے ساتھ ہی عقل آتی ہو کبھی کبھی بلوغ سے پہلے بھی عقل پختہ ہو جاتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہو جاتا ہے یعنی بالغ ہونے کے باوجود عقل ناقص رہتی ہے لیکن اکثر حالات میں عقل بلوغ کے ساتھ کامل ہو جاتی ہے۔

شارع نے مشقت کی بنا پر روزہ نہ رکھنے اور نماز میں قصر کرنے کو سفر سے مربوط کر دیا اگرچہ مشقت کبھی کبھی ان دونوں کے بغیر بھی پائی جاتی ہے اور کبھی ان دونوں کے ساتھ مشقت مفقود ہوتی ہے، اس کے باوجود شارع نے ان نوادر کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اکثر حالات کے اعتبار سے قاعدہ جاری کیا۔

یہی صورتِ حال غنا (مالداری) کو نصاب کے ساتھ جوڑ دینے، گواہیوں کی بنیاد پر احکام جاری کرنے، اخبار آحاد پر عمل لازم کرنے اور ظنی قیاسات میں پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ دوسرے بہت سے شرعی امور میں یہی بات پائی جاتی ہے جن میں ان اوامر کے تقاضے فی الواقع اوامر کے ساتھ نہیں پائے جاتے، لیکن اکثر و بیشتر پائے جاتے ہیں اس لئے ان تمام شرعی قواعد کو عادی کلی مانا گیا ہے، حقیقی کلی نہیں۔[1]

(ح) فقہاء نے ان مسائل کا تتبع کیا ہے جنہیں باہم یکساں ہونے کی وجہ سے ایک قاعدہ کے تابع ہونا چاہئے تاکہ ان باریک فرقوں تک رسائی ہو سکے جن کی وجہ سے بظاہر یکساں مسائل میں شریعت نے الگ الگ احکام جاری کئے ہیں، اس علم کا نام علم فروق ہے۔ علم الفروق ان فرقوں کو جاننے کے لئے بنیادی علم ہے جو دونوں مسئلوں میں جدائی کرنے والے قاعدہ کو مضبوط اور مؤکد کرتے ہیں۔ اس طرح فقہی نظریہ سازی حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اگرچہ حقیقت مخفی ہی ہو، ظاہر اور متبادر پر مبنی نہیں ہوتی۔

(ط) نظریہ سازی کے سلسلے میں علوم فقہیہ اس حد تک ہو پہنچ گئے کہ احکام شرعیہ

---

[1] موافقات: شاطبی ج ۲ ص ۱۹۱، ۲۰۰ طبع مصر۔

Marfat.com

کو اس طرح مربوط و مرتب کر دیا اور فکری اور منطقی شکل میں اس کو ڈھال دیا کہ قواعد مستثنیات سے متمیز ہو گئے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء ان احکام کے درمیان جن کی مشروعیت قیاس کی بنیاد پر ہوئی اور خلاف قیاس مشروع ہونے والے احکام کے درمیان امتیاز کرتے ہیں، اسی لئے دوسری قسم کے احکام کی تشریح یا ان پر قیاس کرنے میں توسع کو جائز نہیں قرار دیتے۔

۱ــــ احکام کی تقسیم کا یہ عمل تمام احکام شرعیہ کو حاوی ہے حتیٰ کہ جو احکام قرآن وسنت میں منصوص ہیں ان میں بھی فقہاء مذکورہ بالا فرق کرتے ہیں۔

اسی لئے فقہاء نے بیع سلم، اجارہ، حوالہ، مضاربت، مزارعت، مساقات وغیرہ کو خلاف قیاس کہا ہے۔

۲ــــ ابن حزم نے اس نظریہ کی اساس ہی پر اعتراض کیا ہے اور قیاس اور تعلیل احکام (احکام کی علت نکالنا) کو سرے سے مسترد کر دیا[۱]

۳ــــ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے احکام کی مذکورہ بالا تقسیم کے نظریہ کو مسترد تو نہیں کیا لیکن اس کی تطبیق میں بہت بحث و اختلاف کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے ان مسائل پر بہت مفصل بحث اور مناقشہ کیا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ احکام خلافِ قیاس مشروع ہوئے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے واضح کیا ہے کہ یہ مسائل ایسے قیاس پر مبنی ہیں جس کا علم و احساس خلافِ قیاس کہنے والوں کو نہیں ہو سکا۔

حافظ ابن قیم، ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں معلوم ہے جس کی تخریج ثابت شدہ اصولوں پر ممکن نہ ہو، حافظ ابن تیمیہ نے مزید کہا کہ مجھے شریعت کے جو دلائل معلوم ہو سکے ان پر میں نے غور و فکر کیا، تو مجھے کوئی ایسا صحیح قیاس نہیں ملا

---

[۱] الاحکام فی اصول الاحکام: ابن حزم ج ۲ ص ۱۲۰۶-۱۲۷۷، مناقشہ ابن القیم: اعلام الموقعین ج ۲ ص ۵۲

جو صحیح حدیث کے مخالف ہو۔ جس طرح معقول صحیح، منقول صحیح کے مخالف نہیں ہوتا، بلکہ مجھے تو کوئی ایسا قیاس بھی نہیں ملا جو اثر کے مخالف ہو لہذا جہاں قیاس اور حدیث میں اختلاف ہے وہاں ان دونوں میں سے کوئی ایک کمزور ہے، لیکن قیاس صحیح اور قیاس فاسد کے درمیان تمیز کرنا بسا اوقات صاحب فضل وکمال علماء کے لئے بھی دشوار ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ لوگ جو ان سے کم رتبہ ہوں اس لئے کہ احکام شرعیہ میں موثر صفات کا صحیح صحیح ادراک اور ان معانی کی معرفت جن سے احکام وابستہ ہیں اشرف ترین امور میں سے ہے۔ اس علم کا کچھ حصہ واضح ہے جس کو اکثر لوگ جانتے ہیں اور کچھ حصہ غامض ودقیق ہے جسے خواص اہل علم ہی جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے علماء کے قیاسات نصوص کے مخالف ہو جاتے ہیں کیونکہ وہاں قیاس صحیح مخفی ہوتا ہے جس طرح بہت سے لوگوں کے لئے نصوص میں پائے جانے والے باریک دلائل جو احکام شرعیہ پر دلالت کرتے ہیں مخفی ہوتے ہیں [1]

۴ـــ اس بات کی طرف متوجہ کرنا مناسب ہے کہ ان نصوص ہی کو فقہی نظریہ سازی کی اساس ہونا چاہیئے فقہی نظریہ سازی ایسی نظریاتی اساس پر نہیں ہونی چاہیئے جو مجرد فقہی عمل پر مبنی ہو ہمیشہ نصوص ہی کو نظریہ سازی کے عمل میں اساس کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے، مستثنیات کو نہیں۔

ای) ا۔ بعض فقہی قواعد من وعن قرآن وسنت کے نصوص ہیں یا براہ راست نص سے مستفاد ہیں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ـــ المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت آسانی کو کھینچتی ہے) یہ قاعدہ ان آیات سے مستفاد ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا)۔

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۱۳ ج ۲ ص ۳

ما جعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی۔)

—— من سعی فی نقض ماتم من جہتہ فسعیہ مردود علیہ۔ (جس شخص نے اپنی طرف سے مکمل شدہ چیز کو توڑنے کی سعی کی۔ اس کی سعی وکوشش رد کردی جائے گی۔)

یہ قاعدہ ان آیات سے مستفاد ہے، ولا تبطلوا اعمالکم (اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو)

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثاً۔

—— انما الاعمال بالنیات

یہ حدیث نبوی ہے

—— لاضرر ولاضرار

یہ بھی حدیث نبوی ہے

—— الخراج بالضمان

یہ بھی حدیث نبوی ہے۔

—— لایتم التبرع إلابالقبض (تبرع قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا)

یہ قاعدہ اس حدیث سے مستفاد ہے: لاتجوز الھبۃ الامقبوضۃ، (قبضہ کے بغیر ہبہ جائز نہیں ہوتا)

—— یلزم مراعات الشرط بقدر الامکان (حتی الامکان شرط کی رعایت لازم ہے۔)

یہ قاعدہ اس حدیث سے مستفاد ہے۔ المسلمون عند شروطہم (مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں)

—— جنایۃ العجماء جبار۔

یہ قاعدہ اس حدیث سے مستفاد ہے العجماء جرحہا جبار

۔۔۔۔ زنجانی، زرکشی، سیوطی اور ابن نجیم نے حتی الامکان قواعد فقہیہ کے بارے میں کتاب وسنت سے استدلال کیا ہے۔

۲ ۔۔۔۔ کچھ قواعد ایسے بھی ہیں جو براہ راست کتاب وسنت سے مستنبط نہیں ہیں بلکہ احکام فرعیہ کے استقراء سے مستنبط ہیں۔ ان فرعی احکام پر حکمرانی کرنے والے قاعدہ کو فقہی قاعدہ کی شکل دیدی گئی۔

۳ ۔۔۔۔ فقہی قواعد کے استنباط کے یہ دونوں طریقے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے اس فرق پر ایک اہم فرق ان قواعد کے استعمال کے سلسلے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قاعدہ براہ راست نص سے مستنبط ہے اس کے ذریعہ براہ راست متعدد جدید فرعی حالات پر استدلال کرنا صحیح ہوتا ہے لیکن جو قاعدہ احکام فرعیہ سے مستنبط ہوتا ہے اسے اتنی آسانی سے جدید فرعی حالات کے احکام جاننے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس جدید حالت کا حکم جاننے کے لئے استنباط کے معروف طریقے قیاس، استحسان، استصحاب اور استصلاح کا استعمال مناسب ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے حکم شرعی کی تائید و توضیح میں مدد لی جا سکتی ہے لیکن اسے مستقل دلیل شرعی کا مقام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے برخلاف پہلی قسم کے قواعد خود دلائل شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قواعد فقہیہ کے وظائف پر بحث کے وقت ہم اس مسئلہ کی مزید تشریح و توضیح کریں گے۔

باب سوم

فقہی نظریات کی موجودہ صورت حال

(۱) ——— رخ اور سمتیں

(۲) ——— عصر حاضر کا تقابلی منہج اور اس کی خصوصیات

(۳) ——— فقہ اسلامی اور فقہی نظریات کے موضوع پر عصر حاضر کے مصنفین کی کچھ تحریریں۔

فصل اوّل

رُخ اور سمتیں

(الف) چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں بیداری کا آغاز ہوا۔ یہ بیداری اس شدید تصادم کے نتیجہ میں پیدا ہوئی جو عالم اسلام اور مغربی دنیا (خصوصاً یورپ) کے درمیان ایک طویل زمانہ تک مغربی استعمار اور مغرب کے فوجی قبضہ، آزادی کی تحریکوں کے زیر سایہ طویل عرصہ تک برپا رہا۔ مقاومت اور آزادی کی ان تحریکوں کے نتیجہ میں بیشتر مسلم ممالک آزاد ہو گئے۔ اور مغربی سامراج اپنی عسکری طاقتوں کے ساتھ بلادِ اسلامیہ سے نکل گیا۔ لیکن ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی استعمار اپنے پیچھے چھوڑ گیا جس سے بلادِ اسلامیہ رستگاری کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس تصادم کے دائرہ میں مسلمانوں میں جو ردعمل پیدا ہوا اس کے تین بنیادی رخ تھے:

ا ـــــ ایک رجحان مغرب کے سامنے تہذیب و ثقافت کے میدان میں سپراندازی کا تھا۔ یہ رجحان رکھنے والے لوگ اس بات کے داعی ہو گئے کہ مغربی زندگی کے تمام مظاہر کو اپنانا ضروری ہے، خیر و شر کی ادنیٰ تمیز کئے بغیر اس رجحان کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا دائرہ انتہائی تنگ ہو کر عقیدہ، عبادات پرسنل لا میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور زندگی کے باقی شعبے اسلامی تعلیمات کے سایہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ تینوں میدان (عقیدہ، عبادات، احوال شخصیہ) بھی زد پر

اس رجحان کی زد میں آجاتے ہیں اور تدریجاً ان شعبوں سے بھی اسلام کی حکمرانی ختم ہو جاتی ہے۔

۲ــــــ دوسرا رجحان مغرب کو مکمل طور سے مسترد کر دینے کا ہے۔ اس رجحان کو اپنانے والے لوگ اس بات کے داعی ہیں کہ مغرب سے آنے والی ہر چیز (تہذیب وثقافت، علوم وفنون وغیرہ) کو مسترد کر دیا جائے اور زندگی کے جو مظاہر اسلام کے دورِ زریں میں تھے ان کی پاسداری اور حفاظت کی جائے، اسلام کے اقدار و مبادی کو مضبوطی سے تھامے رہا جائے۔ یہ رجحان رکھنے والوں کے یہاں اسلام کے علمی سرمایہ کا دائرہ یہیں تک محدود تھا کہ قدیم کتابوں کی از سرنو اشاعت و تحقیق کی جائے اور اسی سرمایہ کی تحقیق و مطالعہ پر ساری توجہ مرکوز رکھی جائے تمام مسلمانوں کو اسی کے گرد یکجا کیا جائے۔

۳ــــــ تیسرا رجحان یہ ہے کہ مغرب نے طبعیاتی اور سائنسی علوم میں جو ترقی کی ہے وہ دراصل اسی علمی ترقی کا امتداد ہے جسے یورپ نے مسلمانوں سے ان کے علمی اور تہذیبی عروج کے زمانہ میں حاصل کیا اور اسے مزید ترقی دی، جب کہ مسلمانوں نے ان علوم کو چھوڑ دیا اور گہری نیند سو گئے۔ اسی کے نتیجے میں عالم اسلام پر وہ کمزوری طاری ہوئی جو بلادِ اسلامیہ پر مغرب کے تسلط اور استعمار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان علوم پر پوری توجہ صرف کریں، اس لئے کہ یہ علوم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ جہاں تک انسانی علوم اور ان میں بیان کردہ اقدار و اخلاقیات کا تعلق ہے اس کے بارے میں اسلام کا جو علمی سرمایہ ہے اس کی حفاظت کرنے اور اسے ترقی دینے کی بے حد ضرورت ہے تاکہ ہمارا علمی سرمایہ عصر حاضر کی ضرورتوں کو پورا کر سکے اور مسلمانوں کی مصالح کو بروئے کار لا سکے۔ جس طرح مسلمانوں کی علمی ترقی کے پہلے دور میں اس نے مسلمانوں کی مصالح پوری کیں۔

۴ــــــ دوسرا رجحان رکھنے والوں نے اپنے افکار و خیالات بہت سی تصنیفات

Marfat.com

اور مقالات میں پیش کئے ہیں ان تصنیفات میں دفاعی رنگ غالب ہے۔ ان کا مقصد اسلام کے محاسن کا اظہار اور اسلام کے کھلے دشمنوں، نیز پہلے رُخ کے حامیوں کے اسلام پر اعتراضات کی تردید ہے۔ کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور پہلے رُخ کے حامیوں نے زندگی کے میدانوں سے اسلام کو دور کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے متحدہ محاذ بنا لیا ہے۔

اس دفاعی تحریک نے اسلامی تہذیب و ثقافت پر مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے اور انہیں اسلامی عقائد و اقدار سے وابستہ کرنے میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ لیکن دفاعی رنگ رکھنے میں تصانیف و مقالات کا سلسلہ برابر جاری رہنے سے ایک ہی بات کی بار بار تکرار ہونے لگی لہذا تکرار والا مادہ کا یہ عمل زیادہ مفید نہیں رہ گیا۔

۵ ــــ موجودہ زمانہ میں تیسرا رُخ اختیار کرنے والوں کو مزید مددگار مل گئے اس گروہ نے مختلف طریقوں سے اپنا نظریہ پیش کیا۔ ان کے نزدیک بنیادی مسئلہ ایک ہی ہے خواہ اس کے نام اور عنوان مختلف ہوں خواہ یہ بحث قدیم و جدید کے موضوع پر ہو یا ثبات اور تغیر پذیری کے عنوان سے یا اجتہاد کا دروازہ کھولنے کے عنوان سے یا علوم و فنون کو اسلامیانے کے نام پر۔ بہر حال بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اجتہاد کا عمل موقوف ہو جانے اور چند صدیوں تک اسلامی زندگی میں جمود آ جانے کی وجہ سے جو علمی اور تہذیبی خلا پیدا ہو گیا ہے، اسے مسلمان کس طرح پُر کریں؟ اور یہ کھائی کس طرح پار کریں؟ مسلمان موجودہ دور میں اسلام کے زیر سایہ زندگی کا آغاز کس طرح کریں۔؟

دسیوں سالوں سے یہ قضیہ بحث و نظر کے میدان میں ہے اور راستہ دریافت کرنے کی کوششیں جاری ہیں اسی دائرہ میں بعض تحقیقات معاصر کی مشکلات کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرتی ہیں ان میں سے بیشتر چیزیں عام تحریروں کی صورت میں ہیں اور کچھ یونیورسٹیوں میں پیش کردہ مقالوں

کی صورت میں۔

۶۔ اس موضوع کی عام تحریروں نے مسلمانوں کو بیدار کرنے، اسلامی زندگی کے بنیادی خطوط اور عمومی نشانیوں کی وضاحت کرنے کے سلسلے میں گراں قدر خدمت انجام دی ہے، اور اس بیداری سے ایک اسلامی لہر پیدا ہوئی ہے جو دن بدن مضبوط عمیق اور دوررس ہوتی جارہی ہے لیکن جس طرح ہم نے دفاعی تحریروں کے بارے میں کہا تھا یہاں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عمومی تحریروں کی صورت میں جو کتابیں سامنے آرہی ہیں۔ وہ ایک ہی بات کی تکرار کرتی ہیں۔ اور ان میں کوئی نئی افادیت محسوس نہیں ہوتی۔

(ب) اب یہ جائزہ لینا باقی ہے کہ یونیورسٹیوں میں فقہی نظریات کے موضوع پر جو تحقیقی اور تصنیفی کام ہورہا ہے اس کی قدر وقیمت کیا ہے۔

جامعات میں اس موضوع پر کی جانے والی تحقیقات جو عموماً ڈاکٹریٹ کے مقالوں کی صورت میں ہوتی ہیں ان میں جو رجحان کارفرما ہے اس کی واضح خصوصیات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) تحدیث
(۲) مقارنہ (موازنہ اور تقابلی مطالعہ)
(۳) تنظیر (نظریہ سازی)
(۴) تطویر، ترقی

(۱) تحدیث

موجودہ زندگی اور مسلمانوں کی عصر حاضر کی مشکلات سے متعلق موضوعات منتخب کرکے ان کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش، بہت سے ڈاکٹریٹ کے مقالات میں کی گئی ہے۔ یہ بحثیں اگرچہ درجۂ اجتہاد تک نہیں پہونچ سکی ہیں کیونکہ ان موضوعات پر قلم اٹھانے والے اجتہادی عمل کی بھرپور صلاحیت نہیں رکھتے تھے مگر ان حضرات نے اپنے موضوع سے متعلق مواد بڑی

محنت و تحقیق کے ساتھ قدیم اسلامی کتابوں سے ڈھونڈ کر نکالا۔ دسیوں بلکہ سیکڑوں ماخذ سے استفادہ کر کے ان حضرات نے اپنے مقالات ترتیب دیئے۔ اس طرح قدیم کتابوں کے مواد کو آسان بنا کر پیش کرنے اور جدید ترتیب کے ساتھ مرتب کرنے میں ان لوگوں نے گراں قدر خدمت انجام دی۔ اس میدان میں ان لوگوں کی جدوجہد اور کوشش ابن نجیم وغیرہ کی اس کوشش کے مشابہ ہے جو انھوں نے فن جمع کے بارے میں کی ہے۔

۲ موازنہ اور تقابلی مطالعہ

جامعات میں پیش کیے گئے بہت سے مقالات میں زیر بحث موضوعات کے بارے میں مختلف فقہی اسکولوں سے تعلق رکھنے والے فقہائے اسلام کی آراء کے درمیان اور اسی موضوع کے بارے میں قدیم وجدید نظریات کے درمیان موازنہ اور تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ تقابلی مطالعہ کا منہج استعمال کرنے سے محققین کو بہت سے علمی خزانوں کی دریافت میں مدد ملی ہے۔ وہ خزانے اتنے مخفی تھے کہ اگر تقابلی مطالعہ کو پورے انصاف اور غیر جانبداری سے انجام دینے کی شدید خواہش نہ ہوتی تو وہ خزانے مدفون ہی رہ جاتے۔

۳ تنظیر، نظریہ سازی

جامعات میں پیش کردہ مقالات میں وہ طریق تصنیف اختیار نہیں کیا گیا ہے جو بیشتر قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے یعنی فرعی مسائل کو جمع کرنا بلکہ ان مسائل سے پیچھے چھپے ہوئے نظریہ کی تحدید کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس سے تعریفات، عمومیات، شرائط، ارکان اور اثرات کی وضاحت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ فرعی مسائل میں انہیں امور عامہ کی تحقیق کی باقی ہے۔ اس سلسلے میں بیشتر محققین کامیاب رہے ہیں اور فقہی نظریات کے میدان میں ان جیسوں سے

Marfat.com

قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔

(۴) تطویر، ترقی

مذکورہ بالا تینوں امور پر جس قدر توجہ دی گئی ہے اتنی توجہ ترقی دینے پر صرف نہیں کی گئی۔ تطویر (ترقی دینے) سے ہماری مراد یہ ہے کہ جن علوم پر ہم گذشتہ فصلوں میں بحث کر چکے ہیں انھیں اس رُخ پر ڈالنا جس رُخ پر وہ علوم اجتہاد اور فکری ایجاد و اختراع موقوف نہ ہونے کی صورت میں رواں دواں ہوتے۔

اس کی واحد مثال شیخ محمد طاہر ابن عاشور کی کتاب مقاصد الشریعۃ ہے۔ ابن عاشور نے اس کتاب میں ترقی دینے کا رُخ اختیار کیا ہے اور عز الدین بن عبد السلام نیز شاطبی کے ہاتھوں مقاصد شریعت کا علم جس منزل تک پہونچ چکا تھا اسے ایک قدم بلکہ چند قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

قواعد فقہیہ کے موضوع پر عصر حاضر کے مصنفین کی تحریریں بہت کم ہیں اور ان میں بھی قواعد فقہیہ کے موضوع کو اس مقام سے آگے بڑھانے کی بھی کوشش نہیں ملتی جہاں تک متقدمین نے اس فن کو پہنچا دیا تھا، معاصر مصنفین کی کوششیں مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں مذکور قواعد کی شرح تک محدود ہیں، اس سے استثنا، صرف کوششوں کا ہو سکتا ہے۔

(۱) شیخ محمد الحسین آل کاشف الغطاء کی کوشش۔

(۲) استاذ مصطفےٰ احمد زرقاء کی کوشش۔

ان دونوں حضرات نے قواعد کو اساسی اور فرعی دو حصوں میں تقسیم کیا، اور نئے قواعد کا اضافہ کیا۔

جہاں تک اس کام کا تعلق ہے کہ تمام قواعد فقہیہ کا احاطہ کیا جائے اور انکی تقسیم کی جائے ان قواعد کی روشنی میں پوری اسلامی شریعت کی سطح پر عمومی نظریات مستنبط اور مرتب کئے جائیں پھر شریعت کی ہر قسم بلکہ ہر باب کے نظریات کا استخراج

کیا جائے۔ ہماری معلومات کی حد تک اس جانب کسی نے توجہ نہیں کی حالانکہ ہمارا مطالعہ یہ ہے کہ قواعد فقہیہ پر قدیم مصنفین کی تحریریں اس فن کو اسی رُخ پر لے جا رہی تھیں۔ اس کتاب کے خاتمہ میں جب ہم مستقبل پر ایک نظر کے عنوان سے گفتگو کریں گے وہاں اس موضوع کو دوبارہ چھیڑیں گے۔

فی الحال ہم معاصر تصنیفات میں سے بعض بہترین مثالیں پیش کرتے ہیں اس فہرست میں صرف پی ایچ ڈی یا ایم اے کے مقالات پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے کیونکہ جامعات کے بعض اساتذہ نے بھی اس میدان میں قابلِ قدر کوششیں کی ہیں۔ اور اپنی علمی صلاحیتوں اور بحث و تحقیق پر قدرت کے ذریعہ ایسی شاہکار تحریریں تیار کی ہیں جن پر علماء اور محققین کی موجودہ نسلیں فخر کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

دوسری فصل

عصر حاضر کا تقابلی منہج اور اس کی خصوصیات

(الف) ۱ ــــ گذشتہ باب میں ہم نے اختلافِ فقہاء کے موضوع کے تحت جائزہ لیا تھا کہ اس فن کا نشو و نما اور اس کی ترقی کس طرح ہوئی اور یہ فن جو در اصل تقابلی مطالعات کا ہراول دستہ اور رہنما ہے اس میں قدیم مسلم مصنفین کا منہج کیا تھا۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ فقہی تحریک میں ٹھہراؤ آنے کے ساتھ علم اختلاف فقہاء کی ترقی بھی رک گئی اور مصنفین کا رُخ یہ ہو گیا کہ ایک فقہی مذہب کے دائرے میں رہ کر قواعد سازی کی جائے تاکہ ہر مسئلے میں راجح رائے معلوم ہو جائے اور ہر ملک میں وہاں مروج فقہی مذہب کی بنیاد پر افتاء و قضاء کی خدمت انجام دی جائے۔

۲ ــــ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں یورپ کے صنعتی انقلاب و ترقی اور یورپ کی استعماری توسیع پسندی کے عنفوانِ شباب میں یورپ سے تصادم کے نتیجے میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ فقہ کی بعض شاخوں خصوصاً عائلی اور تجارتی مسائل کے سلسلے میں قانون سازی کی جائے۔ ترکی میں فقہ حنفی کے احکام اور شمالی افریقہ میں فقہ مالکی کے احکام پر نظر ثانی کے باوجود یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ بعض مسائل کے سلسلے میں مروج فقہی مذہب کے باہر سے بعض آراء اختیار کی جائیں، اس صورت حال کی وجہ سے مختلف فقہی مذاہب کے درمیان موازنہ اور تقابلی مطالعہ کا منہج از سر نو زندہ و متحرک ہو گیا۔

۳ ــــ مصر کی وزارت اوقاف نے ۱۹۲۱ء میں شیخ عبدالرحمن الجزیری کی کتاب

Marfat.com

"الفقه علی المذاہب الاربعۃ" کی اشاعت شروع کی۔ ۱۹۳۶ء تک اس کتاب کی چار جلدیں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد اشاعت کا کام رک گیا۔ کتاب کی پانچویں جلد مصنف کی وفات کے بعد قطر کے ادارہ احیاء التراث الاسلامی نے شائع کی۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ کے بارے میں ہر فقہی مذہب کی رائے اس طرح الگ الگ لکھی گئی ہے کہ ان مختلف آراء کے درمیان موازنہ کرنے کی ذمہ داری قارئین کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے اور قاری ہی پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان اختلافی اور اتفاقی نقطوں تک پہنچے۔

۴۔ شیخ عبدالرحمن الجزیری کے اس کام کے بعد عصر حاضر کے مختلف فقہاء نے فقہ اسلامی کے تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں دوسرے تصنیفی کام کئے۔ ان تصنیفات میں سابق منہج کی خامیوں کا ازالہ کیا گیا اور اس کے ناقص پہلوؤں کی تکمیل کی گئی۔ چودھویں صدی ہجری کے نصف اخیر میں جامعات کے اساتذہ، لاء کالجوں میں شریعت اسلامی کے اساتذہ کے ہاتھوں اور ڈاکٹریٹ کے مقالات، فقہ اسلامی کے موسوعات (انسائیکلو پیڈیا) کے ذریعہ فقہ اسلامی میں تقابلی منہج کو خاص ترقی ملی۔

(ب) عصر حاضر کے تقابلی منہج کے خدوخال کی وضاحت درج ذیل نکات کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔

۱۔ متعین فقہی مسلک کے لئے تعصب پر مبنی دفاعی منہج بالکل ختم ہو گیا یا بہت دب گیا، فقہ اسلامی کا مطالعہ و تحقیق متوازن اور معروضی انداز میں کی جانے لگی۔ اگرچہ مخصوص فقہی مسلک کے لئے دفاعی منہج کی جگہ دور حاضر میں اس رجحان نے لے لی جس میں بہ حیثیت مجموعی پوری اسلامی شریعت کا دفاع کیا جاتا ہے اور اسلامی شریعت کے بارے میں اٹھائے گئے سوالات وشبہات (خصوصاً مستشرقین کے شبہات) کا جواب دیا جاتا ہے۔ مستشرقین کے شبہات کے خلاف جو دفاعی رد عمل مسلم مصنفین کی طرف سے ہوا اس کے اثرات اگرچہ اس مرحلہ کے آغاز میں تقابلی منہج پر پڑے لیکن یہ اثرات مسائل کے استقرار اور اس مرحلے کا مقصد پورا ہونے

Marfat.com

نیز مسلمانوں کا اسلامی شریعت پر اعتماد بحال ہونے کے بعد خفیف ہو گئے مذکورہ بالا دفاعی ردعمل کا ایک نمایاں اثر (جو اگرچہ رفتہ رفتہ کم ہوگیا) یہ ہوا کہ اسلامی شریعت پر بحث وتحقیق کرنے والوں نے وضعی قوانین پر اسلامی شریعت کی برتری کے سلسلے میں دلائل وبراہین کا انبار لگا دیا اور ہر طرح کے مضبوط اور کمزور دلائل جمع کر دیئے بعض مصنفین کا طرز تصنیف تو یہ ہو گیا کہ وہ اپنی بحث کے آغاز ہی میں اعلان کر دیئے ہیں کہ ان کی تصنیف کا مقصد اسلامی شریعت کی برتری اور فضیلت ثابت کرنا ہے۔ حالانکہ اس طرح کی وضاحت بحث کے اخیر میں نتیجۂ بحث کے طور پر آنی چاہیئے تاکہ قاری کو یہ محسوس نہ ہو کہ آپ نے شروع ہی میں ایک نظریہ قائم کر کے اسے ثابت کرنے کے لئے ہر طرح کے دلائل اکٹھا کر دیئے ہیں ۔
اس لئے کہ اس طرح کا طرز تحقیق غیر اسلامی علمی حلقوں میں غیر معروضی اور جانبدارانہ قرار دیا جاتا ہے اور اسے درخور اعتنا تصور نہیں کیا جاتا، اگر اسلامی شریعت پر بحث وتحقیق کرنے والے اپنے جذبات پر قابو پاکر نتیجہ نکالنے سے پہلے اپنے دلائل اور علمی براہین پیش کرتے تو ان کی یہ علمی محنت عقلوں کو اپیل کرتی اور ان بحثوں کا اصل مقصد حاصل ہوتا۔

۲ ـــــ عصر حاضر کی بعض فقہی تصنیفات وتحقیقات میں مختلف مذاہب فقہیہ کی آراء پیش کرنے میں متوازن منہج اپنایا گیا ہے اور بعض تحقیقات میں ایک معین فقہی مذہب کو بحث کی بنیاد بنایا گیا ہے (اکثر مصنفین کے یہاں مذہب حنفی کو بنیاد بنایا گیا ہے) اور دوسرے مذاہب فقہیہ کی آراء کی جانب اسی جگہ اشارہ کیا گیا ہے جہاں اختلاف بنیادی ہوتا ہے، ایسے موقع پر باقی مذاہب فقہیہ کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرنے کے لئے زیر بحث مسئلہ کو شرح وبسط کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

۳ ـــــ عصر حاضر میں فقہ اسلامی پر جو تحقیقی اور تقابلی کام ہو رہا ہے ان میں بعض میں کسی خاص موضوع کو تحقیق وبحث کے لئے اختیار کیا گیا ہے مثلاً غبن

Marfat.com

مسئلہ یا مصلحت شرعیہ یا اس طرح کے دوسرے موضوعات بعض معاصر تصنیفات میں فقہ اسلامی کی کسی مخصوص شاخ کو موضوع بنایا گیا ہے مثلاً اسلام کا قانون جرم و سزا شہری معاملات یا بین الاقوامی قانون، بعض تصنیفات میں موسوعی طریقہ اپنایا گیا ہے، اور پورے فقہی ذخیرہ کو فقہی اصطلاحات کے تحت حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کر دیا گیا ہے۔

۴ــــ عصر حاضر کے بعض مصنفین نے اپنی تصنیفات میں اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کے ساتھ دوسرے فقہی مذاہب خصوصاً فقہ جعفری کو تقابلی مطالعہ میں شامل کیا ہے مثلاً شیخ علی الخفیف کی کتاب "فرق الزواج" میں یہی انداز اپنایا گیا ہے قاہرہ کی المجلس الاعلیٰ نے فقہی دائرۃ المعارف کا جو منصوبہ بنایا ہے اس میں چار مشہور فقہی مذاہب کے علاوہ فقہ جعفری، فقہ زیدی، فقہ اباضی اور فقہ ظاہری کو بھی شامل کیا ہے۔

کویت میں موسوعہ فقہیہ کا جو کام ہو رہا ہے اس میں بھی ابتداءً یہی طریقہ اپنایا گیا ــــ پھر طریقہ میں تبدیلی کر کے اس موسوعہ فقہیہ کا دائرہ اہل سنت کے چار فقہی مذاہب کے اندر محصور کر دیا گیا۔

۵ــــ عصر حاضر میں فقہ اسلامی کا جو تقابلی مطالعہ ہو رہا ہے اس میں بہت سے مصنفین کے یہاں فقہی مذاہب کے علاوہ وضعی قوانین کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یا تو کسی ایک ملک کے وضعی قوانین کو یا مختلف ممالک کے قوانین کو یا عصر حاضر کے نظامہائے قوانین کو تقابلی مطالعہ کا جز بنایا گیا ہے، وضعی قوانین کے ساتھ اسلامی شریعت کے تقابلی مطالعہ کی ضرورت کا احساس اس وجہ سے زیادہ پیدا ہوا کہ مسلمان اپنے ملکوں میں اسلامی شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ لیکن عملاً ان پر ایسے وضعی قوانین نافذ کئے جا رہے ہیں جن میں سے بعض اسلامی شریعت سے ماخوذ ہیں اور بعض دوسرے ماٰخذ سے۔

وضعی قوانین کے ساتھ اسلامی شریعت کے تقابلی مطالعہ پر جو تحقیقی کام

ابتک ہوا ہے اس کی ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ اس تقابلی مطالعہ میں اکثر بحث وتحقیق کرنے والا غیر اسلامی نظام قانون یا نظریہ قانون کا پابند ہو کر اس کے ساتھ اسلامی شریعت کا موازنہ کرتا ہے جبکہ وہاں اسلامی شریعت اور وضعی نظامہائے قانون میں ایسے بنیادی فرق ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دونوں کا موازنہ سراسر زبردستی اور تکلف محسوس ہوتا ہے بہتر یہ تھا کہ کسی اور نظریہ کی پابندی کئے بغیر پہلے اسلامی نظریہ کی مستقل اور ممتاز عمارت تعمیر کر لی جائے۔ بعض معاصر تصنیفات اس سلبی اثر سے محفوظ رہنے اور فقہ اسلامی کے نظریہ کی مستقل عمارت تعمیر کرنے میں کامیاب ہیں۔

۶ ـــــ عصر حاضر کی بعض فقہی کتابوں میں یہ طرز اپنایا گیا ہے کہ فرعی مسائل کو براہِ راست فقہ اسلامی کے اولین مآخذ کتاب وسنت سے مربوط کر دیا جائے اس کی سب سے واضح مثال شیخ سید سابق کی کتاب فقہ السنۃ ہے موصوف اپنی کتاب میں مسئلہ کا حکم اور دلیل شرعی بیان کرنے کے بعد فقہی مسالک کی آراء کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

یہ رجحان ترقی پذیر ضرور ہے لیکن اسی کے ساتھ متعین فقہی مسلک کی پابندی کا رجحان بھی از سرِ نو ابھر آیا ہے کچھ مصنفین اس کے لئے پرجوش ہیں اور مذہبی رجحان کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں۔

۷ ـــــ معاصر تصنیفات میں ایسا بہت کم ہے کہ مختلف فقہی آراء اور ان کے دلائل کو الگ الگ ذکر کر دیا جائے جس طرح شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں کیا ہے اور المجلس الاعلیٰ کے فقہی موسوعہ میں کیا گیا ہے۔ اکثر معاصر تصنیفات میں ہر ہر مسئلہ میں مختلف فقہی آراء کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے اور کسی ایک رائے کو راجح قرار دینے کا کام قاری پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔

۸ ـــــ بیشتر معاصر تصنیفات ومطالعات نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ہے

Marfat.com

اور فرعی مسائل کے سلسلے میں تقابلی مطالعہ کی سطح سے بلند ہوکر اسلامی شریعت کے عمومی نظریات کو تطبیقات سے الگ ہوکر مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرزِ تحقیق کے نتیجہ میں زیر بحث موضوع کے بارے میں فقہی نظریات نکھر کر سامنے آگئے ہیں خواہ اس کا موضوع مخصوص ہو جس طرح ڈاکٹریٹ کے مقالات میں اکثر ہوتا ہے یا عام موضوع ہو جیسے استاذ عبدالقادر عودہ شہید کی کتاب التشریع الجنائی الاسلامی میں اور ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری (۱۹۵۴ء - ۱۹۵۹ء) کی کتاب مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی میں ہے۔ یا اس کا موضوع عام فقہی نظریات ہوں جس طرح استاذ مصطفےٰ زرقاء کی کتاب المدخل الفقہی العام میں ہے۔

Marfat.com

فصل سوم

فقہ اسلامی اور فقہی نظریات کے موضوع پر عصر حاضر کے مصنفین کی کچھ تحریریں

ہم یہاں پر بطور مثال شریعت کے عمومی نظریہ اور اس کی بعض شاخوں سے متعلق کچھ معاصر تحریروں کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے ۔

(الف) شریعت کے عمومی نظریہ کے بارے میں چند کتابیں :-

(۱) المدخل الفقہی العام	مصطفٰی احمد زرقاء
(۲) مقاصد الشریعۃ	محمد طاہر بن عاشور
(۳) نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر حسین حامد حسان
(۴) نظریۃ القاعدۃ القانونیۃ والقاعدۃ الشرعیۃ	ڈاکٹر عبد المنعم فرج صدہ
(۵) التصرفات والوقائع القانونیۃ	ڈاکٹر محمد زکی عبد البر
(۶) نظریۃ الاباحۃ عند الاصولیین والفقہاء	ڈاکٹر محمد سلام مدکور
(۷) تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد ادیب صالح
(۸) تعلیل الاحکام	ڈاکٹر محمد مصطفٰی شلبی
(۹) الذرائع فی السیاسۃ الشرعیۃ والفقہ الاسلامی	ڈاکٹر وہبہ زحیلی

(ب) عبادات کے موضوع پر چند کتابیں :-

(۱) ارکان اربعہ	سید ابو الحسن ندوی
(۲) العبادۃ فی الاسلام	ڈاکٹر یوسف قرضاوی

(۳) فقہ الزکاۃ	ڈاکٹر یوسف قرضاوی
(۴) نظام المحاسبۃ لضریبۃ الزکاۃ	ڈاکٹر شوقی اسمٰعیل شحاتہ

(ج) پرسنل لا کے موضوع پر چند کتابیں:۔

(۱) الزوجیۃ فی التشریع الاسلامی	ڈاکٹر ابراہیم عبدالحمید
(۲) فرق الزواج	علی خفیف
(۳) الترکۃ والمیراث فی الاسلام	ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ
(۴) الوصایا والاوقاف	ڈاکٹر محمد مصطفےٰ شلبی
(۵) الجنین والاحکام المتعلقۃ بہ فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد سلام مدکور
(۶) تنظیم الاسرۃ وتنظیم النسل	محمد ابو زہرہ

(د) مالی معاملات کے موضوع پر چند کتابیں:۔

(۱) مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری
(۲) المال والالتزام فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد سلام مدکور
(۳) الاموال ونظریۃ العقد فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ
(۴) الضمان فی الفقہ الاسلامی	علی خفیف
(۵) نظریۃ تحمل التبعۃ فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد زکی عبدالبر
(۶) الملکیۃ	ڈاکٹر عبدالسلام داود عبادی
(۷) الموالۃ	ڈاکٹر ابراہیم عبدالحمید
(۸) الحق ومدی سلطان الدولۃ فی تقییدہ	ڈاکٹر فتحی درینی
(۹) المقاصۃ فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر محمد سلام مدکور
(۱۰) نظریۃ التعسف فی استعمال الحق	ڈاکٹر فتحی درینی
(۱۱) الشرکات فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الوضعی	ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط
(۱۲) مبدأ الرضا فی العقود بین الشریعۃ والقانون	ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی
(۱۳) التأمین وموقف الشریعۃ الاسلامیۃ منہ	ڈاکٹر محمد سید دسوقی

(۱۴) الاحتکار وموقف الشریعۃ الاسلامیۃ منہ — ڈاکٹر محمد سلام مدکور

(۱۵) العمل والعمال بین الاسلام والنظم الوضعیۃ المعاصرۃ — ڈاکٹر سعد مرسفی

(۱۶) نظام الافلاس فی الفقہ الاسلامی — ڈاکٹر حسین حامد حسان

(۱۷) الملکیۃ الفردیۃ وتحدیدھا فی الاسلام — علی خفیف

(۱۸) الوظیفۃ الاجتماعیۃ للملکیۃ الخاصۃ — ڈاکٹر محمد علی جنولہ

(ہ) بینکنگ نظام کے موضوع پر چند کتابیں:-

(۱) الاعمال المصرفیۃ والاسلام — مصطفےٰ عبداللہ ہمشری

(۲) بنوک بلا فوائد — ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

(۳) تطویر الاعمال المصرفیۃ بما یتفق والشریعۃ الاسلامیۃ — ڈاکٹر سامی حمود

(۴) البنوک الاسلامیہ — ڈاکٹر شوقی اسماعیل شحاتہ

(۵) النقود والمصارف فی النظام الاسلامی — ڈاکٹر عوف محمود کفرادی

(و) اقتصادیات کے موضوع پر چند کتابیں:-

(۱) خطوط رئیسیۃ فی الاقتصاد الاسلامی — محمود ابوالسعود

(۲) الاقتصاد الاسلامی مذھبا ونظاما — ابراہیم طحاوی

(۳) الاتجاہ الجماعی فی التشریع الاقتصادی الاسلامی — ڈاکٹر محمد فاروق نبہان

(۴) اقتصادنا — محمد باقر صدر

(۵) استراتیجیۃ وتکنیک التنمیۃ الاقتصادیۃ فی الاسلام — ڈاکٹر یوسف ابراہیم یوسف

(۶) الاقتصاد الاسلامی والفکر المعاصر (نظریۃ التوزیع) — رفعت عوضی

(۷) مفاھیم ومبادئ فی الاقتصاد الاسلامی — ڈاکٹر شوقی اسماعیل شحاتہ

(۸) المشکلۃ الاقتصادیۃ ونظریۃ الأجور والاسعار فی الاسلام — ڈاکٹر عبداللہ غانم

(۹) المبادئ الاسلامیۃ فی نظریۃ التقویم فی المحاسبۃ — ڈاکٹر شوقی اسماعیل شحاتہ

(۱۰) المحاسبۃ فی الاسلام — ڈاکٹر محمد سعید عبدالسلام

(۱۱) الاقتصاد الاسلامی — ڈاکٹر منذر قحف

Marfat.com

(۱۲) النظام الاقتصادی الاسلامی — ڈاکٹر محمد عبدالمنعم عفر

(ز) اسلامی قانونِ تعزیرات کے موضوع پر چند کتابیں:-

(۱) التشریع الجنائی الاسلامی — عبدالقادر عودہ
(۲) دراسات فی فقہ الجنائی الاسلامی — ڈاکٹر عوض محمد عوض
(۳) فی اصول النظام الجنائی الاسلامی — ڈاکٹر محمد سلیم عوا
(۴) المسئولیۃ الجنائیۃ : اساسہا وتطورہا — ڈاکٹر محمد کمال الدین امام
(۵) التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ — ڈاکٹر عبدالعزیز عامر
(۶) القصاص — ڈاکٹر احمد محمد ابراہیم
(۷) نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی — ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی
(۸) نظریۃ الدفاع الشرعی فی الشریعۃ الاسلامیۃ — ڈاکٹر یوسف قاسم
(۹) الدیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ — ڈاکٹر علی صادق ابو ہیف

(ح) نظامِ قضا کے موضوع پر چند کتابیں:-

(۱) نظام القضاء فی الاسلام — ڈاکٹر ابراہیم عبدالحمید
(۲) من طرق الاثبات — ڈاکٹر احمد عبدالمنعم بہی
(۳) طرق الاثبات الشرعیۃ — احمد ابراہیم بک
(۴) حکم الاسلام فی القضاء الشعبی — ڈاکٹر فؤاد عبدالمنعم
(۵) اصول المرافعات الشرعیہ — انور محمد دوس
(۶) التقنین والالزام — بکر بن عبداللہ ابوزید
(۷) القضاء فی الاسلام — ڈاکٹر محمد سلام مدکور

(ط) اسلام کے مالیاتی نظام پر چند کتابیں:-

(۱) النظام المالی الاسلامی — ڈاکٹر محمد کمال جعفر
(۲) دراسۃ تاریخیۃ اسلامیۃ مقارنۃ — ڈاکٹر محمد عبدالمنعم جمال
(۳) الخراج والنظم المالیۃ للدولۃ الاسلامیۃ — ڈاکٹر محمد ضیاء الدین ریس

۴) النفقات العامة فی الاسلام (دراسة مقارنة) — ڈاکٹر یوسف ابراہیم یوسف

(ی) اسلام کے سیاسی نظام کے موضوع پر چند کتابیں:-

۱) النظریات السیاسیة الاسلامیة — ڈاکٹر محمد ضیاء الدین ریئس

۲) مبادی نظام الحکم فی الاسلام مع المقارنة بالمبادی الدستوریة الحدیثة — ڈاکٹر عبد الحمید متولی

۳) مبادی القانون الشریعة الاسلامیة والشرائع الوضعیة — ڈاکٹر عبد اللہ مرسی

۴) مبدأ المشروعیة فی الفقہ الاسلامی وضوابط خضوع الدولة للقانون — ڈاکٹر فواد محمد نادی

۵) الحریات العامة فی الفکر والنظام السیاسی فی الاسلام — ڈاکٹر عبد الحکیم حسن عیلی

۶) حقوق الانسان بین الشریعة الاسلامیة والفکر القانونی الغربی — ڈاکٹر محمد فتحی عثمان

۷) الشوریٰ واثرھا فی الدیموقراطیة — ڈاکٹر عبد الحمید انصاری

۸) الخلافة والملک — ابوالاعلیٰ مودودی

۹) رئاسة الدولة فی الفقہ الاسلامی — محمد رافت عثمان

۱۰) السلطات الثلاث فی الدساتیر العربیة وفی الفکر الاسلامی — ڈاکٹر سلیمان طماوی

(ک) بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر چند کتابیں:-

۱) الشرع الدولی فی الاسلام — نجیب ارمنازی

۲) سیاسة الدولة الاسلامیة — ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۳) مبادئی القانون الدولی فی الاسلام — محمد عبد اللہ دراز

۴) القانون والعلاقات الدولیة فی الاسلام — ڈاکٹر صبحی محمصانی

۵) العلاقات الدولیة فی الاسلام — محمد ابوزہرہ

۶) احکام القانون الدولی فی الشریعة الاسلامیة — ڈاکٹر حامد سلطان

۷) الاسلام والعلاقات الدولیة — محمود شلتوت

۸) آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی — ڈاکٹر وہبہ زحیلی

۹) العلاقات الدولیة العامة فی الاسلام — ڈاکٹر ابراہیم عبد الحمید

Marfat.com

(۱۰) المعاهدات	فقہی انسائیکلوپیڈیا
(۱۱) النظم الدبلوماسیۃ فی الاسلام	ڈاکٹر صلاح الدین منجد
(۱۲) نظام السلم والحرب فی الاسلام	ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی
(۱۳) الجہاد والحقوق الدولیۃ العامۃ فی الاسلام	ظافر قاسمی

(ل) ذمی اور اسلامی ملک کے غیر مسلم باشندوں سے متعلق چند کتابیں:-

(۱) احکام الذمیین والمستأمنین فی دار الاسلام	ڈاکٹر عبدالکریم زیدان
(۲) غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی	ڈاکٹر یوسف قرضاوی

Marfat.com

خاتمہ

کتاب میں پیش کردہ مباحث کے آخر میں ہم یہ جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر کئے گئے علمی کاموں کی صحیح قدر وقیمت کیا ہے، اور مستقبل میں اس کام کے سلسلے میں کیا امکانات اور تقاضے ہیں۔

۱ــــ جن علوم شرعیہ کا مطالعہ گذشتہ بحثوں میں کیا گیا ان کے وظائف کی صحیح قدر وقیمت۔

۲ــــ اس علم کے مستقبل پر ایک نظر اور امکانات کا جائزہ۔

۱ــــ جن علوم شرعیہ کا مطالعہ کیا گیا ان کے مقاصد و وظائف۔

شاید کتاب میں پیش کردہ مباحث سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ان علوم میں سے ہر علم کا بنیادی مقصد، فائدہ اور دائرہ کار کیا ہے۔ یہاں ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ علوم بالواسطہ کیا کیا فوائد رکھتے ہیں اور ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(الف) ان وظائف میں سرفہرست فقیہ و مجتہد کی شخصیت سازی میں ان علوم کے اثرات ہیں۔

قواعد فقہیہ کے مطالعہ کا فائدہ اور اس کے اثرات بڑے نفع بخش، عظیم الشان ہیں۔ ان قواعد کے مطالعہ کرنے والے کو بہت سے اشباہ ونظائر سے گہری واقفیت ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اسے نئے پیش آمدہ مسئلہ کو منصوص مسئلہ پر قیاس کرنے اور تخریج مسائل کا پورا سلیقہ آجاتا ہے اور یہ چیز اجتہاد کا وسیع باب ہے اگر یہ فقہی قواعد نہ ہوتے تو فقہی فروعات متفرق ومنتشر ہوتے ان کی طرف مراجعت اور

ان کا احاطہ آسان نہ ہوتا۔

کبھی کبھی فقہی فروعات بظاہر متعارض محسوس ہوتی ہیں خاص طریقہ سے اسوقت جب کہ مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں اصول وضوابط محفوظ نہ ہوں۔ جو شخص قواعد پر عبور حاصل کر لیتا ہے وہ بہت سی جزئیات یاد کرنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام جزئیات انھیں قواعد کے ذیل میں آتی ہیں قواعد پر عبور حاصل کرنے والے کے لئے یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ یکساں مسائل ونظائر کو باہم مربوط کر دے اور اس علت ومصلحت سے واقف ہو جائے جن کی رعایت ان متشابہ بلکہ بسا اوقات متعارض مسائل کے ہر جزئیہ میں ضروری ہوتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ قواعد پر عبور حاصل کرنا آسان اور ممکن ہے اس کے برخلاف فقہ کے مختلف ابواب وفصول میں بکھری ہوئی بے شمار جزئیات سے واقفیت آسان کام نہیں۔

قرافی لکھتے ہیں کہ "اسلامی شریعت اصول وفروع پر مشتمل ہے۔ اور شریعت کے اصول کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ اصول فقہ۔ اصول فقہ کی اکثر بحثیں الفاظ سے پیدا ہونے والے قواعد احکام کے بارے میں ہیں مثلاً امر کا وجوب پر دلالت کرنا۔

۲ـــــ فقہ کے کلی قواعد، یہ اس طرح کے کلی قواعد ہیں جن کی بے شمار فروع ہیں ان قواعدِ فقہیہ کا اصول فقہ میں ذکر نہیں ہے کہیں کہیں اجمالی اشارہ آجاتا ہے۔ یہ فقہی قواعد بہت نافع ہیں۔ فقیہ کو جس قدر ان قواعد پر عبور ہوگا اس کی قدر ومنزلت اتنی ہی بڑی ہوگی اور فتوی کی راہیں اس پر روشن ہو جائیں گی۔ اور جو شخص صرف فقہی فروعات کا دامن تھامے رہتا ہے قواعد پر عبور حاصل نہیں کرتا اس کیلئے یہ فروعات باہم متناقض اور غیر مربوط ہو جاتی ہیں۔ اور اسے بے شمار جزئیات یاد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس میں جس قدر مشقت ہے وہ ظاہر ہے بلکہ تمام فقہی جزئیات کا یاد کرنا ممکن ہی نہیں"۔

قواعدِ فقہیہ کے موضوع پر کی جانے والی تحقیقات ومطالعات کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ اس سے وہ فقہی ملکہ پروان چڑھتا ہے جو انسان میں استدلال

Marfat.com

و ترجیح کی اہلیت پیدا کرتا ہے۔ قواعد فقہیہ سے فروع کی تخریج پر قادر بنا تا ہے اور نئے پیش آمدہ مسائل کو ان قواعد کے ساتھ مربوط کرنے کی اہلیت پیدا کرتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہا متقدمین نے ان اصولوں سے واقفیت کی پوری کوشش کی ہے جو جزئیات کے لئے ماخذ و مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں اور ائمہ میں اختلاف کی صورت میں ان اصولوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ فقہ کا طالب علم اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ ائمہ فقہ نے کس طرح بحثیں کیں، کس طرح استدلال کئے، ان باتوں سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ فقہا متقدمین کا جزئیات میں اختلاف دراصل ان کے نقطہائے نظر اور اصول استدلال میں اختلاف کا نتیجہ تھا۔

اس طرح فقہ کے لئے طالب علم کو قواعد سے مسائل متفرع کرنے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اسے اس بات سے واقفیت ہو گئی ہے کہ فروع کے درمیان وجہ ارتباط کیا ہے اور وہ فروع کن قواعد سے متفرع ہیں۔ یہ ساری باتیں قواعد فقہیہ کے مطالعہ ہی سے حاصل ہوتی ہیں، اسی لئے سیوطی نے لکھا ہے۔

"یہ بات جان لینی چاہیئے کہ فن اشباہ و نظائر عظیم الشان فن ہے، اس کے ذریعہ فقہ کے حقائق، دلائل و مآخذ اور اسرار فقہ کا علم ہوتا ہے، اور علم فقہ کی فہم اور استحضار مسائل میں مہارت پیدا ہوتی ہے۔ نئے مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کی اور تخریج مسائل کی قدرت پیدا ہوتی ہے جن مسائل کے احکام کتب فقہ میں لکھے ہوئے نہیں ہیں اور جو نئے حوادث و واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان کے احکام کی معرفت بھی اس فن کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اسی لئے بعض فقہا شافعیہ نے فرمایا ہے کہ فقہ نظائر کی معرفت کا نام ہے۔ مجھے اس مقولے کی اصل حضرت عمرؓ بن خطاب کے کلام میں مل گئی انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک خط میں تحریر فرمایا:

Marfat.com

اما بعد!

نظامِ قضا کا قیام ایک محکم فریضہ اور ایک ایسی سنت ہے جس کا ہمیشہ اتباع کیا گیا ہے لہٰذا جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو تو تم اس کو اچھی طرح سمجھ لو اس لئے کہ اس حق کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں جس کا نفاذ نہ ہو، اگر تم نے کل کوئی فیصلہ کیا ہے اور آج تم نے اس پر دوبارہ غور و فکر کیا ہے اور تم کو راہِ راست کی طرف راہنمائی حاصل ہو گئی ہے تو محض یہ بات کہ تم کل ایک فیصلہ کر چکے ہو تمھیں ہرگز حق کی طرف رجوع کرنے سے باز نہ رکھے اس لئے کہ یاد رکھو حق ایک اٹل حقیقت ہے اور یاد رکھو کہ باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ حق کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ جن معاملات میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں انکے بارے میں خوب غور و فکر اور سمجھ بوجھ سے کام لو۔ ایسے نئے مسائل حل کرنے کے لئے تم پہلے قرآن و سنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور ان اصولوں سے واقفیت حاصل کرو اور پھر نئے معاملات کو ان اصولوں پر قیاس کر لو۔ اس کے بعد جو حل تمہاری رائے میں، اللہ کو زیادہ محبوب، اس کی مرضی کے زیادہ قریب اور حق سے زیادہ مشابہ معلوم ہو اسے اختیار کر لو۔

(ایک پیراگراف موجود نہیں)

اس علم کا مطالعہ طالب علم کو تخریج مسائل کے طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسے اس بات کا اہل بناتا ہے کہ فروع وجزئیات کے مآخذ کی تصویب یا تضعیف کر سکے۔ نیز اس علم سے ہر فقہی مسلک والا شخص اپنے مذہب کے قواعد اور ان کی تفریعات کا استحضار کر لیتا ہے اور اسے دلائل کو سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے اور نکھارنے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اسے اصحاب تخریج کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اپنے فقہی مسلک کے دائرہ میں اجتہاد کا دروازہ اس کے لئے کھل جاتا ہے اور اگر اس کے اندر

اجتہاد کی شرطیں پائی جاتی ہیں تو الحاق وقیاس کے ذریعہ اس کے لئے اجتہاد مطلق کا دروازہ کھل جاتا ہے یہ اس کی جد وجہد اور اس کی فن کی ممارست پر موقوف ہے۔

جو مقلد اپنے اندر اجتہاد کی اہلیت وہمت نہیں پاتا اسے ان قواعد کے مطالعہ اور اس کی تفریعات سے آگاہ ہونے کی بنا پر اپنے ان اعمال وعبادات پر پورا اطمینان اور شرح صدر ہو جاتا ہے جن میں وہ کسی امام کی پیروی کر رہا تھا۔ کیونکہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے امام کے یہاں کوئی اصل یا قاعدہ ہے جس کی بنیاد پر امام نے اس عمل کا حکم بیان کیا۔ کیونکہ مجتہدین نے اصول پر فروع کی بنیاد رکھی اور مسائل کی تخریج کرنے والوں نے ایک خاص طرز پر مسائل کی تخریج کی ہے۔ اس خاص طرز میں اس بات کا التزام رکھا گیا کہ تخریج کرنے والوں میں ایسی علمی صلاحیتیں اور اجتہادی اہلیتیں ہوں کہ وہ مذہب میں منصوص مسائل پر قیاس کر کے نئے نئے حوادث کے احکام معلوم کر سکیں یا نئے مسائل کو اس اصل اور قاعدہ کے ساتھ مربوط کر سکیں جو اس طرح کے مسائل کی بنیاد ہے، ایسی صورت میں دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور لگا ہیں۔

قرافی لکھتے ہیں "جب آپ یہ محسوس کریں کہ احکام کی تخریج شریعت کے قواعد پر ہو رہی ہے اور تمام مسائل کے احکام شریعت کے مآخذ پر مبنی ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کیلئے طبیعتیں زیادہ آمادہ ہوتی ہیں اور شریعت کا لباس پہننے پر دلوں میں سرور پیدا ہوتا ہے[1]۔

یہ علم طالب علم کو اجتہاد کے دروازوں پر پہونچاتا ہے اور اجتہاد کی ان راہوں تک لے جاتا ہے جن پر مجتہدین اُمت گامزن رہے، بکھرے مسائل وجزئیات کو مختصر سے لفظ میں (جس کو یاد کرنا اور محفوظ رکھنا آسان ہوتا ہے)

---

[1] ملاحظہ ہو الذخیرۃ ! قرافی جلد اول ص ۳۴ کلیۃ الشریعۃ جامعۃ الأزہر۔

Marfat.com

سمیٹ دینے کی وجہ سے کافی وقت بچا تا ہے۔

ابن نجیم حنفی نے تو ان قواعد ہی کو فقہ اور مصالح فقہیہ کے اصول قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: درحقیقت یہی قواعد فقہ کے اصول ہیں"۔ پھر ابن نجیم ان قواعد کو سیکھنے کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ"ان قواعد کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد تک ترقی کر جاتا ہے اگرچہ فتوی ہی میں اجتہاد کا مقام ہے[1] کیونکہ ان قواعد کے ذریعہ فقیہ کو ایسا حکم کلی معلوم ہو گیا جس کے اندر ہر فرعی مسئلہ داخل ہو جاتا ہے۔ حکم کی علت پائی جانے کی وجہ سے۔

یہ علم طالب علم سے صبر وعزیمت کا طالب ہے اس علم کا سیکھنا اتنا آسان نہیں ہے کہ کم ہمت یا سست لوگ بھی اس پر عبور حاصل کر سکیں۔ بلکہ یہ علم انہیں لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے جن میں غیر معمولی جدوجہد کی صلاحیت ہو اور جو اس علم کو پوری فہم اور گہرائی کے ساتھ برابر پڑھتے رہیں۔ اس علم کے ثمرات حاصل کرنے اور اس کے مسائل کی مختلف شاخوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے مذاقت و مہارت کی ضرورت ہے اور یہ چیز اسی شخص کو حاصل ہو گی، جو پورے طور پر اس علم کے حصول کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اور ذہنی رکاوٹوں اور آلائشوں سے اپنے آپ کو الگ کر لیں، یہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کے دلوں میں چاہتا ہے روشن کرتا ہے۔

سیوطی اور ابن نجیم دونوں حضرات نے اس علم میں مشغول ہونے کی شرطوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے"میری عمر کی قسم! یہ علم محض تمنا کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی الفاظ کی بازیگری سے۔ اسے حاصل کرنے میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو کمر بستہ ہو کر مکمل طور پر جدوجہد کرے اور اپنے اہل وعیال سے یکسو ہو جائے، سمندروں میں غواصی کرے اور تاریک راتوں میں اہل علم کے دروازوں

---

[1] ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر: ابن نجیم ص ۱۵

کا چکر لگاتا رہے۔ صبح و شام تکرار و مطالعہ میں مشغول رہے، اپنے آپ کو شب و روز تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دے۔ اس کی توجہ صرف اس پر ہو کہ علم کی گتھی سلجھاتا رہے اور مشکل مسائل کو حل کرتا رہے۔ علم کی فضاؤں میں منڈلاتا رہے اور قابو میں نہ آنے والے مسائل کا شکار کرتا رہے۔ پر مشقت ہولناک بیابانوں کو عبور کر لے۔ اور علم کے بند دروازوں کو کھولے۔ جب کہ غبی لوگ اس کے کھولنے سے عاجز ہوں۔ اس کے اندر پرکھنے کی ایسی صلاحیت ہو کہ وہ کھرے کھوٹے میں تمیز کر لے اور ایسی نگاہ رسا ہو کہ آراء کے اختلاف کی صورت میں تفکر اور قوتِ فیصلہ کے ذریعہ کوئی فیصلہ کر سکے۔ انبیاء کی ملمع سازی اسے متاثر نہ کر سکے اور اس کی فہم ایسی تیز اور دور بیں ہو کہ اگر مسئلہ کوہِ قاف کے پیچھے ہو تو اسے پھاڑ کر اصل مسئلہ تک پہونچ سکے۔ ان تمام باتوں سے اہم بات یہ ہے کہ بندہ خود اس پر قادر نہیں کہ اپنے اندر اس علم کی صلاحیتیں پیدا کر سکے۔ بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے[1]۔

اس علم میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنا اور اسے سیکھنے کے لئے طبیعتوں کو ابھارنا، اس علم کے مقاصد تک پہونچنے کے لئے دل کو آمادہ کرنا بہت ضروری ہے۔ اسی طرح اس علم میں فقہاء مجتہدین کے اصول و قواعد اور مناہج و اجتہاد نیز طرق استنباط سے مدد لینا بہت اہم اور نتیجہ خیز ہے[2]۔

(ب) ان قواعد کا دوسرا وظیفہ جس سے ہم بحث کریں گے یہ ہے کہ یہ قواعد فقہی فروع پر حاکم ہیں یا ان کی حیثیت فروع کو ثابت و مؤکد کرنے والے کی ہے۔

ا باب اول میں اہل اصول فقہ کے مناہج پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے

---

[1] ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر: سیوطی ص۲ طبع عیسی الحلبی، اور الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص۲ طبع مؤسسۃ الحلبی، [2] مقدمہ ڈاکٹر تیسیر فائق: المنثور فی القواعد للزرکشی ص ۲۲-۲۹

لکھا تھا کہ متکلمین کے طریقہ و منہج میں یہ اصول فروع کے لئے معیار و پیمانہ اور ان پر حاکم مانے جاتے ہیں، جبکہ احناف کے طریقہ و منہج میں ان اصولوں کی حیثیت فروع پر حاکم کی نہیں بلکہ یہ اصول محض فروع کو ثابت و مؤکد کرنے کے ذرائع ہیں۔[1]

یہی بات جو اصول فقہ کے بارے میں کہی گئی ہے اسی سے ملتی جلتی بات قواعد فقہیہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ ان میں سے بعض قواعد فروع پر حاکم ہیں اور دوسرے بعض فروع کو ثابت و مؤکد کرنے والے ہیں۔ قواعد فقہیہ میں سے جن قواعد کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے وہ قواعد فروع پر حاکم ہیں اور ان کی حیثیت قابل استدلال دلیل کی ہے کیونکہ ان قواعد سے استدلال کرنا دراصل ان کی اصل سے استدلال کرنا ہے ان کے سوا جو دوسرے قواعد فقہیہ ہیں ان کی حیثیت محض شاہد کی ہے جسے تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے حکم فقہی کی دریافت میں تنہا ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بعض فقہاء نے متنبہ کیا ہے کہ فقہی قاعدہ سے حکم کا استخراج نادرست منہج ہے کیونکہ قواعد سے فروع کی تخریج مطرد ہے عام نہیں[2] لیکن قرافی کی رائے یہ ہے کہ اگر قاضی کا فیصلہ کسی ایسے قاعدہ کے مخالف ہو جس کا کوئی معارض نہیں ہے تو اس فیصلہ کو توڑ دیا جائے گا اسی طریقہ سے ابن فرحون [illegible] کی رائے یہ تھی کہ قاعدہ کی بنیاد پر حکم لگانا درست ہے۔[3]

۲ مجلۃ الاحکام العدلیہ مرتب کرنے والی کمیٹی نے مجلۃ کے ساتھ جو یادداشت تیار کی تھی اس میں اس موضوع کو چھیڑا گیا ہے اور اشارہ کیا گیا ہے کہ ان قواعد کو فروع پر حاکم نہ مانا جائے چنانچہ اس یادداشت میں ہے:

---

[1] محمد ابو زہرہ: [illegible] ص ۱۹، ۲۰

[2] ابن فرحون: الدیباج [illegible]

[3] قرافی: الفروق [illegible]

"شریعت کے حکام جب تک انھیں کوئی نقل صحیح نہ مل جائے محض ان قواعد میں سے کسی قاعدہ کی بنیاد پر فیصلے نہ کریں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ مسائل کو منضبط کرنے میں ان قواعد کا کلی فائدہ ہے ..."

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن قواعد کا ماخذ کتاب وسنت کی کوئی دلیل (نقل صریح) ہے ان کی بنیاد پر قاضی فیصلے کر سکتا ہے ان کے سوا بقیہ قواعد کا کام مسائل کو منضبط کرنا ہے۔

۲۔ —— لیکن دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ استاذ علی حیدر نے مجلۃ الاحکام العدلیہ کی شرح میں مجلہ کمیٹی کی اس سابق الذکر رائے کی وضاحت کرنے کے بعد اپنی شرح میں جزئیات کا حکم جاننے کے طریقے کے بارے میں ایک ایسا مذہب اختیار کیا ہے جس میں قاعدہ فقہیہ محض مسائل کو منضبط کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اسے استخراج حکم کی بنیاد بھی قرار دیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں۔

"قاعدہ کلیہ سے جزئیات کا حکم جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً "القدیم علی قدمہٖ" (پرانی چیز اپنی پرانی حالت پر مانی جائے گی) یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے، اور اس کا جزئیہ مثلاً یہ ہے کہ زید کے مکان کا راستہ پرانا ہے اب عمومی قاعدہ سے یہ حکم نکالا جائے گا کہ چونکہ زید کے گھر کا راستہ پرانا ہے اس لئے اس کا پرانی حالت پر باقی رہنا واجب ہے اس لئے کہ پرانی چیز اپنی پرانی حالت پر باقی رہتی ہے۔ اسی طرح دوسری مثالیں فرض کر لی جائیں[1]۔

استاذ علی حیدر نے جو مثال بیان کی ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ القدیم علی قدمہ کا قاعدہ ان قواعد میں سے نہیں ہے جو نقل صریح پر مبنی ہیں اس کے باوجود انھوں نے اس قاعدہ کی تطبیق اس طرح سے کی ہے

---

[1] علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ص ۱۰، ۱۵، ۱۷

جیسے کہ یہ قاعدہ فیصلہ کن ہو محض ثابت کرنے والا معیار نہ ہو۔

۴ ـــــ کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عملی اعتبار سے قواعد کی تطبیق میں فقہاء نے یہی روش اختیار کی ہے؟ اور فقہاء کا یہ قول کہ قواعد کی بنیاد پر حکم نہیں لگایا جائے گا محض نظری قول ہے؟ جس کا مقصد اجتہاد سے توجہ پھیرنا یا کم از کم اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے سلسلے میں اس زمانہ کا جو عمومی رجحان تھا اس کا ساتھ دیتے ہوئے اجتہاد کی حوصلہ افزائی نہ کرنا ہے؟

۵ ـــــ قواعد کے سلسلہ میں فقہاء کا جو بھی جواب ہو لیکن جہاں تک ضوابط کا تعلق ہے ان کا کام مسائل فرعیہ کو منضبط کرنے اور مستثنیات کو بیان کرنے میں منحصر ہے جیسا کہ ہم قاعدہ اور ضابطہ کے درمیان فرق بیان کرتے وقت واضح کر چکے ہیں۔

(ج) مذکورہ بالا شرعی علوم تیسرا جو کام انجام دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ فقہی نظریہ سازی کے عمل میں مددگار ہوں گے۔

۱ ـــــ شیخ مصطفےٰ احمد زرقا، نظریات فقہیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فقہ کے اساسی نظریات سے ہماری مراد وہ بڑے بڑے دستور اور مفاہیم ہیں جن میں سے ہر ایک ایسا قانونی نظام تشکیل دیتا ہے جو نظام فقہ اسلامی کے جسم میں اس طرح پھیلا ہوا ہے جس طرح مختلف قسم کے اعصابی نظام انسانی جسم کے مختلف اطراف اور گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس نظام کے عناصر اس موضوع سے تعلق رکھنے والے مختلف احکام میں حکمراں ہیں۔ مثلاً ملکیت اور اسباب ملکیت کا نظریہ، عقد، قواعد عقد اور نتائج عقد کا نظریہ، اہلیت کا نظریہ اور اس کی مختلف قسمیں، مراحل اور عوارض۔ نیابت اور اس کے اقسام کا نظریہ۔ باطل، فاسد اور موقوف ہونے کا نظریہ۔ قولی تصرف میں تعلیق، تقیید اور نسبت کا نظریہ۔ ضمان، اسباب ضمان، اقسام ضمان کا نظریہ، عرف کا نظریہ اور التزامات کی تحدید میں اس کی حکمرانی اسی طرح دوسرے بڑے نظریات جن پر اسلامی فقہ کا شاندار محل تعمیر ہوا ہے۔ اور تمام فقہی مسائل و حوادث کے حل میں انسان ان نظریات کے

اثرات سے دوچار ہوتا ہے۔

یہ نظریات فقہی قواعدِ کلیہ کے علاوہ ہیں کیونکہ یہ قواعدِ فقہیہ دراصل ایسے فقہی اصول وضوابط ہیں جن کی رعایت جدید مسائل کے احکام کی تخریج میں ان بڑے نظریات کے حدود میں رہتے ہوئے کی جاتی ہے مثلاً العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی (عقود میں مقاصد ومعانی کا اعتبار ہے) کا قاعدہ نظریہ عقد کے وسیع میدان کے ایک مخصوص گوشہ میں ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی حال دوسرے قواعد کا ہے''۔[۱]

۲۔۔۔ ان اساسی فقہی نظریات کے پہلو بہ پہلو (جن کی چند مثالیں شیخ زرقاء نے بیان کی ہیں) فقہ کے اقسام وابواب ہیں۔ دوسرے فرعی نظریات بھی پائے جاتے ہیں جس طرح ان اساسی فقہی نظریات کے اوپر اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ کل کی حیثیت سے پایا جاتا ہے جس کا دائرہ متعین کرنے کی کوشش ہم انشاء اللہ ایک الگ کتاب میں کریں گے۔

۳۔۔۔ اس سے پہلے ہم فقہ کے اساسی اور فرعی نظریات کا مادہ تیار کرنے میں فنِ جمع کی اہمیت بیان کرچکے ہیں فن جمع کا آغاز اگرچہ اس طرح ہوا تھا کہ اس میں مختلف فقہی ابواب سے ایک ہی موضوع سے متعلق مواد کو انسائیکلوپیڈیائی انداز میں جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر اکثر اوقات اس کوشش کے نتیجہ میں ایسے قواعد وضوابط حاصل ہوتے ہیں جو فقہی نظریہ کی تکوین میں مددگار ہوتے ہیں۔

۴۔۔۔ اسی طرح علمِ فروق بھی ان دقیق فروق کی وضاحت میں معاون ہوتا ہے جن کی بناپر مسائل ایک دوسرے سے متمیز ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی نظریہ سازی کی تحریک کے لئے اہم لوازم میں سے ہے۔

---

[۱] زرقا: المدخل الفقہی العام ج ۱ ص ۲۵۰، ۲۵۱۔

۵ ــــ جہاں تک قواعد فقہیہ کا تعلق ہے تو فقہی نظریہ سازی کی تحریک میں ان کی اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے خصوصاً اس وقت جب کہ ہم ان قواعد کو تدریجیت کے اعتبار سے تقسیم کریں اور ہر سطح کے قواعد کو اس کی سطح کے نظریہ سازی کے عمل میں استعمال کریں۔ اور ہم اپنے کو انھیں قواعد تک محدود نہ رکھیں جن کا دائرہ فقہ کے ایک ایک باب تک محدود ہے جن کے بارے میں شیخ زرقا نے کہا ہے۔ کہ ان کی حیثیت نظریہ کے وسیع میدان کے ایک مخصوص گوشہ میں پائے جانے والے ضوابط کی ہے۔ قواعد فقہیہ میں یہ ترتیب اس طریقہ پر قائم ہوگی جس کی طرف ہم نے تطویر کے عنوان کے تحت اشارہ کیا ہے اور تھوڑی دیر بعد مستقبل پر ایک نظر کے عنوان سے دوبارہ اس پر بحث کریں گے۔

۶ ــــ سب سے آخری بات یہ ہے کہ اختلافِ فقہاء کا علم فقہی نظریہ سازی کے میدان میں اہم خلا پر کرتا ہے کیونکہ یہ علم متعین فقہی مذہب کی سطح پر یا پوری فقہ اسلامی کی سطح پر فقہی نظریہ کے تصور میں مدد دیتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں فقہی نظریات کو بڑی علمی ثروت حاصل ہوتی ہے۔ مختلف نقطہ ہائے نظر اور پیش آنے والے مسائل کے مختلف حل نظر آتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں فقہی نظریہ زیادہ اچھے انداز میں فقہ اسلامی کے مجموعے کی نمائندگی کرتا ہے۔

(د) اسلامی شریعت کی قانون سازی کی تحریک پر قواعد فقہیہ اور علم اختلاف فقہاء کی تحقیق اور مطالعہ کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں تھوڑا وقت صرف کرنا چاہیئے۔

۱ ــــ پہلے ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء کے ذکر کردہ بہت سے قواعد محض الفاظ کی تراش خراش کے اعتبار سے قواعد ہیں۔ درحقیقت وہ قواعد جزئی احکام ہیں جنہیں ایسی عمومی عبارت کا جامہ پہنا دیا گیا ہے جس میں تجریدیت اور منضبطی ہے احکام جزئیہ کی سطح پر فقہا کا یہی عمل قانون سازی ہے کیونکہ اس طرح کے قواعد اسلامی شریعت کو جدید قانونی اسلوب میں ڈھالنے کے سلسلے میں

بہت مفید ہیں۔

۲ــــ یہی حال ان دوسرے قواعد کا ہے جو چند جزئی حالات پر منطبق ہوتے ہیں۔ چونکہ ان قواعد کو اسلامی شریعت کی قانون سازی کے مختلف اقسام وابواب میں سمو دینا فقہ کی ہر قسم اور ہر باب کے عمومی دائرہ کی تحدید میں بہت مفید ہوگا اور مفصل قانونی نصوص کے کافی نہ ہونے کی صورت میں ان قواعد کی طرف رجوع بہت سودمند ہوگا۔ اس طرح یہ عمومی قواعد قاضیوں کے لئے اور احکامِ شرعیہ کی تشریح و تطبیق میں اشتغال رکھنے والوں کے لئے ماخذ بن جائیں گے۔

۳ــــ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس جانب بھی اشارہ کرنا مناسب ہے کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں جس انداز میں مثالیں اور تشریحات لائی گئی ہیں وہ طریقہ قانون سازی کے جدید اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ تعلیمی اسالیب سے قریب تر ہے اور ہر مقام کیلئے مخصوص طرزِ کلام ہوتا ہے۔

۴ــــ اسلامی شریعت کی قانون سازی کی تحریک خواہ ایک ملک کی سطح پر ہو یا تمام بلاد عربیہ یا بلاد اسلامیہ کی سطح پر ہو اس تحریک کی تیاری کے لئے علم اختلاف فقہا، اور فقہِ اسلامی کے تقابلی مطالعہ کی اہمیت بہت واضح ہے۔

ماضی قریب میں مسلم پرسنل لا کے بارے میں قانون سازی کی جو تحریکیں برپا ہوئیں انھوں نے تقابلی مطالعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مملکت میں مروّج فقہی مذہب کے باہر سے بعض احکام لئے اسی طرح احوالِ شخصیہ کے قانون یا سول قانون کے سلسلے میں عرب لیگ نے تمام بلاد عربیہ کے لئے یکساں قوانین کا منصوبہ بنایا اس میں بھی فقہِ اسلامی کے تقابلی مطالعات پر بڑا اعتماد کیا گیا ہے۔

(۵) قواعدِ فقہیہ بول کر اگر ہم قاعدہ سے مراد وہ کلی قضیہ لیا کریں جس سے اس کی جزئیات کے احکام معلوم ہوتے ہیں تو اس کے بالمقابل وضعی قوانین میں جو چیز ہے اسے قانونی مبادی کا نام دیا جاتا ہے۔

ماہرینِ قانون نے مبدأ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ مبدأ قانونی وہ چیز ہے جس کی تطبیقات کی کوئی حد نہ ہو جب کہ فردی قاعدہ قانونی وہ ہوتا ہے

Marfat.com

جیسے متعین تعداد میں پائے جانے والے اعمال یا واقعات کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

۱ـــــ اس تشریح کے اعتبار سے مبدأ فردی کی تشریح کے لئے اسی مبدأ قانونی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جس کا ایک فرد وہ قاعدہ بھی ہے۔

اسی طرح اگر فردی قاعدہ کسی عمومی مبدأ سے استثناء کی حیثیت رکھتا ہو تو اس کی تطبیق کا دائرہ وسیع نہیں کیا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ قانونی مبادی قانون کے اندر لچک پیدا کرتے ہیں کیونکہ مبادی روح قانون کو قانون کے الفاظ پر غالب کرتے ہیں۔ اور فطرتِ سلیمہ کو قانونی الفاظ کے تقاضوں کی پابندی سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔[1]

۲ـــــ قانونی مبادی ملکی قوانین کے دائرہ میں جو ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں ان کے پہلو بہ پہلو ایسے عام قانونی مبادی کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے جو بڑے بین الاقوامی نظامہائے قانون کے درمیان متعارف اور مسلم ہیں۔ انہیں بین الاقوامی قوانین میں سے اسلامی شریعت بھی ہے۔ عالمی نظامہائے قانون کے درمیان ان مشترک مبادی کی طرف اس قانون کا ایک ماخذ ہونے کی حیثیت سے رجوع کیا جاتا ہے جیسے بین الاقوامی عدالت اپنے تاسیسی نظام کے تحت (دفعہ ۳۸ ج) نافذ کرتی ہے۔

اسلامی شریعت عالمی نظامہائے قانون میں سب سے زیادہ اس اعتبار سے ترقی یافتہ ہے کہ اس نے اپنے مبادی کو اس انداز میں قواعد کی شکل میں ڈھال دیا ہے جس طرح ہم نے قواعد اور اس کے مختلف اقسام کی بحث میں لکھا ہے۔

۳ـــــ جن حضرات کو قانون شریعت، عصری قانون اور بین الاقوامی قانون میں مہارت حاصل ہے ان کے کندھوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان فقہی قواعد کو آشکارا کریں۔ ان کا تعارف کرائیں تاکہ بین الاقوامی میدانوں میں ان

---

[1] ڈاکٹر عبدالحی حجازی: المدخل لدراسۃ العلوم القانونیۃ ص ۲۹۳-۲۹۰

قواعد کی طرف رجوع آسان ہو جائے اس طرح اسلامی شریعت کے یہ قواعد انسانیت کی ہدایت کا اہم کام انجام دیں اور انھیں عملی طور پر برتنے سے اسلامی شریعت کے مبادی بلندی اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس کی صلاحیت ثابت ہو۔

۳۔ اس سلسلہ میں ایک اہم تمہیدی کام یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے پھر مذاہب فقہیہ کے مجموعے کا بڑے بین الاقوامی نظامہائے قانون سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تاکہ ان نظامہائے قانون کے درمیان متعارف عام مبادی کو علحدہ کیا جا سکے، اس تقابلی مطالعہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلامی شریعت چونکہ مکمل اور مالا مال ہے اس لئے قانون کے جن میدانوں میں وضعی قوانین خاموش ہیں یا وضعی قوانین میں خلا ہے، اس سلسلے میں اسلامی شریعت کا پیش کردہ حل وہ لوگ قبول کریں گے جو معروضی انداز میں نظامہائے قوانین کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(د) علم اختلاف فقہاء کے تحقیق و مطالعہ کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ بات اجاگر ہو جاتی ہے کہ فقہاء کے درمیان اختلاف خواہش نفس اور شہوت کی بنیاد پر نہیں تھے بلکہ اس کے واقعی اسباب تھے جن کا ظہور ان اصولوں اور مناہج کے اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جن پر وہ فقہاء اعتماد کرتے تھے۔ اسی طرح کے دوسرے سنجیدہ علمی اسباب تھے۔

اس زمانہ کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ اختلاف کے آداب سیکھے جائیں اور ان کی عملی مشق کی جائے علم اختلاف فقہاء کا مطالعہ اس سلسلے میں بھی بہت معاون ہوگا۔

(۲) مستقبل پر ایک نظر

سابقہ جائزہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عصر حاضر کی تحقیقات و مطالعات

Marfat.com

تیز رفتاری کے ساتھ اس جانب قدم بڑھا رہی ہیں کہ موجودہ زندگی کے تمام گوشوں کے سلسلے میں اسلام کا حکم ایسے انداز سے بیان کر دیا جائے کہ علم و آگہی کی ہر شاخ کے بارے میں اسلام کے مخصوص نظریات کی وضاحت ہو جائے۔

(الف)

یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ تحقیقات یکساں تیز رفتاری ہمہ گیری اور گہرائی کے ساتھ تمام میدانوں میں نہیں ہو رہی ہیں بعض پہلوؤں کے بارے میں واضح طور پر زیادہ کام ہوا ہے مثلاً مالی معاملات اور پرسنل لا کے بارے میں جبکہ بعض دوسرے میدانوں میں جس قدر توجہ مطلوب تھی وہ نہیں دی گئی مثلاً سیاسی علوم، علوم نشر و اشاعت فنون وغیرہ۔

یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ ان میدانوں اور پہلوؤں کی تفصیلی نشاندہی کی جائے جن میں تحقیق و مطالعہ کی ضرورت بدستور باقی ہے۔ یہ عمل خود ان اعمال میں سے ہے جسے شروع ہونا چاہیئے، اسی کو جائزاتی مرحلہ کہتے ہیں۔

(ب)

یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم یہاں اس جانب اشارہ کریں کہ ان انفاس اور خلا کا پر کرنا تحقیقات و مطالعات کے عمل سے بظاہر مخصوص طور پر کامل ہو جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بعض ماہرین اس چیز کا جائزہ لیتے رہیں کہ تحقیقات مطلوبہ معیار کو پورا کرتی ہیں یا نہیں۔ قابل اطمینان ہیں یا نہیں۔ بعض تحقیقات میں اگر کچھ مزید تکمیل اور استقصاء کی ضرورت ہو تو اسے بھی واضح کریں۔

(ج) معاون اعمال:

ایک اہم ترین چیز جس پہ توجہ دینا اور اسے اولیت دینا مناسب ہے یہ ہے کہ مطلوبہ تحقیقات و مطالعات کو آسان بنانے کے لئے کچھ ایسے کام کئے جائیں جو اس میں معاون ہوں:

ان معاون اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ اسلامی علوم کی متعدد اہم ترین

Marfat.com

کتابیں جو ابتک اشاعت سے محروم ہیں انھیں ایڈٹ کرکے شائع کیا جائے اسی طریقہ سے علوم اسلامیہ کے موسوعات، ڈکشنریوں اور فہرستوں کی تیاری بھی بہت ضروری ہے، تاکہ وہ لوگ جنھیں جدید علوم میں مہارت حاصل ہے وہ اسلامی علوم کی بنیادی کتابوں سے بآسانی استفادہ کرسکیں۔

ایک اہم کام یہ ہے کہ تمام فقہی قواعد کو جمع کرکے انھیں اس انداز سے تقسیم کیا جائے کہ ان کی روشنی میں پوری اسلامی شریعت کی سطح پر عمومی نظریات وضع کئے جاسکیں، اسی طرح شریعت کی ہر قسم اور ہر باب کی سطح پر بھی نظریہ سازی ہوسکے۔

(د)

فقہ کی شاخوں میں سے ہر شاخ کے بارے میں خصوصاً، اور تمام علوم شرعیہ کے بارے میں عموماً تالیف کا کام مکمل ہونے کے بعد علم فقہ کی ہر شاخ کے بارے میں ایک جامع کتاب تالیف کی جائے، جس میں اس شاخ کے خاص نظریہ کو پوری جامعیت کے ساتھ بیان کیا جائے، مختلف مذہبی آراء کو پابندی سے واضح کیا جائے کسی متعین فقہی مذہب پر اکتفا نہ کیا جائے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تحقیق کرنے والا اپنے نزدیک راجح رائے کو ترجیح کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ ترجیح دے۔ اور اس موضوع کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء کے درمیان موازنہ کرے اسی طرح فقہاء اسلام کی آراء کا موازنہ غیر اسلامی نظریات ورجانات کی آراء کے ساتھ کرے۔

(ح) ان سب کاموں کے بعد اسلامی شریعت کی قانون سازی کا مرحلہ آتا ہے' قانون سازی کا یہ عمل بھی تین مرحلوں میں انجام دیا جائے گا۔

۱ ـــــ ہر ملک کے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ وتحقیق تاکہ ان کی عملی ضروریات عرف وعادات اور مشکلات کا علم ہوسکے، کیونکہ ہر ملک کے مسلمانوں کی ضروریات وعادات اور مشکلات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں ہم کو دوراہوں

Marfat.com

میں سے کوئی ایک راہ اپنانی پڑے گی۔ پہلی راہ تو یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک کے لئے یکساں قوانین بنائے جائیں۔ دوسری راہ یہ ہے کہ قانون سازی کا ایک اصولی اور رہنمایانہ دائرہ طے کرنے پر اکتفا کیا جائے جس کے اندر رہتے ہوئے ایک ملک کے قوانین دوسرے ملک سے بعض معاملات میں مختلف ہو سکیں۔ عرب لیگ نے پہلا راستہ اپنایا ہے یعنی پرسنل لا، سول قانون تجارت اور سزاؤں کے قوانین میں قانون کی وحدت کا رخ۔ لیکن ابھی تک عرب لیگ ان قوانین میں سے کسی قانون میں وحدت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ مشترک یورپین منڈی کی تنظیم نے دوسرا راستہ اپنایا ہے چنانچہ اس تنظیم کے مشترک ادارے قوانین کے لئے جو رہنمایانہ دائرے اور اصول متعین کرتے ہیں، ان کی روشنی میں یورپین ممالک کے قوانین میں ایک طرح کی یکسانیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے نتیجہ میں یورپین قانون درحقیقت کسی ایک متعین قانون کا نام نہیں ہے بلکہ قانون کے ہر میدان میں رہنمایانہ اصولوں اور دائروں کا ایک مجموعہ ہے۔ ممالک یورپ اپنے قوانین میں ایسی تبدیلیاں کرنے کے پابند ہیں جو ان ضوابط سے ہم آہنگ ہوں۔

۲ــــــ اس کے بعد ہر اسلامی ملک میں ان احکام کو اختیار کرنے کا معاملہ آئے گا جنہیں اس ملک میں اختیار کیا جانا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان رہنمایانہ اصول وضوابط کے دائرہ میں فقہ اسلامی کی مختلف آراء میں سے کچھ آراء کو منتخب کرنا۔

۳ــــــ سب سے آخر میں ان قوانین کو قانونی الفاظ میں منضبط طور پر ڈھالنے کا مرحلہ آتا ہے اختیار کردہ احکام کو قانونی الفاظ و اسلوب میں ڈھال کر قانونی مجموعے تیار کئے جائیں اور ہر اسلامی ملک کے نظم کے اعتبار سے ان مجموعوں کی اشاعت اور تطبیق کی جائے۔

Marfat.com

مآخذ و مصادر

مصنفین کے ناموں کے آخری جزکے اعتبار سے مآخذ کی یہ فہرست تیار کی گئی ہے، لفظ ابن، ابو اور آل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، یہ فہرست صرف اہم مراجع کی ہے دوسرے مراجع کی طرف اصل کتاب اور اس کے حواشی میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اسنوی، (متوفی ۷۷۲ھ)

۱ ــــ التمہید فی استخراج المسائل الفروعیۃ من القواعد الاصولیۃ۔

۲ ــــ الکوکب الدرّی فی تخریج الفروع الفقہیۃ علی المسائل النحویۃ، تحقیق ڈاکٹر عبدالرزاق سعدی۔

اطفیش، محمد بن یوسف (متوفی ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء):

۳ ــــ شرح النیل وشفاء العلیل۔

باز، سلیم رستم (متوفی ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء)

۴ ــــ شرح المجلۃ

بجنوری، سید میرزا حسن موسوی (معاصر)

۵ ــــ القواعد الفقہیۃ۔

بحیری، محمد عبدالوہاب (معاصر):

۶ ــــ الحیل فی الشریعۃ الاسلامیۃ وشرح ما ورد فیہا من الآیات والاحادیث۔

تلمسانی، محمد بن احمد مالکی (متوفی ۷۷۱ھ):

۷ ــــ مفتاح الاصول الی بناء الفروع علی الاصول:

ابن تیمیہ (متوفی ٧٢٨ھ)

٨ ـــ قاعدۃ العقود،

ابن جزی (متوفی ٧۵٨ھ)

٩ ـــ القوانین الفقہیہ

جزیری عبد الرحمٰن (معاصر)

١٠ ـــ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ،

جصاص، رازی (متوفی [illegible]ھ)

١١ ـــ الفصول فی الاصول تحقیق: ڈاکٹر عجیل نشمی۔ طبع وزارۃ الاوقاف الکویتیۃ۔

ابن الجوزی (متوفی ۵٩١ھ)

١٢ ـــ احکام النساء۔

جوینی، امام الحرمین (متوفی ۴٧٨ھ):

١٣ ـــ البرہان، تحقیق ڈاکٹر عبد العظیم الدیب

١۴ ـــ الدرۃ المضیئۃ فی ما وقع فیہ الخلاف بین الشافعیۃ والحنفیۃ تحقیق ڈاکٹر عبد العظیم الدیب

حجازی۔ ڈاکٹر عبد الحی (معاصر)

١۵ ـــ المدخل لدراسۃ العلوم القانونیۃ۔

ابن حزم (متوفی ۴۵٦ھ):

١٦ ـــ الاحکام فی اصول الاحکام

١٧ ـــ المحلی

ابو یوسف (متوفی ١٨٢ھ):

١٨ ـــ اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ تحقیق ابو الوفا افغانی طبع ١٣۵٧ھ۔

الحطاب (متوفی ٩۵۴ھ):

١٩ ـــ تحریر الکلام فی مسائل الالتزام

[illegible] (معاصر)

۲۰ــــ اصول الفقه المقارن

الحلی، مقداد بن عبداللہ السیوری (متوفی ۸۲۶ھ)

۲۱ــــ نضد القواعد الفقہیۃ علی مذہب الامامیۃ۔

حمزہ، محمود (متوفی ۱۳۰۵ھ):

۲۲ــــ الفرائد البہیۃ فی القواعد الفقہیۃ:

حیدر، علی (معاصر)

۲۳ــــ دور الحکام شرح مجلۃ الاحکام

خضری، محمد (معاصر)

۲۴ــــ اصول الفقہ

خفیف، علی (معاصر)

۲۵ــــ فرق الزواج

خلاف، عبدالوہاب (معاصر)

۲۶ــــ اصول الفقہ

ابن خلدون، عبدالرحمٰن (متوفی ۸۰۸ھ)

۲۷ــــ مقدمہ

الخن، ڈاکٹر مصطفیٰ سعید (معاصر)

۲۸ــــ اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیۃ فی اختلاف الفقہاء۔

دبوسی: (متوفی ۴۳۰ھ)

۲۹ــــ تاسیس النظر

دمشقی (متوفی ۸۰۴ھ):

۳۰ــــ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ۔

رازی، فخر الدین (متوفی ۶۰۶ھ):

۳۱ــــ المحصول تحقیق: ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی۔

Marfat.com

ابن رجب (متوفی ۷۹۵ھ):

۳۲ــــ القواعد،

ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ):

۳۳ــــ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد،

زرقا، احمد (متوفی ۱۳۵۷ھ):

۳۴ــــ شرح القواعد الفقہیۃ،

زرقا، مصطفیٰ احمد (معاصر):

۳۵ــــ المدخل الفقہی العام۔

زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ):

۳۶ــــ المنثور فی القواعد، تحقیق: ڈاکٹر تیسیر فائق، طبع وزارۃ الاوقاف (کویت) زنجانی (متوفی ۶۵۶ھ)

۳۷ــــ تخریج الفروع علی الاصول، "تحقیق" ڈاکٹر محمد ادیب صالح۔

ابو زہرہ، محمد (معاصر)

۳۸ــــ اصول الفقہ،

ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ)

۳۹ــــ القواعد والاشباہ والنظائر (مخطوطہ)

ابو سلیمان، ڈاکٹر عبد الوہاب ابراہیم (معاصر)

۴۰ــــ الفکر الاصولی۔

سنہوری، ڈاکٹر عبد الرزاق احمد (معاصر)

۴۱ــــ مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی۔

سیاغی (متوفی ۱۲۲۱ھ)

۴۲ــــ الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر۔

سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ):

۴۳ــــ الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیۃ۔

Marfat.com

شاطبی (متوفی سنہ ۷۹۰ھ):

۴۴ــــ الاعتصام

۴۵ــــ الموافقات فی اصول الشریعۃ ۔ شافعی (متوفی سنہ ۲۰۴ھ)

۴۶ــــ الأم ۔

۴۷ــــ الرسالۃ، تحقیق: احمد محمد شاکر ۔

شعرانی، عبدالوہاب (متوفی سنہ ۹۷۳ھ):

۴۸ــــ المیزان الکبریٰ ۔

شوکانی (متوفی سنہ ۱۲۵۰ھ):

۴۹ــــ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ۔

شیبانی، محمد بن حسن (متوفی سنہ ۱۸۹ھ):

۵۰ــــ الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ ۔

طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (متوفی سنہ ۳۱۰ھ):

۵۱ــــ اختلاف الفقہاء ۔

طحاوی، ابوجعفر (متوفی سنہ ۳۲۱ھ):

۵۲ــــ شرح معانی الآثار

ابن عابدین، محمد امین (متوفی سنہ ۱۲۵۲ھ):

۵۳ــــ ردّ المحتار علی الدر المختار ...

ابن عبدالسلام، عزالدین (متوفی سنہ ۶۶۰ھ)

۵۴ــــ قواعد الاحکام فی مصالح الانام

عودہ، عبدالقادر (معاصر)

۵۵ــــ التشریع الجنائی الاسلامی

غزالی (متوفی سنہ ۵۰۵ھ)

۵۶ــــ المستصفیٰ ،

Marfat.com

۵۷ــــ المنخول، تحقیق: محمد حسن ہیتو

ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ)

۵۸ــــ المغنی

قرافی (متوفی ۶۸۴ھ)

۵۹ــــ الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام وتصرفات القاضی والامام

۶۰ــــ الذخیرہ، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف اور عبدالسمیع احمد امام

۶۱ــــ الفروق

ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)

۶۲ــــ احکام اہل الذمہ

۶۳ــــ اعلام الموقعین عن رب العالمین

کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ)

۶۴ــــ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔

آل کاشف الغطاء، محمد الحسینی (متوفی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء)

۶۵ــــ تحریر المجلۃ،

کرابیسی (متوفی ۵۷۰ھ)

۶۶ــــ الفروق، تحقیق: ڈاکٹر محمد طموم طبع وزارۃ الاوقاف کویت۔

کرخی (متوفی ۳۴۰ھ)

۶۷ــــ رسالۃ الاصول۔

۶۸ــــ مجلۃ الاحکام العدلیۃ، ۱۲۸۶ھ)

۶۹ــــ موسوعۃ الفقہ الاسلامی (فقہی انسائیکلو پیڈیا)۔

مقری، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن احمد (متوفی ۷۵۸ھ)

۷۰ــــ القواعد، تحقیق، احمد بن عبداللہ بن حمید جامعہ ام القریٰ کی طرف سے شریعہ ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے طور پر۔

ابن نجیم (متوفی سنہ ۹۷۰ھ)

۷۱۔ ——— الاشباہ والنظائر۔

نشار، ڈاکٹر علی شامی (معاصر)

۷۲۔ ——— مناہج البحث عند مفکری الاسلام۔

وزارت اوقاف کویت

۷۳۔ ——— الموسوعۃ الفقہیۃ۔

غیر عربی ماخذ

1 - Adler, Alfred : **Understanding Human Nature.** New York : Greenberg Publishers, Inc., 1927.

2 - Atkinson, R.L.; Alkinson, R.C. and Hilgard, E.R. **Introduction to Psyolology**, 8 th ed., New York: Harcourt Brace Jovanovich, Inc., 1983.

3 - Cannon, W.B. **The Wisdom of the Body.** New York: Norton, 1932.

4 - Houston, J.P.; Bee, H., Halfield, E. and Rimm, D.C. **Invitation to Psychology**. New York: The Academic Press Inc,1979.

5 - Kagan, J.; Havemann, E. and Segal, J. **Psychology : An Introduction**. New York: Harcourt Brace Jovanovich, Publishers, 1984.

6 - Kimble, G.A.; Garmezy, N. and Segal, J. **Psychology: An Introduction.** New York: Harcourt Brace Jovanovich, Pubblishers, 1984.

7 - May, Rollo: **The Meaning of Anxiety**. New York: The Ronald Press, Co., 1950.

8 - Munn, L.N. **Psychology: The Fundamentals of Human Adjustment**. Boston: Houghton Mifflen Co., 1961.

9 - Sanford, F.H. and Wrightsman, L.S. Jr. **Psychology: A scientific study of Man,** 3rd ed., Belmont, California, Brooks, cole publishing Co., 1970.

فقہ اسلامی کی نظریہ سازی

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ

اسلامک فقہ اکیڈمی
(انڈیا)

Marfat.com